

ترجمان السنۃ

عربی - اردو

دوم

استاذ المحدثین، زیدۃ الفقہاء، فخر العلماء
حضرت مولانا ابذر علیہ السلام صاحب مدظلہ العالی، قدس سرہ

نہج



مکتبہ رحمانیہ

اقراء سننہ غری ستریت۔ اردو بازار لاہور

ترجمان السنۃ

عربی-اردو جلد دوم

جدید دور کی ضرورت کے مطابق جدید عنوانات اور
مباحث کے ساتھ احادیث مبارکہ کا مستند جامع اور خوبصورت مجموعہ

استاذ المحدثین، زید الفقیہ، فخر العلماء
حضرت مولانا بکر علی صاحبزادہ صاحب مدظلہ العالی، قدس سرہ

مکتبہ رحمانیہ © افترا سنٹر لاہور
عزنی سٹریٹ۔ اردو بازار

کتاب کی تخریج و کتابت کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	ترجمان السنۃ
مؤلف	حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی
طابع	مقبول الرحمن
ناشر	مکتبہ رحمانیہ
مطبع	الٹل سٹار

ملنے کے پتے

- ⇐ مکتبۃ العلم نمبر ۱۸ اردو بازار لاہور
- ⇐ خزانہ علم و ادب الکرمیم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ⇐ اسلامی کتب خانہ فضل الہی مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ⇐ مکتبہ سید احمد شہید الکرمیم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- ⇐ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

فہرست مضامین ترجمان السنۃ جلد دوم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۷۲	ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام نہیں۔ دین اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر رضا و تسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے	۱۲	ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوتا ہے فیضیت کا موجب ہے
۷۴	اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان رضا کی چند مثالیں	۱۳	غیر معقول اور غیر مد رک کا فرق
۷۹	شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا رب اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کی تائید باقی نہ رہے	۲۳	یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے
۸۰	خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں	۲۶	عین یقین کا مرتبہ علم یقین سے زیادہ ہے
۹۰	ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے۔ فرائض و اعمال ایمان کے اجزاء نہیں ہیں	۳۰	رب العزت کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بنا پر جو اضطراب وقتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے منافی نہیں ہے
۹۳	جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک اور ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں	۳۲	مؤمن کا قلب جب تک نور ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا ہے
۹۴	جس کے قلب میں نور ایمان کا ایک ذرہ ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا	۳۵	جس کی موت ایمان و یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے
۹۹	جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مؤمن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا	۳۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں
۱۰۰	جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف بھی ہو	۳۹	تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے
۱۰۲	جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے	۴۷	خدا تعالیٰ کی توحید رسولوں کی رسالت ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزء ایمان ہے۔ اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا
		۶۰	ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے
		۶۲	جس نے شعار اسلام ادا کر لئے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہو گیا
		۶۳	اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے
		۶۶	ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

۱۴۱	لئے مجبور نہیں کیا	۱۰۵	جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوت قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کے لئے تمام احکام اسلام پر علم پیرا ہونا ضروری ہے
۱۵۱	ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہئے	۱۰۶	پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف کے مطابق ہوگی
۱۵۴	وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا۔ ان میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہ ان میں سب سے گھٹیا درجہ کا عمل ہے	۱۰۸	گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا استعمال سے
۱۵۵	کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان نے ایذا نہ دینا واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا	۱۱۰	گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے
۱۶۱	شرم و حیا کرنا	۱۱۱	اگر سبقت لسان سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا
۱۶۷	غیرت	۱۱۵	کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے
۱۷۳	خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا	۱۱۶	خود کشی کرنے والا کافر نہیں
۱۷۵	خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانے کا امتیاز اٹھا دینا	۱۱۷	اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے
۱۷۸	محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا	۱۲۲	عقائد کے مسائل میں جب کہیں الجھن پیش آ جائے تو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالا ایمان لانا کافی ہے
۱۸۲	گاہ بگاہ ترک زینت	۱۲۳	اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدائے تعالیٰ کے حوالے رہے گا
۱۸۴	اچھا طور و طریق متانت اور میانہ روی	۱۲۶	شرط فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے
۱۸۵	حلم و بردباری	۱۳۱	مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں
۱۸۵	ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں	۱۳۳	جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے
۱۸۶	اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے	۱۳۶	طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے
۱۸۸	تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا	۱۳۷	قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا
۱۸۹	جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا	۱۳۸	خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے
۱۹۲	نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا	۱۴۰	اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو اس کا اسلام معتبر ہو جائے گا خواہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے
۱۹۶	حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک		آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے

۲۳۲	مسلمانوں کا اکرام	۱۹۷	کر دینا
۲۳۸	شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام	۱۹۸	نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا
۲۵۷	شرک انسان کی فطرت نہیں	۲۰۰	احکام اسلامی کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا
۲۶۰	شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے	۲۰۱	نمازوں کے لئے مسجد کی پابندی
۲۶۳	شرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں	۲۰۲	طہارت کی نگہداشت
۲۶۴	مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں	۲۰۳	دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا
۲۶۹	کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے	۲۰۴	مؤمن کی صفات
	اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو	۲۰۴	احتیاط اور ہوشیاری
۲۷۵	سکتی ہیں؟	۲۰۴	سادگی اور شرافت
۲۷۶	اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں؟	۲۰۶	دانائی اور مردم شناسی
	غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگرچہ عقیدہ میں نفع و	۲۰۸	مؤمن نجس نہیں ہوتا ہے
۲۸۳	نقصان کا مالک خدا تعالیٰ ہی کو تصور کرتا ہو	۲۰۹	نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی
	اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے	۲۱۱	صاف سینہ ہونا
۲۸۳	سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے	۲۱۲	مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا
۲۸۷	بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے	۲۱۳	گناہوں سے ڈرنا
	مسلمانوں کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا	۲۱۴	اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا
۲۸۹	توحید کا سب سے بلند مقام ہے	۲۱۵	ہمیشہ توبہ کرتے رہنا
	کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سمیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا	۲۱۵	احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسے گھوڑا اپنے کھونٹے کا
۲۹۱	اعتقاد رکھنا کفر ہے	۲۱۶	از سر تا قدم خیر خواہی اور نفع محض بن جانا
۲۹۶	غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے	۲۱۷	ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار رہنا
۲۹۸	غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے	۲۱۷	نرم دلی
	مسلمانوں کو سخت و ست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے	۲۱۸	پاکیزہ زبان ہونا
۲۹۹	جنگ کرنا کفر کی حرکت ہے	۲۲۰	راست گو امانت دار اور وفا شعار ہونا
۳۰۰	تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صنعت خالقیت کی نقالی ہے		مجبوری میں تو یہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح
۳۰۲	قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے	۲۲۴	طریقہ ہے
۳۰۳	ریا کاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے	۲۲۹	اچانک قتل کرنے سے بچنا
۳۰۵	غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت	۲۳۰	مؤمن مرد کا مؤمنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا
	بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی	۲۳۰	کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا
۳۰۹	ممانعت	۲۳۱	مسلمانوں کے حقوق

۳۵۲	مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی	۳۱۰	گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت
۳۵۳	مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے	۳۱۳	کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے
۳۵۵	بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاهن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے	۳۱۶	نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت
۳۵۸	کافر کی چھو منتر بھی شیطانی کام ہیں	۳۱۷	نا تمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ کے ساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے
۳۶۲	نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی	۳۱۷	کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے
۳۶۶	کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہئے	۳۱۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان میں کیں
۳۸۳	خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے	۳۲۵	اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں
۳۸۴	استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام	۳۲۵	خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے
۳۸۶	نفاق اور اس کی قسمیں	۳۳۱	آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت
۳۹۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ	۳۳۲	شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت
۴۰۴	عملی نفاق	۳۳۲	ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت
۴۰۶	نفاق کے شعبے	۳۳۲	مؤمن کو چاہئے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں
۴۰۸	منافق کے صفتیں	۳۳۵	اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلہ ہے
۴۱۰	نفاق کی نشانیاں	۳۳۹	یوں کہنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں
۴۱۵	دروغ گوئی	۳۵۰	جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر اسی پر آ پڑتی ہے
۴۱۹	وعدہ خلافی	۳۵۰	تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں
۴۱۹	لڑائی جھگڑا	۳۵۱	شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے
۴۲۰	نمازوں میں کابلی اور سستی	۳۵۲	
۴۲۲	نفاق کے چند اسباب		
۴۲۳	نفاق سے علیحدہ ہونا		
۴۲۳	منافق کی تعظیم کرنا		
۴۲۳	نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ کہ ”ترجمان السنۃ“ جلد اول طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی اور اب جلد ثانی پیش کی جا رہی ہے جلد اول طباعت کے جن دشوار گزار مراحل سے گزری حق یہ ہے کہ ان میں ہر مرحلہ ناقابل عبور تھا، لیکن اسے قدرت کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے کہ بالآخر وہ تمام مرحلے طے ہو گئے اور ارشادات نبوت کا یہ عظیم الشان ذخیرہ عالم خیال سے نکل کر منصف شہود پر آ گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ
حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

مؤلف کو جلد اول کی تالیف کے وقت یہ شکایت تھی کہ اس اچھوتے اور اہم موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے اس کو سالوں کی بجائے چند مہینے اور چند مہینوں کی بجائے چند ہفتے اور چند ہفتوں کی بجائے چند پرسکون ساعات بھی میسر نہ آ سکیں یعنی مسودہ ابھی ذہنی مراحل بھی طے کرنے نہیں پاتا تھا کہ زبان قلم پر آ جانے کا تقاضا ہو جاتا تھا اور کاتب کے ہاتھ سے اچک لے جاتے تھے مگر جب دوسری جلد کی تالیف کی نوبت آئی تو ان گزشتہ ایام ہی پر حسرت ہوتی تھی کاش گزشتہ ایام کے سکون و طمانیت کی وہ ساعتیں پھر عود کر آئیں، وہ حوادث و انقلابات کے اس مہیب سمندر میں بہا جا رہا تھا۔ جس کی طوفان خیز موجوں میں اطمینان و سکون کا تو ذکر ہی کیا موت و حیات کا پتہ لگنا بھی مشکل تھا۔ لیکن اس سراسیمگی و فراموشی کے عالم میں بھی اگر کوئی شے فراموش نہیں ہو سکی تو وہ جلد ثانی کی تالیف کا خیال تھا، اب مؤلف کے پاس ندوۃ المصنفین کی لائبریری کے علمی ذخائر تو کجا نام کے لیے ایک کتاب بھی نہیں تھی، مشورہ کے لیے علماء کی محفلیں تو کہاں میسر ہوتیں کسی عالم کی ایک صحبت بھی عنقا ہو گئی تھی اور دماغی سکون اور جمعیت خاطر کا تو کہیں دُور دُور بھی پتہ نہیں تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے اس کو قرن اول کی طرح میلوں مارا مارا پھرنا پڑتا تھا پھر جب بہزار مشکل کوئی حدیث کبھی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو طبیعت کی در ماندگی آگے بڑھنے سے جواب دے بیٹھتی تھی اور اگر کسی وقت طبیعت ذرا بیدار ہوتی تو جن مآخذ کا وہ سہارا تکتی وہ یکسر معدوم نظر آتے تھے۔ ان سب مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ جلد ثانی کے تشریحی نوٹ اگر علمی لحاظ سے جلد اول کے ہموزن نہ رہتے تو دونوں جلدوں کا توازن فوت ہوتا تھا۔ بہر حال ۱۴۷۸ء کے ان ہی تاریخی ہنگاموں، سراسیمگیوں اور معذوریوں میں یہ جلد بھی تالیف ہو گئی اور یہ خیال کر کے کہ اگر تحسین صورت و سیرت کی خاطر کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا گیا تو معلوم نہیں آئندہ حالات اور کدھر لے جائیں، اس جلد کو اسی حالت میں یہ کہہ کر قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

عَلَىٰ أَنِّي رَاضٍ بِأَنِ أَحْمَلَ الْهَوَىٰ وَأَخْلَصَ مِنْهُ لَا عَلَىٰ وَلَا لِيَا

”ترجمان السنۃ“ کے عنوانات اور جمع احادیث میں جو اسلوب جدید اختیار کیا گیا ہے چونکہ وہ اس خدمت کا ایک بڑا اہم حصہ ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ گزارش کر دینی ضروری ہے۔ عام ناظرین کے پیش نظر جو چیز رہے گی وہ صرف اس کے تشریحی نوٹ یا زیادہ سے زیادہ اس کے تراجم کی سطح ہوگی لیکن اس کے عنوانوں کی گہرائی، ان کا باہم ربط، اس کے تراجم کی خصوصیات اور خالی الذہن انسان کو ان سے جو اسلامی تربیت حاصل ہو سکتی ہے اس کا احساس خال خال ہی کسی کو ہوگا۔ رہی وہ کاوش جو احادیث کی جمع و ترتیب کے سلسلے میں اٹھائی گئی ہے اس کا اندازہ بجز ان چند علماء کے جو کتب حدیث کے دفتر الٹنے میں اپنی راتوں کی نیند

تلف کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور کس کو ہو سکتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ترجمان السنۃ کی کتاب الایمان کی تسوید میں کسی ایک یا چند کتب کی صرف کتاب الایمان کا مطالعہ قطعاً کافی نہیں ہو سکا بلکہ اس کے ایک ایک عنوان کے لیے احادیث کے مختلف ابواب کے دفاتر اٹائے گئے ہیں۔ پھر اس وسیع سمندر کی تہ میں جو جو موتی غیر مرتب بکھرے نظر آئے ان کو چن چن کر بہتر سے بہتر موقع پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳ دیگر کتب احادیث میں صرف و سوسہ کے عام عنوان کے نیچے ملتی ہے لیکن ترجمان السنۃ جلد اول میں اس کو آپ کی ضرورت کے ایک اہم عنوان کے تحت رکھ دیا گیا ہے اسی طرح صفحہ ۲۸ تک جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں پہلے آپ ان کو ایک بار دیگر کتب حدیث میں دیکھ جائیے کہ کن ابواب اور عنوانات کے تحت ہیں پھر ترجمان السنۃ میں ان کے عنوانات ملاحظہ فرمائیے، مؤلف کی کاوش کا اندازہ ہو جائے گا۔ کتاب التوحید کے بعد رسالت و نبوت کا اہم باب سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں حدیث (۹۳) کا مضمون پہلے بغور ملاحظہ کیجئے، آپ کو یقین ہو جائے گا کہ رسولوں کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں کے لیے مال و دولت میں کوئی حصہ نہیں ہے، یہ تصور حقیقت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی درست ہو لیکن موجودہ دماغوں کے لیے جتنا وحشت ناک ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔ مؤلف نے اس موقع پر سوال کی جواب دہی سے قبل پورا وقت اس پر صرف کیا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت کے منشا کا پتہ لگایا جائے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب توجہ کی جائے۔ اس مرحلے پر نہ معلوم کتنی درد سہی اور کاوش کے بعد ”نسیم الریاض“ میں چند کلمات نظر پڑ گئے جن سے حدیث کا اصل مفہوم روشن ہو گیا۔ پھر دیکھا تو شبہ کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا۔ اس تمام مضمون کو پہلے ایک مختصر عنوان میں سمیٹ دیا گیا ہے پھر تشریحی نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ تعارف کا ذکر آ گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سلسلہ کا سب سے اہم تعارف آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے۔ صرف رسالت و نبوت کا تصور گواہیاء سابقین پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو لیکن آپ کے حق میں یہ تصور یقیناً ایک ناقص تصور ہے آپ کا کامل تصور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک رسالت کے ساتھ آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تصور بھی نہ کیا جائے۔ اسی لیے قرآن کریم نے سورۃ احزاب کی آیت ﴿وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاتم النبیین ہونا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے۔ گویا مردوں میں سے کسی کا نسب والد ہونا اگرچہ عام شان رسالت کے منافی نہ ہو لیکن خاص آپ کی شان کے منافی ہے کیونکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ یہ باب دیگر کتب احادیث میں آپ کو جتنا مختصر ملے گا ترجمان السنۃ میں وقتی تقاضوں کے لحاظ سے اسی قدر مفصل نظر آئے گا۔ صرف اس ایک باب میں بائیس جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے اس مضمون کی جتنی حدیثیں کتب تفاسیر و احادیث میں مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے پھر مضامین کے لحاظ سے ان کو جدا جدا عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے اور کوشش صرف اس باب کو پھیلانے کی نہیں کی گئی بلکہ ان تمام نقوش و عنوانات کو ابھارنے کی کی گئی ہے جو گزشتہ دور میں غیر ضروری ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اور درحقیقت اس مسئلہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر تشریحی نوٹوں میں اس کی ضروری وضاحت بھی کر دی گئی ہے، خاتمہ پر جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ خواہ اس موضوع کی خوش کن تعبیرات سے لبریز نہ ہو لیکن اس راہ میں شکوک و شبہات کا جو کاٹا بھی کسی کے قلب میں چھب سکتا تھا اس کے

نکالنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے غائبانہ تعارف کے سلسلہ میں ان صفات کا ذکر بھی آ گیا ہے جو تورات و انجیل میں مذکور تھیں اور خوش قسمتی سے ان کا تذکرہ حدیثوں میں بھی آ گیا تھا۔ چونکہ ”ترجمان السنۃ“ کا موضوع مستند احادیث کا مجموعہ پیش کرنا ہے اس لیے ان احادیث کا جمع کرنا بھی ناگزیر طور پر اس کے موضوع میں داخل ہو گیا ہے۔ یہاں اصل مقصد یہود و نصاریٰ کو خطاب کرنا نہیں کہ جو رسول پر ایمان ہی سے بے بہرہ ہوں وہ اس کے کلام سے کیا مستفید ہو سکتے ہیں ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو احادیث کے مطالعہ کا شغف تو رکھتے ہیں لیکن سوء اتفاق سے ان کے پاس ان کے حسب مذاق اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں ”ترجمان السنۃ“ جلد اول کے اختتام کے قریب اس کے متعلق پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں علم النبی کے عنوان کے تحت آپ کو دو حدیثیں ملیں گی پہلی حدیث ”انا اعلمکم باللہ“ اور دوسری حدیث ”انتم اعلم بامور دنیاکم“ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات کی روشنی میں عنوان بالا کا فیصلہ پورے اعتدال کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ یہ دو حدیثیں کتب حدیث میں جن جن عنوانات کے تحت ہیں ان کے بالمقابل ہماری ضرورت کے لحاظ سے عنوان مذکور کہیں زیادہ اہم ہے پھر یہ دو حدیثیں دیگر کتب میں سینکڑوں صفحات کے فاصلہ پر رکھی ہوئی ہیں اور ترجمان السنۃ میں پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی نظر آئیں گی۔ اس طریق کار کے مؤسس اول امام بخاری ہیں۔ ان کے بعد حدیثی صنائع میں تو ان کی نقالی بھلا کون کر سکتا تھا ہاں ان کی کتاب کے صرف خارجی نقش و نگار کی نقالی کی ہم نے بھی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقبولان بارگاہ کی اس نقالی میں برکت و اخلاص مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حق تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول کے مختصر تعارف کے بعد ان پر ایمان لانے کے ابواب شروع کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے فضائل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اکثر عنوانات گو خود احادیث ہی کے مختصر ٹکڑے ہیں مگر ترجمان السنۃ میں ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے بشکل عنوانات روشن کر دیا گیا ہے تاکہ ان کے مطالعہ کرنے والوں میں ایمان کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے۔ حدیث نمبر ۲۰۸ پر جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ علم کا ایک جدید اور مستقل باب ہے یعنی ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملنا تو اسلام میں ایک مشہور ضابطہ ہے لیکن اس کے بعد سات سو گنا تک ثواب ملنے کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے۔ ہمیشہ خیال یہی رہا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ ثواب ملنے کا شاید کوئی ضابطہ نہ ہوگا یہ صرف رحم الراحمین کی رحمت بے پایاں کے تحت ہے وہ جسے جتنا چاہے عطا فرمادے لیکن جب حافظ ابن رجب حنبلی کی کتاب نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سات سو گنا اور اس سے زیادہ تضاعیف کا ثواب بھی شریعت میں ایک بہت معقول ضابطہ کے تحت ہے۔ ترجمان السنۃ میں اس کی طرف پہلے ایک مختصر عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نوٹ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کی قدر ایسے ہی اشخاص فرما سکتے ہیں جن کے قلوب میں خوش اعتقادی کی دنیا سے نکل کر عملی میدان میں قدم رکھنے کا جذبہ ہو یا جن کے دماغ میں علمی لحاظ سے اس بارے میں کبھی کوئی الجھن پیش آئی ہو۔

اسی طرح ارکان اسلام میں باہم ربط کا عنوان بھی ایک اہم عنوان ہے جس پر ترجمان السنۃ جلد اول کے آخر میں اور اس جلد

میں بھی ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے۔ مضمون کی اہمیت ان مقامات کے مطالعہ کے بعد ہی واضح ہوگی۔

ابواب الایمان کی تکمیل کے بعد کتب احادیث کی ترتیب کے بالکل برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ان ابواب کی پوری وضاحت کیے بغیر کتاب الایمان کی جتنی بھی تفصیل کی جائے ناقص رہتی ہے۔ اس کے شروع میں بھی ایک متوسط مقالہ لکھ دیا گیا ہے اس ترتیب سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ جب تک پہلے خدائے وحدہ لا شریک لہ اور اس کے رسول پاک کا اس طرح تعارف اور ایمان کے یہ مراحل طے نہ کر لیے جائیں اور شرک و نفاق کی ہر آلودگی سے اس کو یکسر پاک و صاف نہ کر لیا جائے ایمان کامل نصیب نہیں ہو سکتا۔ دامن ایمان پر جب کبھی معصیت کا داغ لگ جاتا ہے تو دماغی لحاظ سے ایک بڑی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے وہ کبھی تو اس کو اعتزال کی طرف لے جاتی ہے اور کبھی ارجاء کی طرف کھینچتی ہے۔ حدیثیں بھی اس بارے میں دونوں طرح کی ملتی ہیں، کہیں ادنیٰ فروگزاشت سے ایمان کی نفی معلوم ہوتی ہے اور کہیں شراب نوشی جیسی معصیت کے بعد بھی مغفرت کی بشارت محرومی معلوم نہیں ہوتی۔ مؤلف نے ان دونوں قسموں کا توازن قائم رکھنے کے لیے مختلف عنوانات قائم کر دیئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کامل ہے تو وہی بلند مقام جو معمولی معصیت کی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا شراب نوشی تو کجا۔^۱ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ اسلام میں انسان کی فطری کمزوری کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اس کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا قلب جذبات و فاداری اور معصیت پرندامت سے معمور رہے اسی کے ساتھ وہ برابر اس کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان صرف اغماض و تساہل کی زندگی بسر کرنے کا عادی نہ بنے بلکہ اس مقام رفیع تک رسائی کی سعی کرتا رہے جہاں پہنچ کر ادنیٰ سی فروگزاشت بھی اس کو بصورت نفاق نظر آنے لگے۔ اس کے بعد تقدیر کا اہم مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر دور میں معرکہ الآراء مسائل میں سب سے زیادہ لاینحل سمجھا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے اس کے باوجود ہر زمانے میں اس پر علماء و فضلاء نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احقر نے بھی کبھی فرصتوں کے دنوں میں اس پر دو مقالے لکھے تھے اور خیال یہ تھا کہ علماء کے گزشتہ مضامین کے ساتھ ان کی حیثیت پیوند کی ضرور ہوگی مگر افسوس اور صد افسوس کہ اس فتنہ میں وہ بھی ضائع ہو گئے۔ اس متاع علمی کے ضیاع کا جتنا صدمہ ہو سکتا ہے وہ ہوا اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اب اس مکمل تصویر کا ایک نقش بھی ذہن میں نہیں رہا کہ کسی ناقص صورت ہی میں اس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ اب نہ وہ فرصت ہے نہ وہ طبیعت کی تازگی نہ وہ علمی ذخائر بلکہ وہ ہمت شکن در ماندگی محیط ہے جو کسی علمی سرمایہ گم کرنے والے کو ہوا کرتی ہے۔ بایں ہمہ کتاب کی تکمیل کے تقاضے مہمیز کا کام کرتے رہے اور اس لیے ایک شکستہ طبیعت میں

۱۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء کے معارف میں ”ترجمان السنۃ“ پر رپورٹ کرتے ہوئے ایک حدیث کے عنوان پر مؤلف کے ساتھ اختلاف رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ اختلاف رائے ہر عالم کا حق ہے، لیکن اس کا بھی محل ہونا چاہیے۔ حدیث نمبر ۹۴ پر احقر نے ایک شخص کی شراب نوشی پر معصیت کا لفظ اطلاق کر دیا ہے۔ فاضل معاصر نے معصیت کے بجائے اس کو کم میں داخل فرمایا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس امر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو مرتبہ حد شرعی قائم ہو چکی ہو کیا اس کو بھی معصیت کی تعریف سے خارج کیا جاسکتا ہے اور پھر کیا وہ ترجمہ جو اس حدیث پر امام بخاری کی جانب سے ”ترجمان السنۃ“ میں نقل کیا گیا ہے ارتکاب کم پر قائم کیا جاسکتا ہے؟

جتنی سکت باقی تھی اس کو پھر اٹھنا پڑا اور بڑی جانفشانی کے بعد اس مضمون کی احادیث جمع کرنے کی جو خدمت رہ گئی تھی اس کو مکمل کر کے وقتی استحضار کے لحاظ سے ایک مقالہ یہاں پھر ہدیہ ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس باب کی حدیثیں بھی احادیث کے تمام متفرق ابواب سے جمع کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ کتاب النکاح اور کتاب العتاق سے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ان ابواب میں تقدیر کے مسئلہ کی حدیثیں کہاں ملیں گی مگر ملیں اور بہت بیش بہا ملیں۔^۱ خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے پاس مصطفیٰ صبری کا رسالہ موقف البشر موجود تھا۔ اس باب میں یہ رسالہ جملہ گذشتہ تصانیف سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ کر کے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان مباحث کے بعد ارادہ تھا کہ عالم ارواح برزخ اور آخرت پر بحث کی جائے جس کے ضمن میں ملائکہ اور شیاطین اور دوزخ و جنت وغیرہا کے مباحث بھی آجاتے ہیں اور اس طرح کتاب الایمان میں آمنت باللہ کی مشہور ترتیب محفوظ رہے لیکن بعض وقتی مسائل کے لحاظ سے شاید یہ ترتیب تمکک کرنی پڑے اس لیے ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ جلد کس ترتیب سے سامنے آئے گی۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تیسری جلد میں تشریحی نوٹوں کا یہ اسلوب غالباً باقی نہ رہ سکے، وقت کی نزاکت کتاب کے جلد از جلد مکمل کر دینے کی متقاضی ہے اور تفصیلات میں جانا فرصت چاہتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ پہلے جدید عنوانات کے تحت حدیثوں، ان کے ترجموں اور صرف مختصر نوٹوں پر اکتفا کی جائے۔ اس کے بعد پھر قدرت جس کو منتخب فرمائے وہ اس مواد کو پھیلا کر پوری تفصیلات کے ساتھ پیش کر دے۔

☆ کنوں تا کرا رسد

وَ الْآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الایمان کلما از دات علاقته بالغیب کان افضل ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہوتا ہے فضاہیت کا موجب ہے

امام راغب غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والغیب فی قوله تعالى ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ما لا يقع تحت الحواس و لا تقتضیه بداهة العقل و انما یعلم
بخبر الانبیاء علیہم السلام۔

غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیت یؤمنون بالغیب میں غیب کا اطلاق ان چیزوں پر کیا گیا ہے جو
انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے
معلوم ہوئی ہیں۔ ذیل کی آیتوں میں غیب کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۱) وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ہود: ۱۲۳)

آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

(۲) اَطْلَعَ الْغَيْبِ (مریم: ۷۸)

کیا اسے غیب کی باتوں کی خبر لگ گئی ہے۔

(۳) لَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِ اَحَدًا (الحج: ۲۶)

اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو قابو نہیں دیتا۔

(۴) لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

(۵) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلٰی الْغَيْبِ (آل عمران: ۱۷۹)

بھلا تم اس قابل کب ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی غیب کی باتوں کی بلا واسطہ خبر دے۔

(۶) عَلَامُ الْغُيُوبِ (المائدہ: ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔

(۷) وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ

غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس لیے غیب کا

علم بھی صرف اسی کو ہے۔

(الانعام: ۵۹)

اگر میں غیب کی سب باتیں جانتا تو ساری بھلائیاں اپنے لیے جمع کر لیتا

(۸) وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ

اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہ سکتی۔

الْخَيْرِ وَمَا مَسْنٰى السُّوْءِ (الاعراف: ۱۸۸)

(حالانکہ میری زندگی شاہد ہے کہ نہ خیر کے تمام خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ میں حوادثِ عالم سے مستثنیٰ ہوں)

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ خدا پرست اور مادہ پرست۔ مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے
دائرہ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی یا مذہبی خوش اعتقادی سے
زیادہ نہیں ہوتا اس لیے وہ دعوت انبیاء علیہم السلام میں جب کسی ماوراء محسوسات عالم کا تذکرہ سنتا ہے تو بیساختہ اس کا تمسخر
ازانے کو تیار ہو جاتا ہے اس کے نزدیک جب عالم غیب کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اس پر ایمان لانا بھی بے معنی ہے وہ اس

ایمان کی حقیقت صرف ایک جہل یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے ایمان سے نہ تو نفس انسانی میں کوئی ارتقائی تحریک ابھر سکتی ہے اور نہ اس میں اعمال صالحہ اور ملکات حسنہ کا کوئی ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو دائرہ محسوسات میں محدود سمجھنا ہی ایک بنیادی غلطی ہے جب عالم محسوسات میں بھی بہت سی چیزوں کا یقین ہمیں صرف مؤرخین اور جغرافیہین کے بیانات ہی پر کرنا پڑتا ہے اور صرف اس بنا پر ان سے انکار کر دینا صحیح نہیں ہوتا کہ ہم نے پچشم خود ان کو نہیں دیکھا تو پھر ان ماوراء محسوسات عالم کا انکار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جن کو اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن انبیاء علیہم السلام کی آنکھوں نے ہم سے زیادہ تحقیق کے ساتھ ان کو دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے خدا پرست جماعت انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتی ہے اور یہی تصدیق و اذعان ان کے ایمان کی ساری قیمت ہوتی ہے۔ اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان بے قیمت ہو۔

غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق * مادہ پرستوں کو یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ وہ غیر معقول اور غیر مدرک میں فرق نہیں کرتے عالم غیب غیر مدرک تو ہے مگر غیر معقول نہیں۔ غیر معقول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسانی اس کو محال سمجھتی ہو یا اس کی تکذیب کرتی ہو۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایمان کے اجزاء کیا ہیں اور ان میں کون سا جزء ایسا ہے جس کو محال اور خلاف عقل کہا جاسکتا ہے کیا ایک خالق کا وجود، کیا رسول کی رسالت، کیا خدا کی کتابیں، اس کے فرشتے، اس کی تقدیر اور ثواب و عذاب کے لیے دائمی مستقر۔ فرمائیے کہ غیب کے اجزاء ان کے سوا اور کیا ہیں۔ پھر ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ ہاں یہ حقائق ان حواسِ خمسہ کے احساس سے بالاتر ضرور ہیں مگر کیا یہ بات کوئی اصول موضوعہ میں داخل ہے کہ جو بات ہمارے ادراک یا مشاہدہ سے بالاتر ہو اس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ درآنحالیکہ ہمارے آلات ادراک سے زیادہ قابل وثوق آلات اس کا ادراک کر رہے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان الانبياء عليهم السلام يخبرون الناس بما تقصر عقولهم عن معرفته لا بما يعرفون انه

ممتنع فيخبرونهم بمحاورات العقول لا بمحالات العقول. (الاجواب الصحيح ج ۱ ص ۳۷۷)

اب رہا یہ سوال کہ اس بے دلیل انقیاد کا اثر نفس انسانی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ صحابہ کے وہ انقلابی کارنامے کریں گے جن کو تاریخ نے ارتقاء انسانی کی اساس و بنیاد قرار دے دیا ہے۔ ارتقائی زندگی کی جو مسافت مادہ پرستوں نے کبھی سالوں میں طے کی تھی وہ ان خدا پرستوں نے چند لمحات میں طے کر ڈالی ہے اسی لیے قرآن کریم نے صحابہ کرامؓ کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی عملی زندگی کا نقشہ بھی کھینچنا ضروری سمجھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ایمان بالغیب ایسا ایمان نہیں تھا جس کی سطح پر عمل صالح کا کوئی بلبہ بھی اٹھتا نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ ایک ایسا طوفان خیز سمندر تھا جس میں اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی موجوں کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرة: ۳)

جو لوگ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی باتوں پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے دیا ہے اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

اقامت صلوٰۃ سے ان کی بدنی عبادت کے کمال کی طرف اشارہ تھا اور انفاق فی سبیل اللہ سے ان کی مالی قربانی کی طرف جس ایمان کے نتیجہ میں نفس انسانی میں جانی و مالی قربانی کی یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے اس کو بے اثر اور خشک ایمان کیسے کہا جاسکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو دو قسم کے علوم لے کر تشریف لاتے ہیں ایک وہ جو صرف ان کی ضمانت و صداقت کے اعتماد پر بے چون و چرا تسلیم کر لیے جائیں وہ سرتاسر معقول ہی معقول ہوتے ہیں اگرچہ عقل انسانی بدیہی طور پر ان کا ادراک نہ کر سکے دوسرے علوم وہ ہوتے ہیں جو ہمارے ادراک و احاطہ عقل میں بھی داخل ہیں۔ ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت دی جاتی ہے بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل حسب ضرورت خود پھیلا لیں۔ قرآن کریم نے گذشتہ اقوام کے تذکرے اور تاریخ کے عبرت آموز واقعات اسی لیے بار بار دہرائے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر آئندہ زندگی میں پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کا سلیقہ آجائے۔ دین کے اس حصہ پر غور و خوض کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حصہ کی معقولیت اور گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے دوسرے حصہ کی معقولیت کا یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے محکمات و مشابہات کی تقسیم بھی اسی اصول پر قائم کی ہے اور راسخین فی العلم کی یہی علامت مقرر کی ہے کہ جب وہ آیات و مشابہات پر گزریں تو (ان کی مرادیں معلوم کرنے کی بجائے) ان کے سامنے غر و اعتراف کا سر جھکا دیں اور اس کا نام جہل اور جمود نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے اس کے برخلاف ان کی مرادوں کے درپے ہونے کا نام علم اور تحقیق نہیں رکھا بلکہ زیغ اور فطرت کی کجی قرار دیا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت آپ احادیث نبویہ پڑھتے جائیے اور عالم غیب کے مباحث کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد و وثوق پر تسلیم کرتے چلے جائیے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جب کہ عالم غیب پر ہو ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿وَلْيَعْلَمْ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ﴾ (الحديد: ۲۵) یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے۔ خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے تو ان کا کمال کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ عالم غیب کا ذرہ ذرہ تحت الحجاب ہو اس پر اس کی تائید و نصرت میں وہ سرگرمی ہو جو عین مشاہدہ میں ہوتی یہ ہے وہ ایمان جو ملائکہ اللہ کے لیے بھی قابل رشک ہے ان کا ایمان، ایمان بالغیب نہیں یہ ایمان ہمارا نصیب ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ تکلیفات شرعیہ کا بار ڈالنے کے لیے قدرت نے اپنے اور انسان کے درمیان ایک حجاب غیب ڈال دیا ہے جس کے بعد جنت و دوزخ اور خدا کے فرشتے تو درکنار خود خالق کا بدیہی وجود بھی عالم غیب میں شامل ہو کر رہ گیا ہے۔ قیامت میں یہ حجاب غیب اٹھا دیا جائے گا اور اسی لیے تکلیفات شرعیہ کا دائرہ بھی ختم ہو جائے گا

نہ عالم کے وجود سے قبل انسان مکلف تھا نہ عالم کے فنا کے بعد مکلف رہے گا۔ دائرۂ تکلیف صرف غیب کی تاریکی تک محدود ہے۔ اسی عارضی حجاب نے عالم غیب کو نظری بنا رکھا ہے ورنہ جو آج نظری ہے وہ کل یقینی تھا اور قیامت کے بعد پھر یقینی بن جائے گا موجودہ تردد و انکار جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس حجاب غیب کا ثمرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام صرف اس لیے آتے ہیں کہ جو کچھ اس حجاب غیب کے ماوراء ہے اس کو بتادیں۔ اسی لیے ان کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور مذکر کی ہوتی ہے۔ نہ غیب کے علوم حاصل کرنے میں وہ خود دماغ سوزی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر جو علوم از خود قدرت ان پر فائز کر دیتی ہے ان کو وہ کسی بخل کے بغیر سب کو سکھا دیتے ہیں ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (التکویر: ۲۴) جو دلائل کی پر خا روادی میں گرفتار ہے وہ بحث زیادہ کرتا ہے اور عمل کم گویا مشقت سفر زیادہ اٹھاتا ہے اور منزل کم طے کرتا ہے۔ پھر یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا رخ صحیح مقصد کی طرف بھی ہوتا ہے یا نہیں اسلام نے مختصر عمر میں آخرت کی طویل منزل طے کرنے کے لیے یہ تعلیم دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر وقت کی تمام فرصت عمل میں صرف کر ڈالے۔

یہ بھی زیر نظر رہنا چاہیے کہ اس عنوان کے تحت احادیث کا منشا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے یہی ہے کہ اس جماعت کے لیے رسول کی ذات اقدس بھی گویا عالم غیب ہی میں شامل ہو گئی ہے۔ اور اس حیثیت سے ان کا ایمان اور غیب درغیب بن گیا ہے اس کو جزئی فضیلت کا صرف ایک اسلوب بیان سمجھنا چاہیے۔ ورنہ دراصل رسول کی ذات کسی حال میں بھی عالم غیب میں شمار نہیں ہوتی وہ قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے۔ البتہ اس کی رسالت ہر حالت میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتی ہے جس پر ایمان لانے میں رسول کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین ہوتی ہے چونکہ اس کی وفات کے بعد یہ مساعداً باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا اس جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے اور اسی معنی سے رسول پر ایمان کو ایمان بالغیب کہہ دیا جاتا ہے۔



(۲۵۲) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِي وَرَأَى مَرَّةً وَطُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِي وَلَمْ يَرِنِي سَبْعَ مَرَّاتٍ.

(۲۵۲) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارک باد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارک باد۔ (احمد)

(رواہ احمد و ذکرہ السيوطی فی الجامع الصغير و رمزله بالصحة و نقل العزیزی عن شيخه تصحيحه. و اورد الحافظ السيوطی جميع طرقه فی الجامع الصغير و رمزله بالحسن)

(۲۵۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ جُلُوسًا فَذَكَرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَبَقُونَا بِهِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ إِنَّ أَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ بَيْنَا لِمَنْ رَأَاهُ وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ مَا آمَنَ أَحَدٌ قَطُّ إِيْمَانًا أَفْضَلَ مِنْ إِيْمَانٍ بَغِيبٍ ثُمَّ قَرَأَ (الْمَ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ إِلَى قَوْلِهِ الْمَفْلُحُونَ).

(۲۵۳) عبدالرحمن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو پھر اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی (الْمَ يَهْدِي إِلَيْكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ إِلَى قَوْلِهِ الْمَفْلُحُونَ) (حاکم ابن کثیر)

(ہکذا رواه ابن ابی حاتم و ابن مردويه و الحاكم في مستدرکه من طرق عن الاعمش به في التفسير و قال صحيح على شرط الشيخين)

یہ ترجمان السنۃ جلد اول دو حدیثوں کا ایک ہی نمبر (۹۴ الف اور ۹۴ ب) لکھا ہوا ہے اس لیے جلد ثانی کے شروع میں حدیثوں کے نمبروں میں ایک عدد بڑھا دیا گیا ہے اور بجائے ۲۵۱ کے اس کو ۲۵۲ سے شروع کیا گیا ہے۔

(۲۵۲) * مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ آخر میں سب موات کی بجائے ثلاث موات کا لفظ ہے۔ (دیکھو درمنثور ج ۱ ص ۲۷)

(۲۵۳) * اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنی سابقیت دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ و مغازی میں صبر و استقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لیے ان کے فضائل کا ذکر.....

(۲۵۴) عَنْ أَبِي مُحَيْرِيزٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جُمُعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدَّثَنَا حَدِيثًا سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أَحَدُكُمْ حَدِيثًا جَيِّدًا تَغْدِيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْْنِي.

(رواہ احمد و اخرجہ طرقہ الحافظ ابن کثیر و اخرجہ الحاکم و صحیحہ و لم)

(۲۵۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَدْتُ أَنِّي لَقِيتُ إِخْوَانِي قَالَ فَقَالَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ إِخْوَانُكَ قَالَ أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَلَكِنْ إِخْوَانِي الَّذِينَ آمَنُوا بِي وَلَمْ يَرَوْْنِي.

(رواہ احمد و رمزہ السیوطی بالصحة و قال العزیزی فی شرحہ و اسنادہ حسن)

(۲۵۴) ابو محیریز بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو جمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا بہت اچھا لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ (احمد - حاکم - ابن کثیر)

(۲۵۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا ہم بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے)

تذکرہ بالکل بر محل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شان تو اضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سنی گوارانہ کی اور آئندہ امت کے لیے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ گزرنے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہؓ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرامؓ اس میں بھی بقیہ امت سے پیش گام تھے لیکن رسول کی پرازدق و صفا شخصیت چونکہ ان ضعفاء امت کے سامنے نہ ہوگی اس لیے اس بزرگ ہستی کو ان کے دل بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ (درمنثور میں بعینہ یہ مکالمہ حارث بن قیسؓ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ (دیکھو ج ۱ ص ۲۶)

(۲۵۵) * یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انہیں رشتہ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

2

(۲۵۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

(۲۵۷) ابو عبد الرحمن جہنیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دو سوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آگئے تو اس قبیلہ کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لیے آپؐ کے قریب آیا جب اس نے آپؐ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کی زیارت کی آپؐ پر ایمان لے آیا اور آپؐ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لیے آپؐ کا ہاتھ ہاتھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے آپؐ کو نہیں دیکھا اور آپؐ پر ایمان لے آیا آپؐ کی تصدیق کی اور آپؐ کا اتباع بھی کیا فرمائیے اس کو کیا ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارک باد دی) اس نے بھی آپؐ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

(۲۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَأَى بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ. (رواه مسلم)

(۲۵۷) عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ رَاكِبَانِ فَلَمَّا رَاهُمَا قَالَ كُنْدِيَّانِ مَذْحِجِيَّانِ حَتَّى أَتِيَاهُ فَإِذَا رَجُلَانِ مِنْ مَذْحِجٍ قَالَ فِدْنَا إِلَيْهِ أَحَدُهُمَا لِبَيْعَتِهِ قَالَ فَلَمَّا أَخَذَ بِيَدِهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَنْ رَاكَ فَاَمَّنْ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ مَا ذَا لَهُ قَالَ طُوبَى لَهُ قَالَ فَمَسَحَ عَلَى يَدِهِ فَانْصَرَفَ ثُمَّ أَقْبَلَ الْآخَرَ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ لِبَيْعَتِهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَنْ أَمَّنْ بِكَ وَصَدَّقَكَ وَاتَّبَعَكَ وَلَمْ يَرَكَ قَالَ طُوبَى لَهُ ثُمَّ طُوبَى لَهُ ثُمَّ طُوبَى لَهُ قَالَ فَمَسَحَ عَلَى يَدِهِ فَانْصَرَفَ. (رواه أحمد والبيهقي والبخاري)

(۲۵۶) * رحمۃ للعالمین کی یہ صرف ایک قدر دانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپؐ نے آنے والی امت کے لیے بھی ایک سامان تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپؐ کے شرف دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جب کہ اسی رشتہ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہؓ نے میدان فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہؓ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بے شک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر وہی جذبہ جاں نثاری اسی نمونہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آنے والی امت لیے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

(۲۵۸) عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيْمَانًا قَالُوا الْمَلَائِكَةُ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالُوا فَالنَّبِيُّونَ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَ أَنَا بَيْنَ أَظْهَرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا إِنْ أَعْجَبَ الْخَلْقَ إِلَيَّ إِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صُحُفًا فِيهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا.

(۲۵۸) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے؟ انہوں نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا کیوں انہیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جب کہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابل تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

(قال ابو حاتم الرازی فیہ المغیرۃ بن قیس البصری و هو منکر الحدیث قال الحافظ ابن کثیر و لکن قد روی ابو یعلیٰ فی مسندہ و ابن مردویہ فی تفسیرہ و الحاکم فی مستدرکہ من حدیث محمد بن ابی حمید و فیہ ضعف عن زید بن اسلم عن ابیہ عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال الحاکم صحیح الاسناد و لم یخرجہ و قد روی نحوه عن انس بن مالک مرفوعاً و اللہ تعالیٰ اعلم قال الذہبی محمد بن ابی حمید ضعفہ)

(۲۵۸) * یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہہ دیا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی متکفل و مربی خود قدرت ہوتی ہے ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر براہ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالم غیب اگرچہ باواسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر میں عالم غیب کا بلاواسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھ کر عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالم غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری بصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھ کر ایمان لے آئے گی ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابل تعجب ضرور ہوگا فضیلت کلی گو تمہیں حاصل ہو لیکن ایک جہت سے فضیلت جزئیہ کے حق دار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمین کی ساری کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اس لیے حدیث میں ارشاد ہے میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ نَفِيرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَوْمًا فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ طُوبَى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَأَتَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهِ لَوْ دِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتُ وَ شَهِدْنَا مَا شَهِدْتُ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلَى أَنْ يَتَمَنَّى مُحَضَّرًا غَيْبَهُ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَذَرِي لَوْ شَهِدَهُ كَيْفَ يَكُونُ فِيهِ وَاللَّهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

(۲۵۹) عبد الرحمن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گزرا اور (انہیں دیکھ کر) بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنہوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے۔ خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بے چارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انہیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا حال کیا ہوتا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی

تھے یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے شروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپؐ نے پوچھا اچھا کوئی مشک ہے لوگ مشک لے آئے اور آپؐ کے سامنے رکھ دی۔ آپؐ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہہ گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بلالؓ آواز دے دو کہ لوگ وضو کر لیں۔ اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہو گئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی کے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے۔ (درمنثور ج ۱ ص ۲۶)

(۲۵۹) * حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جا رہے تھے مگر ان کے لیے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار تھیں۔ العطا یا علی متن البالایا۔ اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لیے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دور نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بے شک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک مرحلہ کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہیے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہئے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ رضا بقضاء کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے۔ ابتداء عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اس سے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامٌ أَكْبَهُمُ اللَّهُ عَلَى
مَنَاحِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ
يُصَدِّقُوهُ أَوْ لَا تَحْمَدُونَ اللَّهَ إِذْ أَخْرَجَكُمْ
لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِينَ لَمَّا جَاءَ بِهِ
نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِّتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَاللَّهُ
لَقَدْ بَعَثَ اللَّهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى أَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَيْهَا نَبِيًّا مِنَ
الْأَنْبِيَاءِ فِي فِتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ مَا يَرُونَ أَنَّ
دِينَنَا أَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ فَجَاءَ
بِفُرْقَانٍ فَرَّقَ بِهِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَ
فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَلَدِهِ حَتَّى أَنْ كَانَ
الرَّجُلُ لِيرَى وَالِدَهُ وَلَدَهُ وَاحِدًا كَافِرًا
وَقَدْ فَتَحَ اللَّهُ قُلُوبَهُ لِلْإِيمَانِ يَعْلَمُ أَنَّهُ
إِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرَّ عَيْنُهُ وَهُوَ
يَعْلَمُ أَنَّ حَبِيبَهُ فِي النَّارِ وَأَنَّهَا الَّتِي قَالَ
اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ).

(رواه احمد ذكره الحافظ ابن كثير في تفسيره)

و قال اسنادہ صحیح

(۲۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقْرَةً إِذَا عَيْنِي فَرَكَبَهَا
فَقَالَتْ إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهَذَا إِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ

موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا ہے اس لیے کہ
انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے
زمانہ میں اپنے ہونے کی تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے
کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جب کہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے
اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی
اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے
محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ فترت و
کفر کے ان سخت سے سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپ سے پیشتر اپنے
نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جب کہ لوگوں کے نزدیک بت پرستی
سے بہتر کوئی دین نہ تھا اس وقت آپ ایک ایسی کتاب لے کر آئے جس نے حق
و باطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث
بھی وہی کتاب بنی۔ یہاں تک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے
ایمان لانے کے لیے کھول دیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو
مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اسی
حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ
پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ
سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو
لوگ یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف
سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے)۔ (احمد)

(۲۶۰) ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لیے جا رہا تھا جب تھک گیا
تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے
لیے تو ہم پیدا نہیں کیے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لیے پیدا کیے

(۲۶۰) * حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے درمیان مستعمل
ہو۔ سردست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابو بکر و عمر کی
غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرمادی۔ گویا آپ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپ فرمائیں پھر وہ

الْأَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ بِقَرَّةٍ تَكَلَّمُ
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَإِنِّي أُوْمِنُ بِهِ أَنَا وَ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ مَا
هُمَا ثُمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمٍ لَهُ
إِذْعَدَا الذَّنْبُ عَلَى شَاةٍ مِنْهَا فَآخَذَهَا
فَأَذْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ
الذَّنْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبْعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ
لَهَا غَيْرِي فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللَّهِ ذَنْبٌ
يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُوْمِنُ بِهِ أَنَا وَ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ
وَ مَا هُمَا ثُمَّ

گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی
حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا
جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا
لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا اچھا
دیکھو گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا
راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے
زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے پھر تعجب سے کہا سبحان اللہ بھیڑیا اور باتیں
کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور
ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔

(متفق علیہ)

(متفق علیہ)

للہ... خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا کلام کر لینا عقل کے
نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت سے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا
جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی حتیٰ کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا
اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی
شعور پیدا کر دے اور ہو سکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کر
جائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح
سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہو گیا ہے۔ ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت
محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو شاید وہ زمانہ آجائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کر لینا
پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو بات ہم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیاء علیہم
الصلوة والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم
غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان
دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لیے مضطر ہو جائیں۔

(۲۶۱) عَنْ عَائِشَةَ ۖ قَالَتْ لَمَّا أُسْرِى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى أَصْبَحَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذَلِكَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِمَّنْ كَانُوا بِهِ وَصَدَّقُوهُ وَسَعَوْا بِذَلِكَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالُوا هَلْ لَكَ إِلَى صَاحِبِكَ يَزْعُمُ أَنَّهُ أُسْرِى بِهِ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذَلِكَ لَقَدْ صَدَّقَ قَالُوا أَوْ تُصَدِّقَهُ أَنَّهُ ذَهَبَ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَجَاءَ قَبْلَ أَنْ يُصْبَحَ قَالَ إِنِّي أَصَدَّقُهُ فِيمَا هُوَ أَوْ بَعْدُ مِنْ ذَلِكَ أَصَدَّقُهُ فِي خَبَرِ السَّمَاءِ فِي غَدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ فَلِذَلِكَ سُمِّيَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ.

(رواه الحاكم)

اليقين الايمان كله

(۲۶۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ۖ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا عَامَ أَوَّلٍ عَلَى الْمَنَبَرِ ثُمَّ بَكَى وَقَالَ سَلُوا الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا

(۲۶۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہو گئے اور یہ قصہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کر لیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت المقدس جا کر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت المقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے)

اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے

(۲۶۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر فرماتے ہوئے) کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار رو

(۲۶۱) * قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیئے گئے ہیں سب سے پہلے یقین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء و صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی تردد نہیں گزرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کے چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابوبکرؓ وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرت مناقب نہیں بلکہ سبقت ایمان اور دین کے لیے اقدمیت انفاق اموال اور اولیت بذل نفس ہے یہ قابل قدر تحقیق ہے۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

(۲۶۲) * یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے ”اليقين الايمان كله“ یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں لکھا

من العافیۃ. (رواہ احمد و الترمذی قال المنذری
من روایۃ عبداللہ بن محمد بن عقیل و قال حسن
غریب و رواہ النسائی و احمد من طرق واحد
اسانیدہ صحیح و قد رمز السیوطی لحسنہ)

پڑے (پھر کہا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے
اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لیے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان و یقین
کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔

(احمد - نسائی - ترمذی)

(۲۶۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

(۲۶۳) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح

لہ ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول
ہے اللھم زدنا ایمانا و یقینا و فقہا۔ اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔ جامع ترمذی میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔ و اقسام لنا من الیقین ماتھون بہ علینا مصائب الدنیا۔ اے اللہ
ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو بھی مقید کرنے کی حقیقت
سفیان ثوریؒ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں لو ان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطارا اشتیا قالی الجنة و
ہربا من النار۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے
مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں
نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک باریہ آیت پڑھی ﴿فَإِذَا نُفِرَ فِی النَّاقُورِ﴾ (المدثر: ۸) (جب صور پھونکا جائے گا تو یہ دن
کافروں کے اوپر بڑا سخت ہو گا الخ) اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت اور کرتے تو اور
مراتب ملے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

(۲۶۳) * حضرت شاہ ولی اللہ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل و نفس اور قلب کی فناء کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ
جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فناء سمجھی جاتی ہے۔ (پس فناء ہونے والے
درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل و خصائص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے فناء کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ
تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے۔ جب انسانی قلب و جوارح آداب الہیہ کی زیر تربیت
مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیت اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم
مادیت کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا
ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا مجھے
عرش رحمن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (خلاصہ حجتہ اللہ)

امام شعرانیؒ لکھتے ہیں: المؤمن الكامل صار الغیب عنده كالشهادة فی عدم الریب۔ (ایواقیت ج ۲ ص ۲۵۷) مومن کامل
وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عام شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آگئی اس کی عقل کامل ہو گئی اور لہ

أَوَّلُ صَلَاحٍ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالزُّهْدُ وَ
دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور
أَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ
دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔

(شعب الایمان)

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

اللہ... جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لیے نفس و قلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب
آ پہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نوازا دیا جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے۔
غلامی میں کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر
کی جائے جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور
جب یہ مقصد بلا تعجب حاصل ہو گیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے
واسطے سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انہیں
حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔ متنبی کہتا ہے:

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم ☆ الا علی شجب و الخلف فی الشجب

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

جنگ ہفتاد و دولت ہمہ را باز نہ ☆ چونہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ نور ایمان کی دو قسمیں ہیں:

(القسم الاول) من امن من نظر باستدلال و برهان فہذا لا یوثق بثبات ایمانہ لدورانہ مع الدلیل و مثل هذا لا
یخالط بشاشة نور ایمانہ القلوب لا نہ لا ینظر الا من خلف حجاب دلیلہ و ما من دلیل من ادلة اصحاب النظر الا
وہو معرض محصول الدخل فیہ و القدح و لو بعد حین فلہذا کان لا یمکن صاحب البرهان ان یخالط الایمان
بشاشة قلبہ للحجاب الذی بینوینہ۔

(القسم الثانی) من کان برہانہ حین حصول الایمان فی قلبہ لامر آخر ضروری و هذا هو الایمان الذی یخالط
بشاشة القلوب و لا یتصور فی حق صاحبہ شک لان الشک لا یجد محلاً یعمرہ فان محله الدلیل و ماثم دلیل
فماثم ما یرد علیہ الدخل و لا الشک۔

(پہلی قسم) اس شخص کا ایمان ہے جو دلیل و برہان کی بنیاد پر حاصل ہو۔ یہ ایمان قابل بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ دلیل کے ساتھ ساتھ
گھومتا رہتا ہے (جس طرف کی دلیل واضح ہو جائے) اس قسم کے نور کی تروتازگی دلوں میں اتر نہیں کرتی، کیونکہ اس کی بصیرت
ہمیشہ دلیل ہی کے پس پردہ ہوتی ہے اور دلیل کوئی بھی ہو ایسی نہیں ہو سکتی جس میں شبہ پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو خواہ اب نہ سہی کچھ مدت
کے بعد سہی یہی وجہ ہے کہ دلائل پرست کا ایمان کبھی خطرات سے بے خطر نہیں ہو سکتا۔

(دوسری قسم) کا ایمان اس شخص کا ہے جو صرف بدایت پر مبنی ہو یہی وہ ایمان ہے جس کی تروتازگی دلوں میں سما جاتی ہے اس شخص کے
حق میں شک و شبہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شک دلیل میں ہوا کرتا ہے جہاں دلیل ہی نہیں وہاں شک کا وجود بھی نہیں۔

عین الیقین امر فوق علم الیقین

عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

(۲۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

(۲۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق

نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ رَبِّ

ہیں (اگر یہ سوال وہ ازراہ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے

(۲۶۴) * محبت و خلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لیے رموز محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے۔ لذت محبت سے یکسر بیگانہ نہیں کیا جانے اور کیا سمجھے۔ یہاں کوئی بد ذوق جب ”رَبِّ اِرْنَسِي“ کے ایک اندازِ ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرارِ خلعت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک و تردد کی نسبت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پر خلعت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک و تردد کا کوئی موقعہ و محل ہی نہ تھا بلکہ اذعان و ایتقان کے اس جبلِ عظیم پر جب محبت و خلعت کی کیف آور ہوئیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز و نیاز کا ایک سا خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاءِ ناز میں حضرت خلیل علیہ السلام کی زبان اسرارِ احیاء کا مشاہدہ کرنے کے لیے بے ساختہ متحرک ہو گئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید در پردہ کسی خلیل کو اپنی خلعت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا ادھر قباء خلعت پہنانے والے نے یہ قدر شناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینان خاطر کے لیے اپنی صفتِ احیاء کا راز پنہاں ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیش نظر قرآن کریم نے از خود ”أَوَلَمْ تُؤْمِنُ“ کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کر دی تھی کہ ان کے سوال کا منشا ضعف یقین نہ تھا بلکہ ربط خلعت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک و تردد سے پاک و صاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین و ایمان کی موجیں اٹھتی ہوئی اپنے سینوں میں مشاہدہ کر رہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین و اذعان کا عالم یہ ہے تو اس شمعِ فروزاں کے قلب میں ایمان و ایتقان کا عالم کیا ہونا چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلعت کے رتبہ بلند سے نوازا دیا تھا۔ اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک و تردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ مگر آپ کی نسبت ابدیت اور شانِ تواضع کے مناسب وہی طریقہ تھا جو ازراہ ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے متبع ہیں۔ اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بنا پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حق دار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک و تردد نہیں تو بھلا اس موحدِ اعظم کو کیا شک و تردد ہو سکتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سوال مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفتِ احیاء پر ایمان لانا بے شک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں۔ قیامت آئے گی اس پر ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب و سوال کی در دسری کا محتاج ہی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ بعض علماء

اَرِنِیْ کَیْفَ تُحِی الْمَوْتِیْ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَّلٰکِنْ لَّیْطَمَنَّ قَلْبِیْ۔ الْحَدِیْث (رواہ مسلم)

کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیات احیاء کا مشاہدہ کر کے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

اللہ... علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کر دینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادہ تمثیل قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہو سکتا جسے دیکھنے کے لیے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصب ہو سکتا ہے اس لیے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لے کر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈال دیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی درخواست کی جاسکتی ہے اور یہی وہ حیرت انگیز نظارہ ہو سکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی باسانی ممکن ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اذعان و یقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان و سکون میسر آ جانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزء شمار نہیں ہوتے اس لیے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ذوق و شوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہو تو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہو گا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتی کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہ جمال کے بے حجابانہ دیدار کے لیے تھا ”رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرُ الْیَکَ“ کون کہہ سکتا ہے کہ محبت و عشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک و تردد کی بوجہ آ سکتی ہے بلکہ سرتاسر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہیے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کے لیے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جاسکتا۔

(۲۶۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمُعَايَنَةِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَبَرَ مُوسَى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهُ فِي الْعَجَلِ فَلَمْ يَلْقَ الْأَلْوَا حَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا أَلْقَى الْأَلْوَا حَ. (رواه احمد كما في المشكوة في باب بدء الخلق و اخرجہ الحاکم فی التفسیر و رمزہ الذہبی) (خ م)

(۲۶۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انہوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کر سکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

(۲۶۶) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَأَعْرَضَ وَ أَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَ أَشَاحَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ كَانَمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَ فِي رِوَايَةٍ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَ أَشَاحَ بِوَجْهِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَ فِي رِوَايَةٍ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَ لَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ. (رواه مسلم)

(۲۶۶) عدی بن حاتمؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر فوراً ادھر سے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرہ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کر کے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرہ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے۔ (مسلم)

(۲۶۵) * یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات و کیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آ گئی تو اب یہ کیفیات و تاثرات بھی یکزلت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گزرے۔ اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہیے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین و اذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل بر محل تھی۔ یہاں شک و تردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقف ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ (دیکھو تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۱۱)

(۲۶۶) * یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم و یقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ منصغ نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہو کر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لیے اس جہان کا تذکرہ اس انداز میں....

(۲۶۷) محمد بن صالح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عوف بن مالک! کہو کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا بفضلہ تعالیٰ سچا اور پکا مؤمن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنا لیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتادی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔

(ابوبکر بن ابی شیبہ)

(۲۶۷) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحِ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةً فَمَا حَقِيقَةُ ذَلِكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلَقْتُ نَفْسِي مِنَ الدُّنْيَا وَاسْهَرْتُ لَيْلِي وَأَظْمَأْتُ هَوَا جَرِي كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ أَوْ لَقِيتَ فَالْزَمْ. (رواه أبو بكر بن

ابی شیبہ کما فی کتاب الایمان من الرحمة المہداة وراجع معہ ترجمان السنہ ص ۵۵۶ ایضاً)

لہ سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہو جاتا ہے وہ بھی علی قدر نصیب اس نعمت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے ہم القوم لا یشقی جلیسہم امتیوں کے حق میں اس قسم کی کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آ جاتی ہوں اسی لیے ہم نے حدیث جبریل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہو جاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہو جاتا ہے۔

(۲۶۷) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم و یقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجود لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجود ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہلاتا ہے۔ مرتبہ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا علماء اور عام مؤمنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

رب العزّة کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بناء پر جو
اضطراب وقتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے
منافی نہیں

(۲۶۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپؐ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لیے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لیے وہ چلائی گئی ہو ان سب سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپؐ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی اس طرف جاتے کبھی اس طرف جاتے جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپؐ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی حضرت عائشہؓ آپؐ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپؐ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے لیے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے۔ (متفق علیہ)

(۲۶۹) ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گرین پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آگئی ہو مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام رکوع اور سجود کے ساتھ نماز ادا کی

اذا نشأ قلق في نفس المؤمن من شدة شعوره بالقدرة الازلية و غناء الرب تبارك و تعالى فانما هو اثر اليقين (۲۶۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيحُ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا فِيهَا وَ خَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيهَا وَ شَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَ إِذَا تَحَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغْيِيرَ لَوْنِهِ وَ خَرَجَ وَ دَخَلَ وَ أَقْبَلَ وَ أَذْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّي عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذَلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمِطِرُنَا وَ فِي رَوَايَةٍ وَ يَقُولُ إِذَا أَمَطَرَ رَحْمَةً. (متفق عليه)

(۲۶۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَعَا يَخْشَى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَاتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ

(۲۶۹) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شبہ کے بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا۔ لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متضادم یقینوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا حتیٰ کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو یہ امر منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپؐ کے وجود کے امن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لیے امت کی تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپؐ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہو جاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب بصورت توفیق ظاہر ہو جاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہو جاتا تھا۔

میں نے تو اتنے لمبے قیام و رکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کسی کی موت یا حیوۃ کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لیے دوڑ پڑا کرو۔

(۲۷۰) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھ کر اسی وقت آپ رو بقبلہ ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ کر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کر دے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہاتھ پھیلائے ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا

وَرُكُوعٍ وَ سُجُودٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هَذِهِ
الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتٍ أَحَدٍ
وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ يُخَوِّفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ
فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَافْزِعُوا إِلَى
ذِكْرِهِ وَ دُعَائِهِ وَ اسْتِغْفَارِهِ. (متفق علیہ)

(۲۷۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ
يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَ هُمْ أَلْفٌ وَ أَصْحَابُهُ
ثَلَاثُمِائَةٌ وَ تِسْعَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ
فَجَعَلَ يَهْتَفُ بِرَبِّهِ مَاذَا يَدِيهِ يَقُولُ اللَّهُمَّ
انْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ
الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تَعْبُدْ فِي

(۲۷۰) * حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امت کے غم میں آپ کی اس مشقت و بے چینی کو دیکھ کر گھلے جا رہے تھے انہیں اس بار کا بھلا کیا اندازہ ہو سکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف آپ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اپنی مشقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فناء و بقاء کا مسئلہ تھا۔ اس لیے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں بے غم نظر آ رہے تھے اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھ کر مضطرب نظر آ رہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کر سکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کا تردد اسباب کی موافقت یا نا موافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف حق تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے غیر متناہی شہون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔ دیکھو جنگ حنین شروع ہو گئی تو اسباب کی نا موافقت سے آپ ذرا متاثر نہ ہوئے بلکہ نقشہ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسول خدا کا عزم و ثبات اور آپ کو اپنی فتح و نصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑ گیا کہ آپ کے ساتھ قدم بجا کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسول اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم و یقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

إِنَّا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ إِنَّا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ

”میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

پھر جنگ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بنا پر تھا کہ اگر تلے...

الْأَرْضُ فَمَا زَالَ يَهْتَفُ بِرَبِّهِ مَاذَا يَدِيهِ حَتَّى
سَقَطَ رِذَاءُهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ
فَاخَذَ رِذَاءَهُ فَالْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ التَزَمَهُ
مِنْ وَرَائِهِ وَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ كَفَاكَ
مُنَاشَدَتَكَ رَبِّكَ فَإِنَّهُ سَيَنْجِزُكَ مَا
وَعَدَكَ فَانْزَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ
الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ مَامَدَهُ اللَّهُ
بِالْمَلَائِكَةِ...﴾ (رواه مسلم)

مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کی چادر نیچے گر پڑی۔ ادھر سے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف
لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے شانوں پر ڈال دی اور پیچھے کی جانب سے آ کر آپ کو چمٹ گئے اور
عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس اب آپ اپنے رب سے
بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہو
گئی۔ ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ
الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ مَاعَدَهُ اللَّهُ بِالْمَلَائِكَةِ...﴾

المؤمن لا تصدر عنه المعصية و قلبه
ممتلئ بالایمان و یقین

مؤمن کا قلب جب تک نور ایمان و یقین سے منور ہوتا ہے اس
سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا

(۲۷۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ

(۲۷۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ زنا کرنے والا شخص بحالت زنا مؤمن نہیں ہوتا

اللہ قدرت نے ان کی فتح و نصرت میں کہیں کوئی قید و شرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لیے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو نبی کو غم یہ ہے کہ
اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت و غرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ
کے ان دعائیہ فقرہوں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہو گئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے
آ کر خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنالی لیکن چونکہ اب وہ نبی آچکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس
لیے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کر دی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا اور چونکہ عالم
کی غایت و غرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلاشبہ ضروری ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز و زاری کے موقع پر الحاح
کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح و نصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کے
غایت و غرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے۔ یہ ہر دو سبب تیری فتح و نصرت کے نزول کے لیے ایک سے ایک بڑھ کر
ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے فارغ ہو گئے اور اجابت دعا کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تو پھر آپ ہی تھے جن پر مسرت و
خوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ مسرور تھے کہ آپ کی مسرت کے آثار
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

(۲۷۱) * معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود یعنی
کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں غریب معترضہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لیے اللہ

وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ ابْنُ شَهَابٍ فَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُحَدِّثُهُمْ هَؤُلَاءِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ثُمَّ يَقُولُ وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُلْحَقُ مَعَهُمْ وَلَا يَتَّهَبُ نَهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارُهُمْ حِينَ يَتَّهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ. (رواه البخاری و مسلم و فی طریق و التوبة معروضة بعد)

(۲۷۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لَابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْإِيمَانُ مِنْهُ قَالَ هَكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ

اور چور بھی بحالت چوری مؤمن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مؤمن ہوتا ہے جب کہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ (بے بس ہو کر) اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

(۲۷۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مؤمن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مؤمن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انہوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی

انہوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرہ اسلام سے خارج کر ڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہو گا جن میں امت کے معاصیوں کی بخشش تو اتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کر دیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لیے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح و ذم کے موقع پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہیے۔ آیت ”انَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ“ میں بھی مشرکین کے لیے نجاست کا لفظ بسلسلہ مذمت مستعمل ہے۔ اس لیے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کیے۔ (دیکھو بدایۃ المجتہد لابن رشد)۔

(۲۷۲) * امام بخاری نے اپنی اس تحقیق کو ”باب الزنا و شرب الخمر“ میں خود ابن عباس سے بھی نقل کیا ہے۔ و عن ابن عباس ینزع عنه نور الایمان فی الدنیا۔ حافظ ابن تیمیہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لے گا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر لیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کر دیا جاتا ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ ان حالات میں مؤمن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ ہے....

- 3 انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کر لیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آ جاتا ہے۔ (یہ کہہ کر) پھر انگلیاں ملا لیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکابِ معصیت کی حالت میں بندہ مؤمن کامل نہیں رہتا اور اس کا نورِ ایمانی نکل جاتا ہے۔
- (۲۷۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔
- (۲۷۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔

(مستدرک)

الذہبی علی شرط الشیخین

- (۲۷۴) عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنَى وَ شَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ كَمَا يَخْلَعُ الْإِنْسَانُ الْقَمِيصَ مِنْ رَأْسِهِ. (رواه الحاكم في المستدرک ص ۲۲)
- (۲۷۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔
- (مستدرک)

للہ اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمد سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابو نصر نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مؤمن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہری سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مؤمن نہیں تو فرمائیے اسے اور کیا کہیں؟ امام کو یہ سوال ناگوار گذرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مؤمن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیاں ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوٹ ہو جاتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۲۶۰)

(۲۷۳) * حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ انہ کان یقول انما الایمان کثوب احدکم یلبسه مرة و یخلعه اخرى. ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

(۲۷۴) * آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہؓ کے مابین دائر رہی انہوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو لفظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آ گئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہو گیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابو ہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کر دیں اور اس لیے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ جو ان سے افقہ تھے انہوں نے عنوان للہ

من لقی اللہ بالشہادتین غیر شاک

فیہا دخل الجنة

(۲۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ قَالَ فَنَفِذْتُ أَزْوَادَ الْقَوْمِ قَالَ حَتَّى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا

جس کی موت یقین پر آ جائے وہ یقیناً جنتی

ہوتا ہے

(۲۷۵) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوہ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے لوگوں کا زادراہ ختم ہو گیا تھا حتیٰ کہ نوبت اس کی آ گئی تھی کہ ان میں کسی کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ لوگوں کا باقی ماندہ زادراہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاء برکت فرما

اللہ اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کردی اور فرمایا کہ ان معاصی کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب ائمہ کا دور آیا تو انہوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لیے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مؤمن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابو ہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدث اور فقیہ کے مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے ارد گرد رہنا چاہتا ہے فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہو جائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بعد ہوتا ہے تو ہو جائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہؓ کے درمیان بھی ملتا ہے اگر اتنی سی بات صاف ہو جاتی تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر نارضائی اسی مزاجی فرق کی بناء پر پیش آئی ہے۔ امام صاحبؒ نے مسئلہ کی چھان بین کے لیے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کر دی اور یہ وسعت محدثین کے لیے ہر موقع پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ان ہی لفظی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تخریب کی شکل اختیار کر لی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نور بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر غلاف چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لیے نابینا کے برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کے نور بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مؤمن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نور تصدیق جوش بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے عالم میں اس پر مؤمن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو یہ حجاب بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نور ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (دیکھو کتاب الايمان ص ۱۳ ص ۱۰۰ ص ۱۲۳ ص ۱۲۷ ص ۱۳۲ ص ۱۳۳ ص ۱۵۵) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہد سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں آ کر اتنے پھیل گئے۔

بَقِيَ مِنْ أَزْوَاجِ الْقَوْمِ فَدَعَوَتْ اللَّهَ عَلَيْهِ قَالَ
فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبَرِّ بِرَّهِ وَ ذُو التَّمْرِ
بَتَمْرِهِ قَالَ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ وَ ذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَ مَا كَانُوا
يَصْنَعُونَ بِالنَّوَى قَالَ كَانُوا يَمْصُونَهُ وَ
يَشْرَبُونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ
حَتَّى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوَاجَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ
ذَلِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنِّي رَسُولُ
اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهُ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فِيهِمَا
إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

(۲۷۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ بِلَالٌ يُنَادِي
فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(اخرجه النسائي و الحاكم و ابن حبان)

(۲۷۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبْشٍ أَنَّ السَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ
إِيمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ وَ جِهَادٌ لَا غُلُولَ فِيهِ وَ
حُجَّةٌ مَبْرُورَةٌ قِيلَ فَأَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ
طُولُ الْقُنُوتِ. (الحديث رواه النسائي)

(۲۷۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَعْلَمُ
أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه مسلم)

دیتے (تو بہتر ہوتا) آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس
گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے
آیا، مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں
وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا۔ میں نے پوچھا بھلا گٹھلیاں ان کے کس کام آتی
تھیں؟ انہوں نے کہا کہ انہیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے
آپؐ نے ان میں دعاء برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے
اپنے ناشتہ دان بھر لیے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ
خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔ جو
شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو خدا تعالیٰ کے
حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۲۷۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے
کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو
شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔

(نسائی - حاکم ابن حبان)

(۲۷۷) عبد اللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کیا گیا عملوں میں کون کون سے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپؐ نے
فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت
نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا
اور نماز کون سی افضل ہے؟ فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

(۲۷۸) عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ
یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۲۷۸) * یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں۔ صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی
بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدہ
جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گذر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی
ہے اچھے برے اعمال پر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے یقین کی
چند مثالیں

(۲۷۹) قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہنسا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی) بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور اہداف کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے)۔ (شرح السنہ)

(۲۸۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں تو ہم ابھی ڈال دیں گے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لیے

ذکر ما وقر فی قلوب اصحاب النبی
صلی اللہ علیہ وسلم من الیقین

(۲۷۹) عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُونَ قَالَ نَعَمْ وَالْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ أَكْثَرُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ أَذْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُونَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوا رُهْبَانًا.

(رواہ فی شرح السنہ)

(۲۸۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَّغَنَا أَقْبَالَ أَبِي سُفْيَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضَنَاهَا وَ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَتَدَبَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوا حَتَّى

(۲۷۹) * حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۶۶) کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں یہ حکم دیتا تو ہم بسر و چشم اس کا اتثال کرتے آپؐ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپؐ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اہلہ من الجبال الرواسی۔ ایمان داروں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ مجھے یہ حکم دیں تو میں تو اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالا الایمان اثبت فی قلوبہم من الجبال الرواسی۔ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

نَزَلُوا بِدْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا مَضْرُوعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

(۲۸۱) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمَقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ مَشْهَدًا لَأَنَّ الْكَوْنِ صَاحِبَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَدْعُو عَلَى الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ لَا نَقُولُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى إِذْ هَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلَكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَ عَنْ شِمَالِكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفَكَ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْرَقَ وَجْهُهُ وَسَرَّهُ.

(رواه البخاری)

(۲۸۲) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثٌ الْهَيْئَةَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأْ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَالْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضْرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ. (رواه مسلم)

بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آ کر مقیم ہو گئے آپؐ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپؐ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

(۲۸۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپؐ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لیے ترغیب دے رہے تھے اس وقت یہ بھی آپؐ پہنچے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپؐ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں آپؐ کے سامنے اور آپؐ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپؐ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب نے آپؐ کو خوش کر دیا) (بخاری شریف)

(۲۸۲) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابو موسیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا سلام لو یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈال دی اور (نگلی) تلوار لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

(۲۸۱) * بقول سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آں نہ من باشم کہ روزے جنگ بنی پشت من ☆ آں منم کاندہ میان خاک و خوں بنی سرے

(۲۸۳) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً بدر کی جنگ کے لیے نکلے یہاں تک کہ (میدان جنگ میں) یہ مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آ گئے تو آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماعاً سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمانوں کے برابر ہے۔ یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لیے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آ جائے۔ آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو۔ یہ سن کر انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہو گئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا کہ ان کھجوروں کو ختم کر لوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینک دیں اور مشرکین سے جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

(مسلم)

(۲۸۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے

(۲۸۵) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۲۸۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) إِلَّا رَجَاءُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَخْرَجَ تَمْرَاتٍ مِنْ قِرَابِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لِسُنِّ أَنَا حَيِّتُ حَتَّى أَكُلَ تَمْرَاتِي إِنَّهَا حَيَوَةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ. (مسلم)

(۲۸۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمْرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. (متفق علیہ)

المؤمنون في اصل الايمان و العقائد سواء و انما التفاضل بينهم في مراتب التقوى و اليقين

(۲۸۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ

(۲۸۵) * مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم و یقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے۔ یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جان بازی کے موقع پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ الْمُؤْمِنُونَ فِی الدُّنْیَا عَلٰی ثَلَاثَةِ اَجْزَاءٍ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْ یَاْمَنُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِیْ اَشْرَفَ عَلٰی طَمَعٍ تَرَكَهُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ . (رواہ احمد)

(۲۸۶) عَنْ اَبِیْ بُكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم رَاَيْتُ كَاَنَّ مِيزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوَزِنْتَ اَنْتَ وَ اَبُوْبَكْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَ وُزِنَ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمرُ فَرَجَحَ اَبُوْبَكْرٍ وَ وُزِنَ عُمرُ

فرمایا مؤمن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مؤمن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک و تردد نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر رہے۔ تیسرا وہ (جو اتنی جاں بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقع پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد)

(۲۸۶) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپؐ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے تو آپؐ بھاری اترے اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری اترے پھر عمرؓ و عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری

تھے لیے لَمْ یَرْتَابُوا کے ساتھ جَاهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ کا لفظ رکھا گیا ہے۔ گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان و یقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے۔ بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین کے ساتھ ہے۔

(۲۸۶) * صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ داری حضرت ابو ذرؓ سے اسی قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوۃؑ کا بھی نقل کیا ہے۔ آپؐ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دو فرشتے آپؐ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھر ان کے باہم یہ گفتگو شروع ہو گئی کیا یہ وہی نبی ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں۔ اس نے کہا اچھا تو پھر ان کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولاتو میں بھاری اتر ا۔ پھر اس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو تو بھی میں ہی بھاری اتر ا۔ پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا پھر اس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اتر ا (آپؐ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو سے ان کے بکھر بکھر جانے کا جو نقشہ اس وقت نظر آ رہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بھئی ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے۔

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین و ایمان ہی کا وزن تھا۔ نبی اس میں سب سے بھاری اتر ا۔ اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیقؓ و عمرؓ و عثمانؓ بھاری اترتے رہے۔ رفع میزان کی تعبیر آپؐ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوۃ کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ و جدل کی نذر ہو گیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سادہ امن و انصاف پھر نہ لوٹ سکا۔ حضرت علیؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی۔ صدق اللہ و رسولہ - تھے

وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رَفَعَ الْمِيزَانَ اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کچھ آزرده خاطر ہوئے اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوت کی ترازو تھی اس کے

اللہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں یہاں ایک مفید مضمون تحریر فرمایا۔ ہم اس کو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(و المؤمنون مستوون) ای مستاوون (فی الایمان) ای فی اصلہ (و التوحید) ای فی نفسہ و انما قیدنا بہما فان
الکفر مع الایمان کا لعمی و البصیر و لا شک ان البصراء یختلفون فی قوۃ البصر و ضعفہ فمنہم الاخفش و
الاعمش و من یرى الخط الثخین دون الرقیق الابزجاجة و نحوہا و من یرى عن قرب زائد علی العادة و اخر
بضدہ و من ہنا قال محمد علی ما تقدم اکرہ ان یقول ایمانی کا ایمان جبرئیل علیہ السلام بل یقول امنت
بما امن به جبرئیل علیہ السلام اھ۔

و کذا لا یجوز ان یقول احد ایمانی کا ایمان انبیاء علیہم السلام و لا ینبغی ان یقول ایمانی کا ایمان ابی
بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امثالہما فان تفاوت نور کلمۃ التوحید فی قلوب اہلہا
لا یحصیہ الا اللہ سبحانہ فمن الناس من نور ہا فی قلبہ کا لشمس و منہم کا لقمر و منہم کا لکوب الدرّی و
منہم کا لمشعل العظیم و اخر کا لسراج الضعیف لقولہ علیہ الصلوٰۃ و السلام ”و ذلک اضعف الایمان“
و قولہ علیہ الصلوٰۃ و السلام المؤمن القوی احب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔ و القوۃ تشمل القوۃ الظاہریۃ
العملیۃ و القوۃ الباطنیۃ العلمیۃ و هو علی منوال ہذہ الانوار فی الدنیا تظہر انوار علومہم و اعمالہم و
احوالہم فی العقبی و کلما اشتد نور ہذہ الکلمۃ و عظمت مرتبتہا احرق عن الشبہات و الشهوات بحسب
قوتہا بحیث ربما وصل الی حال لا یصادف شبہۃ و لا شہوۃ و لا ذنب و لا سینۃ الا احرقہا بل تقول النار جزیا
مؤمن فان نورک أطفأ لہی و من عرف ہذا عرف معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ حرم علی
النار من قال لا الہ الا اللہ یتغی بذلک وجہ اللہ و قولہ علیہ السلام لا یدخل النار من قال لا الہ الا اللہ و
امثال ذلک مما اشکل علی کثیر من الناس حتی ظنہا بعضہم منسوخۃ و ظنہا بعضہم قبل و رودا لا و امر و
النواہی و حملہا بعضہم علی نار المشرکین و اول بعضہم الدخول بالخلود فان الشارع لم یجعل ذلک
حاصلاً بمجرد قول اللسان فقط و تأمل حدیث البطاقۃ فان من المعلوم ان کل موحد لہ مثل ہذہ البطاقۃ و
کثیر منہم یدخل النار۔ (شرح فقہ اکبر ص ۷۸)

اصل ایمان اور اصل توحید میں تو تمام مسلمان برابر ہیں لیکن قوت و ضعف کے لحاظ سے ان میں مراتب کا بڑا تفاوت ہے۔ کیونکہ
کفر و ایمان کی مثال ایسی ہے جیسی ایک بیٹا اور نابینا کی۔ دیکھئے دیکھئے والوں کی نظروں میں کتنا اختلاف ہوتا ہے۔ ایک شخص ہوتا
ہے جو صرف رات ہی میں دیکھ سکتا ہے دن میں نہیں دیکھ سکتا، ایک وہ ہوتا ہے جو دن میں دیکھ تو لیتا ہے مگر بہ دقت ایک شخص موٹا
خط دیکھ سکتا ہے لیکن باریک خط چشمہ کی مدد کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی ہوتا ہے کہ اسے عام عادت سے زیادہ نزدیک فاصلہ سے
دیکھنا پڑتا ہے اور کسی کو عام عادت کے خلاف ذرا دور فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے ان ہی اختلاف مراتب کی وجہ سے امام محمد رحمہ اللہ

يُعْنِي فِسَاءٌ هَذَا ذَلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ
يُؤْتِي اللَّهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ.
بعد (خلافت نبوت تو ختم ہو جائے گی اور ملک گیری شروع ہو جائے گی اور)
خداے تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کر دے گا۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

(ترمذی - ابوداؤد)

اللہ فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے متعلق یہ تعبیر اختیار کرے کہ میرا ایمان جبریل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے بلکہ اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جن چیزوں پر جبریل علیہ السلام کا ایمان ہے ان ہی پر میرا بھی ایمان ہے (گویا اتحاد مؤمن بہ اور اعتقادات میں ہے نہ کہ کیفیت ایمان میں)۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میرا ایمان انبیاء علیہم السلام ابو بکر و عمر اور صحابہ کرام جیسا ایمان ہے کیونکہ اہل توحید کے قلوب میں کلمہ توحید کی نورانیت کے لحاظ سے جتنا اختلاف ہے اس کا صحیح اندازہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کسی کے قلب میں یہ نور آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ کسی کے قلب میں چاند کی طرح کسی کے قلب میں روشن ستارے کی طرح اور کسی کے بڑے مشعل کی طرح اور کسی کے ایک ٹمٹماتے چراغ کی طرح۔ ان اختلاف مراتب ہی کی وجہ سے آپ نے (اس شخص کے ایمان کے متعلق جو برائی کی اصلاح تو نہیں کرتا مگر اس پر قلبی ناگواری محسوس کرتا ہے) فرمایا ہے کہ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ مضبوط مؤمن اللہ کو کمزور مؤمن سے زیادہ پیارا ہے۔ مرد مؤمن کی یہ قوت صرف اس کی ظاہری قوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کی ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و ایمانی دونوں کو شامل ہے لوگوں کے اعمال و ایمان کے انوار میں جو تفاوت دنیا میں ہے یہی تفاوت ان کے انوار کے مابین آخرت میں رہے گا یہ نور ایمانی جتنا تیز اور شدید ہوتا ہے اتنا ہی وساوس اور خواہشات نفسانیہ کو وہ زیادہ سوخت کرنے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے جب کہ تمام وساوس اور ہر قسم کی خواہشات فناء ہو جاتی ہیں اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جس کو جلا کر دہ خاکستر نہیں کر دیتا۔ بلکہ اس کے سامنے آتش جہنم بھی یہ چیخنے لگتی ہے کہ اے مؤمن ذرا جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرے ایمان کا نور میری بھڑکتی ہوئی لپٹوں کو بجھائے دیتا ہے۔ جو شخص یہ مضمون سمجھ لے اسے حسب ذیل حدیثوں کی مرادیں سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ ارشاد نبوی ہے۔ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جو شخص لا الہ الا اللہ دل سے کہے وہ آتش دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اسی کے ہم معنی اور بھی حدیثیں ہیں جن کا سمجھنا اکثر لوگوں کو دشوار ہو گیا ہے۔ ان حدیثوں کو بعضوں نے تو منسوخ ہی کہہ ڈالا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ امر وہی کی تفصیلات کے نزول سے قبل کے ارشادات ہیں۔ اور کسی نے آتش سے خاص وہ آتش مراد لی ہے جو صرف کفار کے لیے ہوگی اور کسی نے یہ تاویل کی ہے کہ ان حدیثوں میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی نفی کی گئی ہے۔ مطلقاً دخول کی نفی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام حدیثوں میں آتش دوزخ کے حرام ہونے کا حکم صرف کلمہ توحید پڑھنے پر نہیں ہے بلکہ اسی نور ایمانی پر ہے جس کا بیان ابھی آپ پڑھ چکے ہیں (اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کیجئے جس میں آتا ہے کہ ایک شخص کا اعمال نامہ تولا جائے گا اور اس کے گناہوں کے ننارے دفاتروں کے مقابلہ میں اس کی نیکی کا صرف ایک پرچہ رکھا جائے گا اور وہ ایک ہی پرچہ ان سب دفاتروں کے وزن پر غالب آ جائے گا) (اس پرچہ میں کلمہ توحید لکھا ہوا ہوگا) یہ بات سب جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ہر موجد کے نامہ اعمال میں موجود ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے (اس سے معلوم ہوا کہ آتش دوزخ کی حرمت کا مدار صرف اس کلمہ کے تلفظ پر نہیں بلکہ اسی نور ایمانی پر ہے جو اعمال کی آبیاری کے بعد قلب مؤمن میں پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔) (شرح فقہ اکبر)

(۲۸۷) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ
فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً اُنْكَرْتُهَا
عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ
صَاحِبِهِ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا قِرَاءَةٌ اُنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ
آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَأَمَرَهُمَا
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَنَ
شَأْنُهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا
إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرْبُ
فِي صَدْرِي فَفُضْتُ عَرَقًا وَكَانَمَا أَنْظُرُ إِلَى
اللَّهِ فَقَالَ لِي يَا أَبُي أُرْسِلْ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ
الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنُ
عَلَى أُمَّتِي فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةُ أَقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ
أَحْرَفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْئَلَةٌ
تَسْأَلُنِيهَا فَقُلْتُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَأُمَّتِي اللَّهُمَّ
اغْفِرْ لَأُمَّتِي وَآخِرُ الثَّالِثَةِ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَى
الْخَلْقِ كُلُّهُمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

(رواه المسلم)

(۲۸۷) ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لیے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے اس سے بھی علیحدہ طرز سے قراءت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا انہوں نے پھر اسی طرح پڑھ پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرمادی یہ سن کر میرے قلب میں آپ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے جب میرے شک و تردد کی اس کیفیت کو محسوس کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے اذعان و یقین کا یہ عالم ہو گیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا ابی؟ میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھئے۔ میں نے (امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ اور سہولت کر دی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ جواب ملا کہ آپ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ہر درخواست کے بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعا کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہیے مانگ لیجئے۔ آپ نے دوبار تو یہی دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو (شفاعت کے لیے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم کو بھی۔ (مسلم)

(۲۸۷) * شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لیے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان و ایقان سے معمور ہو گیا اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا شبہات سب برطرف ہو گئے اور خدا کی ذات عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب مریض کا تردد اچھی طرح شفا یاب ہو گیا ہے اس کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے اور نور یقین پھر سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقع بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور لہجہ

(۲۸۸) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لَقِيتُنِي أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ مَا تَقُولُ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُو بَكْرٍ فَوَاللَّهِ أَنَا لَنَلْقَى مِثْلَ هَذَا فَاِنْطَلَقْتُ أَنَا وَابُو بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافِقٌ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأَى عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَدْرُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَ سَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (مسلم، مشکوٰۃ)

(۲۸۸) حنظلہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا ہے؟ میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت و دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیسیوں بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون و بیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کے پاس سے باہر آ جاتے ہیں تو پھر وہی بیسیوں بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلاتم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ گاہ چنیں گاہ چنیں۔ تین بار فرمایا۔ (مسلم)

اللہ... بے خبری ہے۔ دونوں قرأتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لیے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لیے قرأت میں کچھ توسیع کر دی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہو گئی اور قرآن کے مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ لہذا یہ دونوں قرأتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں۔

(۲۸۸) * حضرت حنظلہؓ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی لہ...

(۲۸۹) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کلمہ توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کعبہ کی

(۲۸۹) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ غَدَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا وَرَبُّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَالِكَ قَالُوا النِّفَاقُ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالُوا بَلَى قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكْنَا وَرَبُّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَالِكَ قَالُوا النِّفَاقُ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالُوا بَلَى قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ

اللہ ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبہ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام یعنی اعمال جو ارح سے قلب میں ایمان و تصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بے شک اختیار ہی ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبت الہی ہے جو یقین کے عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرمادے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آ جاتا تھا اسی کو حظہ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آ جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قبا تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔ قلب ماہیت نہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیات ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لا سکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔ خواجہ حافظ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

در بزم دور یک دو قدح در کش و برد ☆ یعنی طمع مدار وصال دوام را

انسانی ترقی کا راز غیبت و حضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے۔ اگر مسلسل غیبت ہو جائے تو بحر محبت کے شناوروں کی ہمت شکستہ ہو جائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارت عشق سرد پڑ جائے۔ اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ و لکن یا حنظلۃ ساعة و ساعة.

النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا لثَالِثَةً فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْنَا وَرَبُّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقُ قَالُوا أَمَّا إِذَا أَكُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلَى حَالٍ وَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْ الدُّنْيَا وَاهْلُونَا قَالَ لَوْ أَنَّكُمْ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِي تَكُونُونَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحْتُكُمْ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِينَةِ.

قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے۔ (ابو یعلیٰ)

(رواہ ابو یعلیٰ رجالہ و رجال الصّحیح غیر غسان بن برزین و هو ثقة - مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۱۰)

(۲۹۰) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الْآيَةَ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خُلِقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يَوْقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِيطِرُونَ كَادَ قَلْبِي أَنْ يَظِيرَ. (رواه البخاری ص ۷۲۲)

(۲۹۰) جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ الطور پڑھتے سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ﴿أَمْ خُلِقُوا...﴾ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں۔ کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا اب اڑا۔ (بخاری شریف)



الایمان ہوا اعتقاد بتوحید اللہ تعالیٰ و تصدیق بالرسالة و ان الرسل
عباد اللہ و ان الجنة حق و النار حق و لا یدخل احد الجنة الا به
خدا تعالیٰ کی توحید رسولوں کی رسالت ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود
کو تسلیم کرنا جزء ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا

واضح رہے کہ حدیثوں میں ایمان کی تعریف کے بارے میں اجمال و تفصیل کا تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے کہیں اس میں
صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ رسالت کی تصدیق بھی شرط معلوم ہوتی ہے اور کہیں ان دونوں کے ساتھ
بعض اور اعتقادات بھی شامل نظر آتے ہیں اور کہیں اعتقادات کے ساتھ اعمال کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں صرف اعمال
ہی کو ایمان کہہ دیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں جو صورت عام طور پر حدیثوں میں ذکر ہوتی ہے وہ توحید کے ساتھ رسالت کی
بھی تصدیق ہے۔ اس عبارت کی اختلاف کی وجہ سے اعمال کی جزئیہ و عدم جزئیہ میں تو محدثین و فقہاء کے مابین کچھ لفظی ساز و ساز پیدا
ہو گیا ہے مگر یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لیے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کی تصدیق
دونوں ہی اجزاء لاینفک ہیں۔ اس وقت یہاں ہماری غرض صرف اسی پر کلام کرنا ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی
ہمیشہ توحید الہی کے برابر کا جزء سمجھا گیا ہے۔ آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مددِ نجات
نہیں سمجھا گیا یہ صورت بالکل جدا گانہ ہے کہ اگر کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول ہی موجود نہ ہو یا گھوٹی ایسا
مقام ہو جہاں کسی رسول کی آواز ہی نہ پہنچ سکتی ہو تو کیا اس کے لیے بھی رسول پر ایمان لانا ضروری ہوگا۔ ان فرضی صورتوں سے گذر
کر ہمیں اس وقت اس پر کلام کرنا منظور ہے کہ کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول پر ایمان
لانے سے مستثنیٰ ہو سکے۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے تواتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق
نجاتِ ابدی کے لیے ایسی ہی ضروری چیز ہے جیسی کہ خدائے تعالیٰ کی توحید۔ اس میں کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مضمون پر
ایمان بالرسول کے عنوان کے تحت ترجمان السنۃ جلد اول میں بھی کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان
میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا

اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی
کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ یقیناً

(سورۃ النساء: ۱۳۶) بہک کر دور جا پڑا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً
سب اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان رحمت ہیں ان ہی کے طفیل میں عالم کو نجاتِ ابدی نصیب ہوئی اگر ان کا مبارک وجود نہ ہوتا تو حق
تعالیٰ کی ذات اتنی بے نیاز بھی کہ کسی کو اپنی ذات و صفات کی اطلاع تک نہ دیتی اور نہ کوئی فرد بشر اس کی ذات کو پہچان سکتا۔ اگر یہ
حضرات نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ان اوامر و نواہی کا مکلف نہ بناتا جن میں سراسر مخلوق ہی کا نفع مضمر تھا اور کسی کو حق تعالیٰ کی

مرضیات و نامرضیات کا علم نہ ہوتا پس اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب متفق ہیں اور ان میں ایک متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے اور ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کو اپنا معبود نہ بنانا چاہیے یہ سعادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کی زبان سے بھی کبھی ادا نہیں ہوئی۔ منکرین نبوت اگر خدائے تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں تو یا تو وہ صرف اہل اسلام کی تقلید میں کہتے ہیں اور یا پھر صرف صفت و جوب میں اس کو واحد کہتے ہیں استحقاق عبادت میں نہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات جس طرح صفت و جوب میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح استحقاق عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے معنی بھی باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور معبود برحق کا اثبات ہے۔ دوسری بات جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہی تصور کرتے ہیں، صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو معبود سمجھتے ہیں اسی کی عبادت کی مخلوق کو دعوت دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کو حلول و اتحاد سے منزہ تصور فرماتے ہیں۔ منکرین نبوت کی تعلیم یہ نہیں ان میں بعض تو یہاں تک تجاوز کر گئے ہیں کہ خود ہی مدعی الوہیت بن گئے ہیں اور اپنی ذات میں حق تعالیٰ کے حلول کے معتقد ہیں۔ لہذا اپنے نفس پر الوہیت کے اطلاق کرنے میں کوئی باک نہیں کرتے اور اس گمراہی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کسی بات کی ممانعت ہی کیا لہذا جو وہ کہہ دیں وہ سب درست اور جو کر گزریں وہ سب مباح ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قدم بندگی کی حدود سے ہی باہر نکل گیا پھر وہ ہر قسم کے برے افعال میں مبتلا ہوئے اور ان کی وجہ سے دوسروں کے لیے بھی ان افعال کی اباحت کا دروازہ کھل گیا۔

تیسری بات جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ یہ حضرات ملائکہ معصوم کے نزول کے قائل ہیں ان میں کسی قسم کا لوٹ تسلیم نہیں کرتے اور ان کو امین اور خدا تعالیٰ کی وحی کا حامل سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کی جو بات فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے مؤید ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الہی اس کا تدارک کر دیتی ہے اس کے برعکس منکرین نبوت کے رؤسا جو کہتے ہیں اپنی جانب سے کہتے ہیں اور اپنی الوہیت کے گھمنڈ میں سب کو حق تصور کرتے ہیں انصاف کرنا چاہیے کہ بھلا ایسے بے عقلوں کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا چاہیے اور ان کی اتباع کیسے کرنی چاہیے۔ (مکتوب نمبر ۶۳ جلد اول ص ۹ مکتوب سوم جلد سوم)

حضرت مجدد صاحب کے اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ نفی استحقاق عبادت کے معنی میں صرف انبیاء علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے شروع ہوتا ہے تو اب اس معنی کے لحاظ سے جو شخص بھی اس کلمہ کو پڑھے گا وہ درحقیقت صرف ان کی اتباع اور ان کی تصدیق کے بعد ہی پڑھے گا اس لیے اس کلمہ کا پڑھنا ہی خود رسالت کی تصدیق کو متضمن ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ کافروں کو براہ راست خدائے تعالیٰ کی ذات سے تو عداوت کبھی نہیں ہوئی ان کو جو کچھ عداوت تھی وہ رسول کی ذات سے تھی یا اس خدا سے تھی جس کی طرف اس رسول نے ان کو دعوت دی۔ پس انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی توحید کو تسلیم کر لینا یہ درحقیقت ان کی تصدیق ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہ سوال محض فرضی ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس کا وجود اتنا نادر ہوگا کہ ایسی نادر جزئیات پر حدیثوں کو حمل نہیں کیا جاسکتا تا کہ اس میں تاویل کی ضرورت ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی حق کا کوئی وجود ہے وہ سب ان حضرات ہی کا طفیل اور ان ہی کے برکات کا بلا واسطہ یا بالواسطہ اثر ہے۔ پس جن کے وجود سے صحیح عقائد دنیا کو پہنچے اگر ان ہی کو درمیان سے علیحدہ کر دیا جائے تو کسی آسمانی دین کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔ چہ جائیکہ اس سے اس طرح صرف نظر کر لی جائے کہ رسول کی پوری زندگی اور اس کی پوری تعلیمات کا منکر صرف اپنی مزعوم توحید کی بنا پر نجات پانے کا مستحق ہو۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ توحید کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک سمجھنا نہیں ہے نہ صرف وحدانیت کوئی کمال ہے بلکہ اجمالاً ان تمام صفات کمالیہ کے ساتھ واحد جاننا بھی ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی درحقیقت صفات ہیں پھر ان صفات کا اجمالی علم بھی اسی وقت کافی ہو سکتا ہے جب کہ عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو اگر صفات کے اجمال بلکہ اس کی تفصیلات کے ساتھ کوئی ادنیٰ درجہ کا شرک بھی موجود ہے تو یہ توحید توحید ہی نہیں کہلائے گی۔ ایمان کے لیے وہ توحید خالص درکار ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے یہ توحید صرف انبیاء علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید صرف زبان سے اس کو ایک کہنے کا نام نہیں اسی طرح رسول پر ایمان بھی صرف اس کو ایک سچا انسان مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کو ان تمام عظمتوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن کریم نے اس کے لیے لازم قرار دیں۔ اسی طرح ان عقائد سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی ضروری ہے جو اس کی حدودِ عظمت سے باہر ہوں اور اسی کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ آپ کی شریعت کو اپنی معاش و معاد کا واحد دستور العمل بنالے۔ ایک نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا کر اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان کو خدائے تعالیٰ کا ایک بندہ تسلیم نہ کر لے اور آپ کے دین کو مکمل طور پر قبول نہ کر لے۔ پھر جب رسول کی ہستی اس طرح واجب التسلیم ہو جاتی ہے تو بقیہ تمام مغیبات کی تصدیق بھی اسی کی تصدیق کے ضمن میں خود بخود لپٹ جاتی ہے۔ جنت و دوزخ، فرشتے، تقدیر اور آخرت کے تمام احوال سب اسی ذیل میں آ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حدیثوں میں صرف شہادتین کے ذکر پر کفایت کر لی گئی ہے اور کہیں ان کے ساتھ اور اعتقادات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان کا پیغام رسول ہونا امت کو بذریعہ تواتر ثابت ہو گیا ہے تو امت نے ان کو بھی رسول ہی کے تصدیق کا جزء سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام مغیبات پر ایمان رسول پر ایمان میں درج ہے اور رسول پر ایمان کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے میں درج ہے۔ اس لیے ان حدیثوں کے درمیان اصل مضمون کا کوئی اختلاف نہیں صرف اجمال و تفصیل یا محض ایک اسلوب بیان کا اختلاف ہے اس سے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی موشگافی کرنی تحقیق نہیں بلکہ زندقہ ہے۔

۱۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی حسب ذیل تحقیق نہایت قابل قدر ہے وہ فرماتے ہیں:

”وقد بینا فی (الصارم المسلول) ان التوحید و الایمان بالرسول متلازمان و کل امة لا تصدق الرسول فلا تكون الا مشرکة و کل مشرک فانه مکذب للرسول فمن دخل فی نوع من الشوک الذی نہت عنه الرسول فانه مناقض لهم مخالف لموجب رسالتهم“۔ (کتاب الردعی البکری ص ۲۶۶)

”ہم نے اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ توحید اور رسولوں پر ایمان لانا یہ دونوں باتیں باہم متلازم ہیں جو لوگ رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں اور جو مشرک ہیں وہ بلاشبہ رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اس لیے جو شخص شرک کی کسی نوع میں بھی مبتلا ہو گا وہ ان کا دشمن اور ان کی رسالت کے مقتضی کا مخالف کہلائے گا کیونکہ رسولوں نے شرک کی جملہ اقسام کی ممانعت کی ہے۔“

اسی لیے حافظ ابن تیمیہ نے کلمہ طیبہ کی حقیقت کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

فدين الاسلام مبني على اصلين من خرج عن واحد منهما فلا عمل له ولا دين ان نعبد الله وحده ولا نشرك به شيئا وعلى ان نعبد بما شرع لا بالحوادث والبدع وهو حقيقة قول لا اله الا الله محمد رسول الله. (صلى الله عليه وسلم) (الرد على البكري ص ۵۳)

یعنی دین اسلام کے دو اصول ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کر دے نہ اس کا دین معتبر ہے نہ کوئی عمل۔ ایک یہ کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ دوم یہ کہ ہم ان طریقوں سے اس کی عبادت کریں جو شریعت کے مقرر کردہ ہوں نو ایجاد طریقے نہ ہوں۔ یہی کلمہ طیبہ کی اصلی حقیقت ہے۔

عبارت بالا میں حافظ موصوف نے بڑی خوبی سے توحید و رسالت کی روح بتادی ہے۔ یعنی دعوت انبیاء علیہم السلام کا اصل مرکز توحید فی العبادۃ ہے لہذا صرف زبان سے خدائے تعالیٰ کو ایک کہہ کر کوئی شخص فرض توحید سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ دوم رسالت کے تسلیم کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی عبادت میں ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ گویا اسلام یہ ہے کہ صرف ایک ہی کی عبادت کرے اور وہ بھی صرف اس طریقے سے کرے جس طرح کہ اس کے رسول نے بتائی ہو۔

یہاں حضرت استاد قدس سرہ نے ایک نہایت لطیف اور اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں ان میں جہاں کہیں صرف کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے وہاں رسالت کا دوسرا جزء محذوف ہے اور جہاں اس کے ساتھ شہادۃ کا لفظ بھی موجود ہے وہاں رسالت کی شہادت کا دوسرا جزء بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔ ان کے سوا جن حدیثوں میں صرف توحید کی شہادت پر نجات کا وعدہ مذکور ہے اول تو وہ اس درجہ صحیح نہیں پھر وہ بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ شہادتین ایمان کے اجزاء ہیں اس کا ایک جزء دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا اور کلمہ طیبہ تمام شریعت کا ایک سرنامہ اور اسلام کا گویا ایک کلی عنوان بن گیا ہے۔ لہذا اس سرخی میں وہ سارا مضمون اجمالاً سمایا ہوا ہوتا ہے جس کی یہ سرخی قرار دی گئی ہے۔ اس لیے لا الہ الا اللہ کے ساتھ دوسری شہادۃ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان حدیثوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کے قائل ہیں یعنی مسلمان ان کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ اور جہاں شہادت کا لفظ اضافہ ہو جاتا ہے وہاں خاص ایک عقیدہ کا بیان کرنا منظور ہوتا ہے جس کی شہادت ایمان کے لیے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے چونکہ صرف توحید کی شہادت کافی نہیں اس لیے اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کی شہادت کا دوسرا جزء بھی لازمی طور پر مذکور ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر یہ مضمون اداء کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس ایمان کی حقیقت کیا ہے جس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تو اس جگہ توحید و رسالت دونوں اجزاء کی شہادت لازمی طور پر ذکر ہوتی ہے اور جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کون سی جماعت یا کون سا مذہب ہے جس کے لیے جنت کی بشارت ہے تو اس کو یوں ادا کر دیا جاتا ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور جس کا انتساب اس کلمہ کی طرف ہو۔ (دیکھو ترجمان السنۃ ص ۳۳۵)

(۲۹۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْجَنَّةَ مِنْ أَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ أَيَّهَا شَاءَ دَخَلَ. (متفق عليه)

(۲۹۱) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریم علیہا السلام پر القاء فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا (اور اسے اختیار دے گا کہ وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے۔) (متفق علیہ)

(۲۹۱) * حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا۔ اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرمو بھی متجاوز نہ تھے۔ روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا۔ نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جنسیت کی نسبت سمجھنے لگے۔ (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے۔ جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو ممکن کا حقیقہ کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یہاں شیخ اکبر نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لے کر سب کو تو پھر اصلا بآباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اس کو حضرت جبریل کے سپرد کر دیا گیا تھا تا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الہیہ کو براہ راست حضرت مریم کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متمثل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے۔ حضرت عیسیٰ کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے۔ (دیکھو البیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۱۱۸) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دار و مدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے۔ اس میں کوئی ادنیٰ فروگزاشت بھی قابل درگزر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگزر ہو سکتی ہے۔ اسلامی تمام عقائد کی روح تو حید و رسالت ہے مگر وہ تو حید نہیں جس کو عقیدہ تثلیث کے ساتھ نبھایا جاسکے بلکہ وہ تو حید جس میں مثال و نظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لیے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تو حید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے۔ جن عقائد میں شرک کی بو آتی رہے وہ اسلامی تو حید کے منافی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تو حید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے لیے بھی یہی اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لیے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جہاد اور حج جو ارح کے عمل ہیں۔

(الف ۲۹۱) عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَهُمَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَهُمْ يَقُولُونَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيْمَانُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَحَجٌّ مَبْرُورٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءً فِي الْوَادِي يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ وَآنَا أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا يَشْهَدُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا بَرِيٌّ مِنَ الشَّرْكِ.

(رواه احمد و الطبرانی فی الكبير قال الهیثمی و رجال احمد موثوقون)

(ب ۲۹۱) یحیی عن عبادۃ بن الصّامت أنّه قال دخلت علیہ و هو فی الموت فبکی ففقال مهلا لم تبکی فوالله لئن استشهدت لا شهدنّ لک و لئن شفعت لا شفعنّ لک و لئن استطعت لانفعنک ثم قال و الله ما من حدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه و سلم فیہ خیر الا حدّ ثکموه الا حدیثا واحدا و سوف احدثکموه الیوم و قد احیط بنفسی سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول من شهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله حرم الله علیه النار. (اخرجه مسلم)

(۲۹۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصَّدِيقِ قَالَ قُلْتُ يَا

(الف ۲۹۱) عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرتے سنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سے عمل افضل ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا اللہ کے لیے جہاد کرنا اور جنایت کے بغیر حج کرنا۔ اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ (احمد)

(ب ۲۹۱) یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصّامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا ٹھہرو کیوں روتے ہو اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لیے شہادت دوں گا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہارے لیے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لیے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کر دیا ہے صرف ایک حدیث باقی ہے اور آج جب کہ میرا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کیے دیتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذابِ دوزخ حرام کر دے گا۔ (مسلم)

(۲۹۲) ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول

(۲۹۲) * مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو صحابہؓ کے دلوں پہ غموں کے لہر...

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ بس یہی اس کے لیے باعثِ نجات ہے۔

رَسُولَ اللَّهِ مَا نَجَاةُ هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي نَحْنُ فِيهِ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَهُوَ لَهُ نَجَاةٌ.

(أخرجہ ابو یعلیٰ و العقیسی و الدارقطنی فی الافراد)

(۲۹۳) زَعَمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ مِنْ دَارِهِمْ قَالَ سَمِعْتُ عَتَبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ غَدَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَنْ يُوَا فِي عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَغَيُّ بِهِ وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه البخاری)

(۲۹۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَأَصَابَنَا جُوعٌ شَدِيدٌ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْعَدُوَّ قَدْ حَضَرَ وَهُمْ شَبَاعٌ وَ النَّاسُ جِيَاعٌ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ إِلَّا نَنَحِرُ نَوَاضِحَنَا فَنُطْعِمُهَا النَّاسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ

(۲۹۳) محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے منہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کر دے گا۔ (بخاری شریف)

(۲۹۴) عمر بن الخطاب کہتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زاد راہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلا دیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ کسی کے کجاوہ میں جو کچھ ہو یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو

..... پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گزرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم و اندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمر میرے پاس سے گزرے انہوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انہوں نے ابو بکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابو بکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہرگز ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انہوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گزرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابو بکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انہیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انہوں نے فرمایا تو فرمائیے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپ کی تو وفات ہو گئی اور ہم آپ سے یہ تحقیق نہ کر سکے کہ دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے۔ ابو بکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتائیے وہ بات کیا ہے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جو میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تھا۔ میرے جانب سے قبول کر لے گا تو وہی اس کے لیے نجات کا موجب ہو جائے گا۔

يَجِي كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ بِمَا فِي رَحْلِهِ وَفِي لَفْظٍ
مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَجِي بِهِ وَبَسْطِ
نِطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَحْجِيءُ بِالْمُدِّ وَالصَّاعِ وَ
أَكْثَرَ وَأَقَلَّ فَكَانَ جَمِيعُ مَا فِي الْجَيْشِ بَضْعًا
وَ عِشْرِينَ صَاعًا فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَى جَنْبِهِ وَ دَعَا بِالْبُرْكََةِ ثُمَّ دَعَا النَّاسَ
فَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ خُذُوا وَلَا تَنْتَهُبُوا فَبَعَثَ
الرَّجُلُ يَأْخُذُ فِي جَرَابِهِ وَفِي غَرَارَتِهِ وَ أَخَذُوا
فِي أَوْعِيَّتِهِمْ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبُطُكُمْ قِمِصَهُ
فَيَمْلَأُهُ فَفَرَّغُوا وَ الطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ

إِلَّا اللَّهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَأْتِي بِهِمَا عَبْدٌ
مُحِقٌّ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ حَرَّ النَّارِ . (اخرجه ابن راهويه

و العدنی و ابو یعلی و الحاکم و غیرہم)

(۲۹۵) عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا
كُنَّا بِالْكُدَيْدِ أَوْ قَالَ بِقَدِيدٍ فَجَعَلَ رِجَالُ
يَسْتَأْذِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ فَيَأْذِنُ لَهُمْ فَقَامَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللَّهَ
وَ أَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُونُ شِقُّ
الشَّجَرَةِ الَّتِي تَلِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضُ إِلَيْهِمْ مِنَ الشَّقِّ الْآخِرِ
فَلَمْ نَرَعْنَدَ ذَلِكَ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ
رَجُلٌ إِنَّ الَّذِي يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَهُ لَسَفِيهٌ
فَحَمِدَ اللَّهَ وَ قَالَ حِينَئِذٍ أَشْهَدُ عِنْدَ اللَّهِ
لَا يَمُوتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنِّي

وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپؐ نے چمڑے کا ایک دستر
خوان بچھا دیا۔ کوئی ایک مد لایا، کوئی ایک صاع، کوئی اس سے زیادہ اور کوئی
اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر میں سے کھانے کی جو مقدار جمع ہو سکی وہ بیس
صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپؐ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اس میں برکت
کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا بسم اللہ کہہ کر اب
اس میں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ چاؤ۔ لوگ اپنے اپنے توشہ
دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لے جانے لگے۔ یہاں تک کہ (کسی کو کچھ
نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھر لیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن
لے کر فارغ ہو گیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان
برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں
کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں
جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی
آنچ سے بچالے گا۔

(حاکم)

(۲۹۵) رِفاعہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدیدا یا قدید (شک
راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم سے اجازت طلب کرنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اجازت دیتے
رہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے
بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ
مبغوض ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو
نہ دیکھا جو رونہ رہا ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے
بعد اب جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ
پر لے درجے کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا
کیا اور فرمایا میں خدائے تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے

دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملے گی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب و عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم تمہارے باپ تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہوں گے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہو سکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ (الحديث) اس میں یہ بھی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ (الحديث)

اس روایت کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کہ یدیا عرفہ کے پاس آ گئے۔ (الحديث)

(۲۹۶) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے نہ کہے گا مگر وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے آؤ میں تمہیں بتا دوں وہ کلمہ کیا ہے؟ وہ

رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ ثُمَّ يُسَدِّدُ إِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ وَقَدْ وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يَدْخُلَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ وَإِنِّي لَا رَجُوانَ لَا يَدْخُلُوهَا حَتَّى تَبُوءُوا أَنْتُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِكُمْ وَأَزْوَاجِكُمْ وَذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِينَ فِي الْجَنَّةِ. (و عنہ من طریق ثانی) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْتَأْذِنُونَهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَّ الَّذِي يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَ هَذِهِ لِسَفِيَةٍ فِي نَفْسِي ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللَّهَ وَقَالَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ عِنْدَ اللَّهِ وَكَانَ إِذَا حَلَفَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ عَبْدٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ثُمَّ يُسَدِّدُ إِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ. فذكر الحديث.

(و عنہ من طریق ثالث) قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْكُدَيْدِ أَوْ قَالَ بِعَرَفَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. (رواه احمد و الطبرانی و البغوی و البارودی و ابن قانع و ابن ماجه بعضه قال الهيثمي و رجاله موثقون)

(۲۹۶) عَنْهُ عُثْمَانُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنِّي لَا أَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَا أَحَدُكَ مَا هِيَ

ہی کَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ الَّتِي أَعَزَّ اللَّهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى مُحَمَّدًا وَ أَصْحَابَهُ وَ هِيَ كَلِمَةُ التَّقْوَى الَّتِي الْإِصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه احمد وله شواهد في الصحاح)

کلمہ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمہ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے۔ وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ (مسند احمد)

(۲۹۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

(۲۹۷) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (احمد)

(رواه احمد قال الهيثمي و رواه البزار و فيه انقطاع قال صاحب التنقيح اخرجه ايضا ابو داود و الحاكم)

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ سَيُخْلِصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي

(۲۹۸) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امیری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائے گا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے

(۲۹۷) * یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جاسکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی۔ وہ کنجی لا الہ الا اللہ یعنی عقیدہ توحید ہے۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لیے دندا نے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لے کر آؤ گے جس کے دندا نے سالم ہوں تو تمہارے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا ورنہ تو نہ کھولا جائے گا۔

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دے دینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مؤثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے۔ لا الہ الا اللہ کے مفہام ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ اب نجات کے لیے اس کے علاوہ کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں۔ شجاعت کا ذکا پٹ رہا ہو اور عرب کی مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جا رہی ہو جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ ہو۔ اس لیے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آسکتا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو۔ اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں۔

(۲۹۸) * اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو لہذا

(اس کے اعمال نامہ کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو میرے ان فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمہ طیبہ لکھا ہوگا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی۔ (ترمذی-احمد)

عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُنْشَرُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَ تَسْعِينَ سَجَلًا كُلُّ سَجَلٍ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ اَتُنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا اَظْلَمَكَ كَتَبْتَنِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ اَفْلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَ اِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرِجُ بِطَاقَةً فِيهَا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ فَيَقُولُ اُحْضِرْ وَ زُنْكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا هَذِهِ الْبَطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السَّجَلَاتِ فَيَقُولُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السَّجَلَاتُ فِي كِفَّةٍ وَ الْبَطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السَّجَلَاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبَطَاقَةُ فَلَا يُثْقَلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی و ابن ماجہ)

اللہ اس لیے ذکر اسی کلمہ کو کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آ گیا ہوگا۔ لا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کبھی تو حلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جاسکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاد کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہ کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مؤمن کے قلب میں یہ کلمہ ایمان رہتا ہے اور جب وہ تبرک کے لیے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہو اگرچہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزانِ آخرت میں اعمال کے ساتھ تولے نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تو لا جاسکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تو لا جاسکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لیے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مؤمن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزانِ آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شانِ بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا للہ

(۲۹۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَبِّ عَلَّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ وَادْعُوكَ بِهِ فَقَالَ يَا مُوسَى قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هَذَا إِنَّمَا أُرِيدُ شَيْئًا تَخْصُنِي بِهِ قَالَ يَا مُوسَى لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَغَايِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ وَضَعْنَ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كِفَّةٍ لَمَّا لَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (رواه في شرح السنۃ)

(۲۹۹) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک بار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائے۔ ارشاد ہوا موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنۃ)

(۳۰۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا قَطُّ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

(۳۰۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمان کے دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ

اللہ اس لیے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف و کرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلاشبہ ایمان کا وزن اتنا ہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سینات کا وزن اس کے مقابلہ میں ہچ ہے۔ آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب غفو ہو جاتی ہیں تو زمانہ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمہ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن اتنا ہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لیے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا۔

(۲۹۹) * اہل فہم کے لیے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیر یعنی اللہ کی ذات پاک کا استثناء مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثناء مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جاسکتا ہے تو اس کے لیے جہت علویٰ یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لیے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لیے فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سموات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثناء عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے۔

(۳۰۰) * یہ کلمہ نفی ماسویٰ اللہ کے لیے موضوع ہے اس لیے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہیے۔ اگر کہیں عرش پر رحمن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر الالہ کے اثبات کا کچھ اتنا پتہ ملتا ہے اس لیے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب ”لَيْسَ لَهَا دُونَ اللَّهِ حِجَابٌ“ کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیں

حَتَّى يُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكِبَائِرَ وَ
فِي رَوَايَةٍ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَيْسَ لَهَا دُونَ اللَّهِ
حِجَابٌ حَتَّى تَخْلُصَ إِلَيْهِ. (رواه الترمذی و قال
هذا حديث غريب - وضعف اسناد الثانية)

(۳۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ
الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

(۳۰۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ اللَّهُ أَكْبَرُ صَدَّقَهُ رَبُّهُ قَالَ لَا إِلَهَ
إِلَّا أَنَا وَ أَنَا أَكْبَرُ وَ إِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَ حُدِّثَ لَا شَرِيكَ لَهُ يَقُولُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
وَ حُدِّثَ لَا شَرِيكَ لِي وَ إِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
لِي الْمُلْكُ وَ لِي الْحَمْدُ وَ إِذَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا

یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے۔ جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا رہے اس
کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون
اس طرح ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ
کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے۔ مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

(۳۰۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور خدا کو پکارنے کا سب سے
افضل کلمہ الحمد للہ ہے۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

(۳۰۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان
کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الہ الا
اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بے شک خدا
میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الہ الا
اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی
شریک نہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ للہ الملک للہ الحمد تو
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے ملک اور تعریف سب میرے
لیے ہے اور جب وہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو

لے لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے۔

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

بے نشان نیست کزو نام و نشان چیزے نیست

یہ اخلاص کی توحید ہے رہ گئے توحید و جودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں۔ توحید و جودی کے مذاق والوں کے
لیے حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدت موجود تو حال ہے اور وحدت وجود حقیقت حال
ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۳۰۱) * کلمہ طیبہ کا افضل ذکر ہونا تو ظاہر ہے اور اسی لیے اس کی پرواز بھی سب اذکار سے بلند ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ
سبحان اللہ اور الحمد للہ کا دائرہ صرف زمین اور آسمانوں کے درمیان درمیان ہی محدود رہتا ہے اور آسمانوں کو نفوذ کر کے عرش تک پہنچ جانا یہ
صرف اسی کلمہ طیبہ کا خاصہ ہے۔ رہا الحمد للہ کا افضل دعا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا لفظ عربی زبان میں اردو کے استعمال سے ذرا جدا گانہ
ہے۔ عربی میں دعا کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکارنے کو کہتے ہیں اور اس ذات بے نیاز کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس کی
تعریف سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں اسی لیے سورہ فاتحہ کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے۔

اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِيْ وَكَانَ يَقُولُ مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمُهُ النَّارُ.
(رواه الترمذی و ابن ماجہ)

ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

الایمان هو التصديق بكل ما جاء به
النبي صلى الله عليه وسلم

ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

(۳۰۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِيْ وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بَحْقَهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.
(رواه البخاری و مسلم و الفظ لمسلم)

(۳۰۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لے کر آیا ہوں جب یہ عہد کر لیں تو اب انہوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

(۳۰۳) * اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کیے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر صحیح تو حید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آ سکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کر لی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزار ہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آ سکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لیے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی یہاں دو صورتیں ایسی نکال دی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین پر ہی رہنا چاہیں تو مصالحت کر کے یا جزیہ ادا کر کے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا اس لیے اصلی مقصد تو دین الہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی دفعات میں مصالحت اور جزیہ بھی شامل رہیں گے۔ دوسری حدیثوں میں ان ضمنی دفعات کا بھی ذکر ملے گا۔

(۳۰۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّينُ خَمْسٌ لَا يَقْبَلُ مِنْهُمْ شَيْءٌ دُونَ شَيْءٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِيمَانٌ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَيَاةِ بَعْدَ الْمَوْتِ هَذِهِ وَاحِدَةٌ وَالصَّلَاةُ الْخَمْسُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ الْإِيمَانَ إِلَّا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ طَهُورٌ مِّنَ الذُّنُوبِ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ الْإِيمَانَ وَالصَّلَاةَ إِلَّا بِالزَّكَاةِ مَن فَعَلَ هَؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانَ فَتَرَكَ صِيَامَهُ مُتَعَمِّدًا لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ مِنْهُ الْإِيمَانَ وَلَا الصَّلَاةَ وَلَا الزَّكَاةَ وَمَن فَعَلَ هَؤُلَاءِ الْأَرْبَعَ وَتَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ يَحُجَّ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِحُجَّتِهِ وَلَمْ يَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ أَهْلِهِ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ الْإِيمَانُ وَلَا الصَّلَاةُ وَلَا الزَّكَاةُ وَلَا الصِّيَامُ.

(۳۰۴) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جزء بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب و کتاب کے لیے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کر لیے اور رمضان شریف کا مہینہ آ گیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کر لیے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

(رواہ فی الحلیہ. و قد مر نحوه فی المجدد الاول من ترجمان السنہ ص ۵۲۲)

لہذا.... موجود ہے اسلامی جنگ کے مقاصد اس کے انواع اور اس کے ختم کرنے کی صورتوں کا مسئلہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اس کا اصل محل کتاب الجہاد ہے۔ اس جگہ ان مباحث کا انتظار قبل از وقت اور بے محل ہے۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۷۴ بھی ضرور ملاحظہ فرما لیجئے۔

(۳۰۴) * یہ حدیث الرحمة المہداة سے نقل کی گئی تھی اس وقت اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود نہیں اس لیے و لم یؤمن بحجہ کا ترجمہ نہیں لکھا گیا ممکن ہے کہ اصل لفظ و لم یأمر بحجہ ہو موجودہ لفظ کا کوئی مفید مطلب اس وقت ذہن میں نہیں آیا علماء غور کر لیں۔

اس حدیث سے ہمارے عنوان کا مضمون بخوبی واضح ہے اور اس کی اصل روح وہ ہے جو ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲۲ پر زیر عنوان ارکان اسلام کا باہم ربط بیان کی گئی ہے اس لیے اس کو دوبارہ دیکھ لینا چاہیے۔

من اقام شعائر الله فله ذمة الله و
ذمة رسوله

جس نے شعائر اسلام ادا کر لیے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے
رسول کا عہد ہو گیا

(۳۰۵) عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفَرُو اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ. (رواه البخاری)

(۳۰۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہو چکا ہے اس لیے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو۔ (بخاری)

(۳۰۵) * اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہو گیا ہے کہ سب اہل قبلہ مؤمن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا ایسا کون سا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا خلخل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسوا مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ نیز اکل ذبیحہ مسلم اقامت صلوٰۃ یا استقبال قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اس کو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کر دیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال مابہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگرچہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگرچہ زبان سے متعلق ہے مگر وہ بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُؤْا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (البقرة: ۱۷۷) نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری سی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کر لیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھا لیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کر چکے ہیں اس لیے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہو جانا چاہیے اب ان کے ہاتھ کوئی بد معاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بد معاملگی کے مترادف ہوگی۔ لیکن فرض کر لو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی صفائی کے لیے ان مخصوص شعاروں کو ترک کر کے ان کے باقاعدہ اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار جتنا ایک نصرانی کے لیے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لیے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اہلیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لیے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی ...

(۳۰۶) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَإِذَا قَالُوهَا وَصَلُّوا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبَلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

(۳۰۶) انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جب یہ اقرار کر لیں ہماری طرح نمازیں پڑھیں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لیے ان کی جان و مال بھی قابل احترام سمجھی جائے گی ہاں آئین اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

(رواہ البخاری)

من ابی قبول بعض الفرائض فقد
ابی الاسلام کلمہ

اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

(۳۰۷) إِنَّ أَبَاهُ رِزْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ (۳۰۷) ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

ہوا.... فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کر لے وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعال کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجر کی عبادت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(۳۰۶) * حافظ ابن حجر ان تین افعال کے تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وحكمة الاقتصار على ما ذكر من الافعال ان من يقر بالتوحيد من اهل الكتاب و ان صلوا و استقبلوا و ذبحوا و لكنهم لا يصلون مثل صلواتنا و لا يستقبلون قبلتنا و منهم من يذبح لغير الله و منهم من لا ياكل ذبيحتنا و لهذا قال في الرواية الاخرى و اكل ذبيحتنا. و الاطلاع على حال المرء في صلواته و اكله يمكن بسرعة في اول يوم بخلاف غير ذلك من امور الدين.

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کر کے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحہ مسلم کھا لینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع سہولت اور بہت جلد ہو سکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے ساتھ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کرے گا اس کے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا معاملہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سے اس کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔

(۳۰۷) * قطعیات اور متواترات دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے لئے....

ہو گیا اور ان کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوبکرؓ آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کر لے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا۔ ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی۔ رہی یہ بات کہ اس کا یہ اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد۔ ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کر دیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا۔ عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ ان سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہو گیا ہے بالآخر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ حق بات یہی ہے۔ (بخاری شریف)

قَالَ لَمَّا تُوْفِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا أَبَا بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللَّهِ لَا قَاتِلِينَ مِنْ فَرَقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللَّهُ لَوْ مَنَعُونِي عَنَّا كَانُوا يُؤْذُونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنَعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ. (رواه البخاری)

اللہ منکر کا یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً اس معاملہ میں جو تردد رہا اس کا معنی حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک صورت واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ باغیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ میں آخر کیا فرق ہے۔ اگر منکر صلوٰۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوٰۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی۔ وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ حافظ زیلیعی تحریر فرماتے ہیں۔ وقد يقال ان عمر لم يتحقق ردتهم يدل على ذلك في القصة ان ابابكر لما استشار فيهم قال له عمر يا خليفة رسول الله انهم قوم مومنون و انما شحوا بما موالهم الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مؤمن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مؤمن تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث و تمحیص کے بعد یہ واقعات و حالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں! فعمر وافق ابابكر على قتال اهل الردة ما بهي الزكوة و اللہ

(۳۰۸) عَنْ دَيْلَمِ الْحَمِيرِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا بَارِضٌ بَارِدَةٌ نَعَالِجُ فِيهَا عَمَلًا شَدِيدًا وَإِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هَذَا الْقَمْحِ نَتَّقُوهُ بِهِ عَلَى أَعْمَالِنَا وَ عَلَى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسَكَّرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوهُ قَالَ قُلْتُ إِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ يَتْرُكُوهُ فَقَاتِلُوهُمْ. (رواه ابوداؤد)

(۳۰۸) دایلم حمیری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لیے ہم گیسوں کی شراب بنا کر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کر سکیں، آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے؟ میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا۔ (ابوداؤد)

(۳۰۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ جِئْتُ بِالْأَسَارِيِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُولُونَ فِي هَؤُلَاءِ الْأَسَارِيِّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا

(۳۰۹) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہو چکی تو جو قیدی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بولوان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب

اللہ كذلك سائر الصحابة . (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۳۲) آخر کار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعاً نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ (منہاج السنہ) حضرت قبیسہؓ فرماتے ہیں ہم المرتدون الذین ارتدوا اعلیٰ عہد ابوبکر فقاتلہم ابوبکر - یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ اکفار الملحدين

مصنفہ حضرت استاد۔

(۳۰۸) * پہلی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست ارشاد نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع زکوٰۃ یا اقامت صلوٰۃ، استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا۔

یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احمقانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا۔ گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرۃ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے۔ (ایوانیت والجواہر ج ۲ ص ۲۶۹)

نہیں۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا صرف ایک سہل بن بیضاء کا استثناء منظور کر لیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آ پڑے جتنا اس دن محسوس ہوا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے فرمادیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہیں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہو گیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایان شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کی زمین کا فروں کے خون سے رنگین نہ کرے۔ (آخر آیت تک) (ترمذی)

ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا

مرتبہ نہیں

(۳۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا وہ حج جس میں جنایت نہ کی جائے۔ (بخاری)

يَنْفَلِتَنَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ
فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا سَهْلُ بْنُ
بِيضَاءَ فَإِنَّهُ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الْإِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا
رَأَيْتُنِي فِي يَوْمٍ أَخُوفُ أَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنْ
السَّمَاءِ مِنِّي فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ حَتَّى قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سَهْلُ بْنُ بِيضَاءَ
قَالَ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ بِقَوْلِ عُمَرَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ
يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْحَنَ فِي الْأَرْضِ إِلَى
آخِرِ الْآيَاتِ. (رواه الترمذی)

لیس الایمان محض العلم و انما

هو عقد القلب

(۳۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ فَقَالَ
إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ
الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ
مَبْرُورٌ. (بخاری شریف)

(۳۱۰) * حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ اور اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

الایمان هو العهد بالتزام طاعة الرسول
و الانقياد للدين كله و ليس مجرد

التصديق و الاقرار

(۳۱۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ أَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ النَّصَارَى مُتَمَسِّكًا
بِالْإِنْجِيلِ وَ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَةِ
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِي مِنْ
يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِي فَهُوَ فِي النَّارِ.

(اخرجه الدارقطني في الافراد)

(۳۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِعَمِّهِ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْ لَا أَنْ تُعَيِّرَنِي قُرَيْشٌ يَقُولُونَ
إِنَّا حَمَلْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ الْجَزَعُ لَا قَرَرْتُ بِهَا
عَيْنَكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّكَ لَا تَهْدِي
مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ.

(رواه مسلم)

ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام نہیں دین اسلام میں داخل ہو
جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری

کا نام ہے

(۳۱۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک
شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھایا
رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی
اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا
ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔
تو فرمائیے اس کا کیا حکم ہو گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نصرانی اور
یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں
جائے گا۔ (دارقطنی)

(۳۱۲) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا
سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں
اس کی گواہی تو دے سکوں انہوں نے کہا کہ اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا
داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے یہ کلمہ پڑھ
لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا
(یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہو گئی إِنَّكَ لَا
تَهْدِي الْخَالِقَ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے
چاہے ہدایت نصیب فرمادے۔ (مسلم شریف)

(۳۱۱) * اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک
بالتورات بھی نجات کے لیے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا صرف تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی
ہی اس کی اتباع کرنی ہیں اسی لیے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

(۳۱۲) * ابوطالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور ان کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے
تھے؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار
نہیں دیا۔ جب تک اپنے اختیار سے عہد و فاداری کے لیے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

(۳۱۳) ابن الناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا۔ علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ ختنے کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوائے یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھ کر بھیج دیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے جب اس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم و فضل میں ہرقل ہی کے ٹکڑا تھا (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا۔ اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لیے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لیے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت

(۳۱۳) وَ كَانَ ابْنُ النَّاطُورِ صَاحِبُ اَيْلِيَاءَ وَ هِرَقْلٌ سَقْفًا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدَّمَ اَيْلِيَاءَ اصْبَحَ يَوْمًا حَبِثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَاقَتِهِ قَدْ اسْتَكْرَنَّا هَيْئَاتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ وَ كَانَ هِرَقْلٌ حَزَاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ اِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكُ الْخَتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ يَخْتَنُ مِنْ هَذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَنُ اِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يُهْمُّكَ شَأْنُهُمْ وَ اَكْتُبْ اِلَى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ فَبَيَّنَا لَهُمْ عَلَى اَمْرِهِمْ اَتَى هِرَقْلٌ بَرَجِلَ ارْسَلْ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَحْبَرَهُ هِرَقْلٌ قَالَ اِذْهَبُوا فَانْظُرُوا اَمْخَتَنَ هَوَامٌ لَا فَانْظُرُوا اِلَيْهِ فَحَدَّثُوا اَنَّهُ مُخْتَنٌ وَ سَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَنُونَ فَقَالَ هِرَقْلٌ هَذَا مَلِكُ هَذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلٌ اِلَى صَاحِبِ لَهُ بِرُومِيَّةٍ وَ كَانَ نَظِيرُهُ فِي الْعِلْمِ وَ سَارَ هِرَقْلٌ اِلَى حِمصَ فَلَمَ يَرْمِ حِمصَ حَتَّى اَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلٍ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَّهُ نَبِيٌّ فَاِذْنِ هِرَقْلٍ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمصَ ثُمَّ اَمَرَ بِابْوَابِهَا فَعُلِقَتْ ثُمَّ اُطْلِعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَ الرُّشْدِ وَ اَنْ يَثْبِتَ مُلْكُكُمْ فَيَتَابِعُوا

قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کر لو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے۔ بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انہیں میرے پاس واپس بلاؤ۔ (جب وہ حاضر ہو گئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لیے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہو گئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔ ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا۔

(۳۱۴) صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو ہم ان سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْخِطَابَ وَهُوَ بُولَاوَا اِيسَا غَضَبًا نَهْ كَرْنَا اَنْهِيْمْ نَبِيَّ نَهْ كَهْنَا اْكَرْ كَهِيْمْ اَنْهِيْمْ نَهْ تَمْهَارِيْ زَبَانٍ سَهْ نَبِيْ كَالْفِظْ سَنَلِيَا تُوَانِ كِيْ چَارَا نَكْهِيْمْ هُوَ جَانِيْمْ كِيْ۔ یہ مشورہ کر کے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں، جادو نہ چلاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لے جاؤ تا کہ وہ

هَذَا النَّبِيُّ فَخَاصُوا حَيْصَةَ حُمْرِ الْوَحْشِ اِلَى الْاَبْوَابِ فَوَجَدُوْهَا قَدْ غُلِقَتْ فَلَمَّا رَاى هِرْقُلُ نَفَرَتَهُمْ وَ اَيْسَ مِنَ الْاِيْمَانِ قَالَ رُدُّوْهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ اِنِّىْ قُلْتُ مَقَالَتِيْ اِنْفَا اَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتْكُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَاَيْتُ فَسَجَدُوْا لَهٗ وَ رَضُوْا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ اٰخِرَ شَأْنِ هِرْقُلَ . (بخاری شریف)

(۳۱۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَالٍ قَالَ قَالَ يَهُودِيٌّ لِّصَاحِبِهِ اِذْهَبْ بِنَا اِلَى هَذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهُ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاتَيَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَالَاهُ عَنْ اَيَاتِ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

(۳۱۴) * حافظ ابن کثیر نے سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے و هو حدیث مشکل و عبد اللہ بن سلمہ فی حفظہ شیء و قد تکلموا فیہ۔ اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات سے معجزات مراد ہیں۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کیے گئے ہیں۔ حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہوا اور اس کی بجائے انہیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ و من تأمل ما فی السیر و الاخبار الثابتة من شهادة كثير من اهل الكتاب و المشرکین له صلى الله عليه وسلم بالرسالة انه صادق فلم تدخلهم هذه الشهادة فی الاسلام علم ان الاسلام امر و راء ذلك و انه ليس هو المعرفة فقط ولا المعرفة و الاقرار فقط بل المعرفة و الاقرار و الانقياد و التزام طاعته و دينه ظاهراً و باطناً. (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات اور مشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا گیا وہ لگے....

وَلَا تَمْشُوا بِرِئَاءِ إِلَى ذِي سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ وَلَا تَسْجُرُوا وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْدِفُوا مُحْصَنَةً وَلَا تَوَلُّوا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُودُ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبْلًا يَدِيهِ وَرِجْلِيهِ وَقَالَ نَشْهَدُ إِنَّكَ نَبِيُّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَتَّبِعُونِي قَالَ إِنْ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ أَنْ تَبْعَاكَ أَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُودُ.

(رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی)

(۳۱۵) عَنْ الْحَارِثِ بْنِ ضَرَّارٍ الْخَزَاعِيِّ قَالَ قَدِمْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِي إِلَى الْإِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِيهِ وَأَقْرَرْتُ بِهِ وَدَعَانِي إِلَى الزَّكَاةِ فَأَقْرَرْتُ بِهَا وَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرْجِعْ إِلَى قَوْمِي فَادْعُوهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ فَمَنْ

اسے مار ڈالے کسی پاک باز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو اور اے یہود خاص تمہارے لیے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یہ جوابات سن کر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدائے تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انہوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنا دیا اور) کہا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہے گا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کر لیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں۔

(احمد ترمذی نسائی ابوداؤد)

(۳۱۵) حارث بن ضرار خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ اسلام کی دعوت دی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ دینے کے لیے فرمایا میں نے اس کا بھی اقرار کر لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوٰۃ دینے کے لیے کہتا

اللہ.... یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے۔ صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کر لینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے۔ ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵)

(۳۱۵) * اس حدیث میں ”دخلت فی الاسلام“ کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ دراصل دین میں داخل ہو جانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لیے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہو گا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیت اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ گوش شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی نکتہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کیے گئے۔ حضرت ابوطالب کے حسب ذیل شعر کا مطلب بھی یہی تھا۔

لولا الملامة او حذار مسبة ☆ لو جدتني سمحا بذاک مینا

اگر مخافین کی ملامت یا ان کے برا بھلا کہنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں آپ کے دین میں بڑی مسرت اور فراخ دلی کے ساتھ داخل ہو جاتا۔

ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع رکھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اپنا کوئی قاصد فلاں فلاں وقت پر بھیج دیں تاکہ جو زکوٰۃ میں جمع کر لوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دے۔ حارث جب ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے جمع کر چکے جنہوں نے دعوت اسلام قبول کر لی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آ گیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقت مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا۔ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آ گئی ہو (جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو) اس لیے انہوں نے اپنی قوم کے چند سربر آوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوٰۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ وصول کر لے۔ (مگر قاصد وقت مقرر پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لیے ہونہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوٰۃ وصول کر لیں جب ولید روانہ ہو گئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار دیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لیے ہوئے مدینہ روانہ ہو چکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آ منا سامنا ہوا تو انہوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لیے بھیجے گئے ہو انہوں نے جواب دیا آپ ہی کے لیے۔ یہ بولے آخر کیوں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے ولید کو تمہارے پاس

اَسْتَجَابَ لِي جَمَعْتُ زَكَاةَ فَتُرْسِلُ إِلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَسُولًا ابَّانَ وَقَتٍ كَذَا وَكَذَا لِيَأْتِيكَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكَاةِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكَاةَ مِمَّنْ اسْتَجَابَ لَهُ وَبَلَغَ الْإِبَّانَ الَّذِي أَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْهِ احْتَبَسَ الرَّسُولُ فَلَمْ يَأْتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ أَنْ قَدْ حَدَثَ فِيهِ سَخَطٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِهِ فَقَالَ لَهُمْ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِي وَقْتًا يُرْسِلُ إِلَيَّ رَسُولَهُ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِي مِنَ الزَّكَاةِ وَلَيْسَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَلَا أَرَى حَبْسَ رَسُولِهِ إِلَّا مِنْ سُخْطَةٍ كَانَتْ فَانْطَلِقُوا فَنَاتِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ إِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهُ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكَاةِ فَلَمَّا أَنْ سَارَ الْوَلِيدُ حَتَّى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيقِ فَرَّقَ فَرَجَعَ فَاتَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِي مِنَ الزَّكَاةِ وَارَادَ قَتْلِي فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُعْثَ إِلَى الْحَارِثِ وَأَقْبَلَ بِأَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا اسْتَقْبَلَ الْبُعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِينَةِ لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوا هَذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا غَشِيَهُمْ قَالَ لَهُمْ إِلَى مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوا إِلَيْكَ قَالَ وَلِمَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَيْكَ الْوَلِيدَ بْنَ عُقْبَةَ فَرَعَمَ
 أَنْكَ مَنَعْتَهُ الزَّكَاةَ وَ أَرَدْتَ قَتْلَهُ قَالَ وَ
 الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِالْحَقِّ مَارَأَيْتَهُ بَتَّةً وَ لَا آتَانِي فَلَمَّا دَخَلَ
 الْحَارِثَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ قَالَ مَنَعْتَ الزَّكَاةَ وَ أَرَدْتَ قَتْلَ
 رَسُولِي قَالَ لَا وَ الَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَارَأَيْتَهُ
 وَ لَا رَأَيْتُ وَ مَا أَقْبَلْتُ إِلَّا حِينَ اخْتَبَسَ عَلَى
 رَسُولِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 خَشْيَةً أَنْ تَكُونَ كَانَتْ سُخْطَةً مِّنَ اللَّهِ وَ
 رَسُولُهُ قَالَ فَزَلَّتِ الْحُجُرَاتُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا
 قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) إِلَى هَذَا الْمَكَانِ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَ
 نِعْمَةً وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (رواه احمد)

الایمان ہو الرضاء بكل ما قضی به

النبي صلى الله عليه وسلم

(۳۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
 عَنْهُمَا أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ
 خَاصِمَ الزُّبَيْرِ فِي شِرَاجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ يُسْقَى
 بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ فَاَمْرَهُ بِالْمَعْرُوفِ ثُمَّ
 أَرْسَلَ إِلَى جَارِكَ قَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ
 ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوْنَ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اسْقِ ثُمَّ أَحْبَسَ حَتَّى
 يَرْجِعَ الْمَاءُ إِلَى الْجَدْرِ وَ اسْتَوْعَى لَهُ حَقَّهُ
 فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَ اللَّهُ إِنْ هَذِهِ الْآيَةُ أَنْزَلَتْ

بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (الثا)
 ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی
 نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے۔ جب حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا
 حارث کہو تم نے زکوٰۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی
 ارادہ کیا انہوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول
 بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو اور انہوں نے مجھ کو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار
 کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس
 نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو
 گئے۔ اسی پر سورہ حجرات نازل ہو گئی۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ
 فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ..... ”مسلمانو اگر کوئی فاسق
 آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ
 نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ“ الخ.....

ایمان آنحضرت کے ہر فیصلہ پر رضاء و تسلیم کے سر جھکا

دینے کا نام ہے

(۳۱۶) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص
 نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیرؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی
 سے کھجوروں کے باغ کی آب پاشی کی جاتی تھی آپؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم
 آب پاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو اس فیصلہ میں آپؐ نے
 دونوں کی بھلائی مد نظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیر آپؐ کے چچا زاد
 بھائی لگتے ہیں اسی لیے آپؐ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپؐ کا چہرہ
 مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا زبیر تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو
 اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپؐ نے
 زبیر کا پورا پورا حق دلویا (اور پچھلے فیصلہ میں آپؐ نے دونوں جانبوں کی رعایت
 فرمائی تھی) زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی (فلا

فِي ذَلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ.

(رواہ البخاری)

(۳۱۷) عَنْ ضَمْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِلْمُحَقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمُقْضَى عَلَيْهِ لَا أَرْضَى فَقَالَ صَاحِبُهُ فَمَا تُرِيدُ قَالَ أَنْ نَذْهَبَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَذَهَبَا إِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِي قَضَى لَهُ قَدْ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنْتُمَا عَلَى مَا قَضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبَى صَاحِبُهُ أَنْ يَرْضَى فَقَالَ نَأْتِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمُقْضَى لَهُ قَدْ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِي عَلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَرْضَى فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذَلِكَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهُ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِي يَدِهِ قَدْ سَلَّهُ فَضْرَبَ بِهِ رَأْسَ الَّذِي أَبَى أَنْ يَرْضَى فَقَتَلَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ الْآيَةَ. (تفسير ابن كثير)

و ربك الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصلہ نہ بنائیں پھر اس پر فراخ دلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

(۳۱۷) ضمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لے کر آئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہو گئے جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئے مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمادیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئے مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کر دیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا کیا واقعہ اسی طرح ہے؟ اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سراڑ اڈا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ الخ. (تفسیر ابن کثیر)

(۳۱۷) * حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن البیہق ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابوالحق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن البیہق نہیں ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدائے تعالیٰ کو جاننا اس کو ماننا اس کے ایک ایک حکم کو ماننا اور بلا آخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہو جائے۔ یہ ہے ایمان کامل۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کاری باید کرد

یا تن برضاء دوست می باید داد یا قطع نظر زیاری باید کرد

أَبَى حَذَرِدْ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ
فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ
إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سَجْفَ حُجْرَتِهِ فَنَادَى
يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ضَعْ مِنْ
دَيْنِكَ هَذَا وَ أَوْ مَالِيهِ أَيْ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ
فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ قُمْ فَأَقْضِهِ. (بخاری)

(۳۲۰) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ
لَبَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا
قَبَاءً مِنْ دِيَّاسٍ أَهْدَى لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ
نَزَعَهُ فَأَرْسَلَ بِهِ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى

چاہیے تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آکر اس کا تقاضہ
کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں یہاں تک کہ آپؐ نے گھر میں
سے سن لیا۔ آپؐ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا
کر آواز دی کعب؟ وہ بولے یا رسول اللہ حاضر ہوں، آپؐ نے فرمایا اتنا
قرض معاف کر دو اور نصف کا اشارہ کیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے
معاف کیا۔ آپؐ نے فرمایا ابن ابی حذرہ اٹھو اور اس کو ادا کر دو۔

(بخاری شریف)

(۳۲۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی
قبازیب تن فرمایا جو آپؐ کے لیے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپؐ نے اسے پہنا
پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپؐ سے
دریافت کیا یا رسول اللہ (کیا بات تھی کہ) آپؐ نے اس قباء کو اتارنے میں

اللہ دور انحطاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہو گئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور
کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آ جاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہو جاتے ہیں
اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔

زندہ کنی عطاء تو ورکشی فدا لے تو
دل شدہ مبتلا لے تو ہرچہ کنی رضائے تو

اگر کلمہ لا الہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہ عشق
کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہو جاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں، صرف التزام طاعت اور انقیاد
باطن بھی نہیں، بلکہ تسلیم و رضا کے اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی
ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتی نرخی بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۳۲۰) * حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان رضا و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپؐ کو محبوب
ہو اور مکروہ وہ تھا جو آپؐ کے نزدیک مکروہ ہو متنبی کہتا ہے۔

ما الخل الا من او دقلبه واری بطرف لا یوی بسوائه

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع و شراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت و حرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر
موقوف ہے دیکھئے ریشمی کپڑا مردوں کے لیے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔
کلیات دین معلوم کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لیے دین کے تمام اصول و ضوابط کا پیش رکھنا بھی ضروری ہے اس
لیے اس ایک ہی مسئلہ سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

عَنْهُ فَقِيلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا أَنْتَ زَعَمْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ نَهَانِي عَنْهُ جِبْرِيلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَرِهْتَ أَمْرًا وَاعْطَيْتَنِيهِ فَمَالِي فَقَالَ إِنِّي لَمْ أُعْطِكَ تَلْبِسَهُ إِنَّمَا أُعْطَيْتُكَ تَبِيعَهُ فَبَاعَهُ بِالْفَيْ دَرَاهِمٍ.

(رواه مسلم)

(۳۲۱) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَنَحْنُ مَعَهُ فَرَأَى قُبَّةً مُشْرِفَةً فَقَالَ مَا هَذِهِ قَالَ أَصْحَابُهُ هَذِهِ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِي نَفْسِهِ حَتَّى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِي النَّاسِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذَلِكَ مِرَارًا حَتَّى عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِيهِ وَالْإِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى أَصْحَابِهِ وَقَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا نُكْرِى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَأَى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلَى قُبَّتِهِ فَهَدَمَهَا حَتَّى سَوَّاهَا بِالْأَرْضِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَرَهَا قَالَ مَا فَعَلْتَ الْقُبَّةُ قَالَ شَكَى إِلَيْنَا صَاحِبُهَا إِعْرَاضَكَ فَأَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٍ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا يَعْنِي إِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ.

(رواه ابو داؤد)

بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرما دیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ ایک چیز کو آپؐ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دے دیا۔ بھلا جب آپؐ اسے برا سمجھتے ہیں تو میں اسے برا کیوں نہ سمجھوں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تم کو اس لیے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو میں نے تو اس لیے دیا تھا کہ بیچ لینا۔ حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

(۳۲۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ تھے آپؐ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپؐ خاموش ہو گئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپؐ کو سلام کیا آپؐ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپؐ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپؐ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے اپنے رفقاء سے اس پر اظہارِ افسوس کیا اور کہا بخدا آپؐ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انہوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن کبھی پھر آپؐ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا؟ عرض کیا اس کے مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہہ دیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرا دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لیے وبال ہوگی مگر جو بقدرِ ضرورت ہو۔

(۳۲۱) * بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا مگر جس دور میں حب دنیا کا ختمِ قلوب سے مٹایا جا رہا تھا اور جب آخرت کا ختمِ بکھیرا جا رہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کر لیا جاتا اس لیے اس مصلحِ اعظم نے اپنے چشمِ وابدو کے اشاروں سے اپنی بے التفاتی سے

(۳۲۲) عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرَّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحَقَّقْنَ الطَّرِيقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيقِ فَكَانَتْ الْمَرْأَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتَّى أَنْ تَوْبَهَا لِيَتَعَلَّقَ بِالْجِدَارِ.

(۳۲۲) ابواسید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو۔ راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہیے اس کے بعد حالت یہ ہو گئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا مل کر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا۔

(ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد و البیہقی فی شعب الایمان)

(۳۲۳) عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے۔ جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا (آج) تو میں نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے۔ اس نے کہا

(۳۲۳) قَالَ عُمَرُ وَكَانَ هُنَا رَجُلٌ اسْمُهُ نَوَّاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهُ اِبِلٌ هَيْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرَى تِلْكَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيكِ لَهُ فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْكُهُ فَقَالَ بَعْنَا تِلْكَ الْاِبِلَ

اللہ کا اظہار ضروری سمجھا۔ آپ پر قربان ہونے والے صحابی کے لیے یہ ادنیٰ سی بے التفاتی ناقابل برداشت بن گئی۔ واضح رہے کہ اس قبتہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبتہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہو سکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبتہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدل سکتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبتہ کو گرا دیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپ کی محفل میں آ کر اپنی سرخروئی کے لیے اس کا ذکر ہی کر دیتا۔

فراق یار اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم موسست بسیار است

(۳۲۲) * عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق صرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کے لیے حکم دے دیا تھا بقیہ حصہ سے وہ کسی بحث کے بغیر دستبردار ہو چکی تھی اور اس حکم کی تعمیل بھی اس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضاء و تسلیم کی خوگر نہیں ہو جاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا۔

(۳۲۳) * نہایہ میں ہے آہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پئے اور سیراب نہ ہو۔ یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی۔ ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع و شراء کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لیے انہوں نے بیع فسخ نہیں کی۔ اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضاء و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لے کر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

فَقَالَ مِمَّنْ بَعَثَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَّابٍ وَكَذَّابٍ
فَقَالَ وَيَحْكُ ذَاكَ وَاللَّهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهُ
فَقَالَ إِنَّ شَرِيكِي بَاعَكَ إِبْلَاهِيْمًا وَلَمْ
يُعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَقْهَا
قَالَ دَعُهَا رَضِيْنَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدُوِي.

(رواه البخاری)

(۳۲۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ لِي ذُوَابَةٌ فَقَالَتْ
أُمِّي لَا أَجْزُهَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَأْخُذُهَا. (رواه ابوداؤد)
(۳۲۵) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي جُمَّةً أَفَارَجَلُهَا
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ
أَكْرَمُهَا. قَالَ فَكَانَ أَبُو قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهْنَهَا فِي
الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ أَكْرَمُهَا. (رواه مالك)

بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں
تھے اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں
آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے انہوں نے فرمایا تو ان کو لے جاؤ جب وہ
انہیں لے جانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا
کرتا۔ (بخاری شریف)

(۳۲۴) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے
فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ازراہ
محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۳۲۵) ابوقنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان
میں شانہ کر لیا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ان کا لحاظ
بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ
سے ابوقنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا
کرتے تھے۔ (مالک)

(۳۲۴) * ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبہ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ
کے دست مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی
نفسہ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح
ہوں۔ منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے
کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑ رہی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت
ہے جو آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۳۲۵) * یعنی اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ”واکرمہا“ کا (بالوں میں دو دو بار تیل ڈالنا) اقتضاء لغوی نہ ہی لیکن حضرت ابوقنادہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کر لیا جائے اس کا نام جذبات محبت ہے
ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ اسی لیے سر میں دو دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جاسکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی
حدیثوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی حضرت ابوقنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کر رہا ہے۔

من اتى بالشهادتين فقد رضى بالله

ربا وبالا سلام دينا و بحمد

نبيا و رسولا

(۳۲۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعَدَّهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ أُخْرَى يَرْفَعُ اللَّهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (رواه مسلم)

(۳۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ وَ إِذَا أَمْسَى ثَلَاثًا رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(رواه احمد و الترمذی)

شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوارب اور اسلام کے سوادین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی

تلاش باقی نہ رہے

(۳۲۶) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہو گیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خوش خبری بہت امید افزا معلوم ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مکرر فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے لیے جہاد کرنا، اللہ کے لیے جہاد کرنا۔ (مسلم)

(۳۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رَضِيْتُ بِاللَّهِ رَبًّا... الخ. (میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضا مند ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کر لیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کر دے۔

(احمد - ترمذی)

(۳۲۷) * قرآن کریم کی مختصری آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ“ (البینہ: ۸) صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ شان رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم اُن کا ایسا طغرفہ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزء لا ینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا۔

(۳۲۸) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مان کر دل سے راضی ہو چکا اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات
اس کی شان رضا و تسلیم کے
منافی نہیں

(۳۲۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک بنے لگیں۔ اس پر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے

(۳۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيَْتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا غُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ. (رواه مسلم)

السُّرُورُ وَالْحُزْنُ وَمَا آتَى ذَلِكَ مِمَّا يَتَقَضَاهُ طَبِيعَةُ الْبَشَرِ لَيْسَ فِي شَيْءٍ

مِنْ مَخَالَفَةِ شَأْنِ الرِّضَى وَالتَّسْلِيمِ

(۳۲۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيْفِ الثَّقِينِ وَكَانَ ظَنُرًا لِابْرَاهِيمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ وَابْرَاهِيمَ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

(۳۲۸) * انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے۔ شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہیے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہو جانا چاہیے۔ پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک پتہ دے دیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہو جانی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پر کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہیے۔ اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد و تلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتیں صرف زبانی ہوں گی۔ جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہو جائے اور نظروں میں دوسری جانب اٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہیے کہ شہادتین دل میں اتر چکے ہیں۔

از یکے گو وز ہمہ یکسوئے باش یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

(۳۲۹) * آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت و طریقت سے کتنے لبریز ہیں ان میں آپ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہیے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت و قہر بھی ہو اور رحمت و کرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں تو وہ پتھر ہیں ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت و رحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضا و تسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے۔ اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشر کی سی کوئی صفت نہیں۔ درد کی لہر...

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے۔ یہ کہہ کر آپ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا آنکھیں بے شک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوش نودی کا موجب ہوگا۔ اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۳۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کسی مقام پر تھا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آ کر گریں فوراً وہ انہیں اپنے کپڑوں میں جمع کرنے لگے۔ پروردگار کی طرف سے ندا آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دے کر جو تمہیں بھی نظر آ رہی ہے ہم نے تمہیں غنی نہیں بنادیا تھا انہوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں۔ (بخاری شریف)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذَرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اتَّبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمَ لَمَحْزُونُونَ. (متفق علیہ)

(۳۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُريَانَا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ أَيُّوبُ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى وَعِزَّتِكَ وَلَكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ. (رواه البخاری)

اللہ بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ۔ بشر کی شانِ رضایہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ. (یوسف: ۸۴) مگر وہ ان صبر آزمایا حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاسکے اور اپنے عجز و ضعف کا اس طرح برملا اعتراف کر کے خاموش ہو جائے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا کمزور دل بے شبہ بہت دردمند ہے۔

جلادت و شجاعت اور استغناء و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدرات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایانِ شان نہیں۔ ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شانِ اولیاء ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھ کر اس کے لیے دست سوال پھیلا دینا یہ شانِ انبیاء ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشمِ زدن کے لیے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو تو حید مقصد فوت ہوگئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شانِ بندگی پر حرف آ گیا۔ پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت۔ کمال یہ ہے کہ محبت کے پورے جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے۔

(۳۳۰) * خدائے وحدہ لا شریک لہ کے یہی وہ با کمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب کبھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوب صورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صنای کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی گرفت ملاحظہ کیجئے اور اس بے ساختہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنا دیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں۔ میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں۔ اغناء تیری شانِ غناء تھی اور تیری برکتوں کا لہ

(۳۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهُ أَجِبْ رَبَّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوسَى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَّاهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللَّهِ فَقَالَ إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَّأَ عَيْنِي قَالَ فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ ارْجِعْ إِلَى عَبْدِي فَقُلِ الْحَيَاةُ تُرِيدُ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ

(۳۳۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی۔ ملک الموت نے واپس آ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پروردگار تو نے مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخش دی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا

..... محتاج بنار ہنا میری شانِ بندگی ہے۔ یہ وہی ایوب ہیں (علیہم السلام) جن کی ایک بار اور بھی مصائب و آلام میں ڈال کر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخر یوں بول اٹھے رَبِّ اِنِّیْ مَسْنِی الضُّرُّوْ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گزرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی رخم نہ ہو انہوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رَبِّ اِنِّیْ مَسْنِی الضُّرُّوْ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبہ محبت میں اپنی شانِ بے نیازی دکھائی مگر اس نبیؐ نے بے نیاز حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرین ادب سمجھا۔ جب تک مشیت الہیہ ابتلاء کی نظر آتی رہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے۔ مگر جب کچھ کچھ علامات صحت نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دست سوال پہلے پھیلا دیا کہ شانِ بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر ملے۔ یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی آن بان نباہ رہے ہیں۔ رضا و تسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ۔ دونوں قابلِ تعریف ہیں۔ مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں۔

(۳۳۱) * مادہ پرست اور منکرین حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابلِ مضحکہ بنی ہوئی ہے اور شروع ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جواب دہی میں مشغول نظر آ رہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ (۲۷۶) نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث میں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابلِ مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبعیات کے سوا الہیات کا سارا باب ہی قابلِ مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابلِ اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابلِ انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف اور انکار ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرہ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے سنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابلِ فہم نہ لگے.....

الْحَيَوَةُ فَضَعُ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا
تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا
سَنَةً قَالَ ثُمَّ قَالَ ثُمَّ تَمُوتُ قَالَ فَلَا نَ مِنْ

آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے۔ اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھ
دیتے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے اتنے ہی سال آپ اور
جئیں گے (فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کر دی)

اللہ ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام
روند اور زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا۔ گوسالہ پرستی
کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس
حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃ نرم دل ہونا
معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃ غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا
وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا
جانے پر فرما دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں۔ پس رقت و شدت بھی حیاء و جرأت کی طرح
غزائر طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں۔ اگر امت میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ
عنه کی رحمدلی ضرب المثل ہے تو اسی کے پہلو بہ پہلو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه کی شدت بھی مشہور ہے۔ اور یہ دونوں ہی شاخیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں۔

دوم یہ کہ حیات طبعاً ہر انسان کو محبوب ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنہیں اپنی امت کو بندہ خدا بنانے کی تمنا اپنی
حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک آ پہنچتا ہے اور اس پر انہیں غصہ آ جاتا ہے تو
یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے۔ نہ ان کی نبوت کے منافی ہے۔ ان کی شان رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس
آ کر کہے کہ لیجئے آپ ابھی اپنی موت کے لیے تیار ہو جائیے تو وہ انکشاف حقیقت سے قبل اس سے یہ کہہ دیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح
قبض کر لیجئے۔ فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط (علیہ السلام) کے عذاب
کے سلسلہ میں ملائکہ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان
کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالت
شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کر دینا کچھ قابل اعتراض ہو سکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ
السلام نے ان کو خدائے تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا۔ حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف
و مکرم کے لیے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کر لیں۔ اسی آئین کے مطابق خود
خاتم الانبیاء علیہم السلام کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کر دیا تھا۔ پس اگر
اس تخیل سے قبل خدائے تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آ پہنچا ہو اور اس لیے اس وقت ان کی جلالت شان ظاہر ہو گئی ہو اس
میں استبعاد کیا ہے اور کون سی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے۔ پوری حدیث کو پڑھ جائیے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئے گا کہ جب
خدائے تعالیٰ کے فرشتے نے دوبارہ آ کر حسب دستور موت و حیات میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کر لیا اللہ

قَرِيبَ رَبِّ اَدْنٰی مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمِیَّةً
بِحَجَرٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ لَوْ اِنِّیْ عِنْدَهُ لَا رِیْتُكُمْ قَبْرَهُ اِلٰی
جَنْبِ الطَّرِیْقِ عِنْدَ الْكُثِیْبِ الْاَحْمَرِ۔
(متفق علیہ)

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے
عرض کیا پھر یہی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا تو مجھے بیت
المقدس سے اتنا تو قریب کر دے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا
دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

اللہ اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد
علیہ السلام کو شفقت پوری میں آ کر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخش دیئے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ
نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آ گئے ہو میری عمر میں سے اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر
میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بے جا جرأت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض
ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجر نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین
ایک مخلوق ہیں اَجْنَحَہ اور پروں کا ہونا ان کے لیے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم
میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لیے یہ اعضاء حقیقتہً ثابت ہیں۔
اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لیے ان میں تشکل اور تمثیل کی
قوت بھی ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا۔ عنصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں تشکل مشکل
ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکہ اللہ
اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبریل علیہ السلام کا تمثیل
خود قرآن کریم میں موجود ہے اور وحیہ کلبی کی صورت میں آپ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلا نزاع ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ
اس تمثیل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج سمریزم کی طاقت کا
مشاہدہ کرنے والے کے لیے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہو تو شاید اس تمثیل پر اس کا
کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہا درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ
السلام میں اس ملکی عنصر پر خدائے تعالیٰ کی شانِ جلالی کا غلبہ تھا اس لیے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا
ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لاسکتا اور مر جاتا
دیکھئے جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبریل نے آ کر آپ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیت کے لیے
دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبریل
علیہ السلام کے اس تمثیل اور دبائے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شانِ مطہر تھی کہ وہ جامہ بشری رکھنے کے
باوجود شانِ ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبریل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس اللہ

- (۳۳۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلْمَنِي فِيمَا لَا أَمْلِكُ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه و الدارمی)
- (۳۳۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب بامی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی - ابوداؤد - ابن ماجہ - نسائی - دارمی)
- (۳۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ
- (۳۳۳) حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپ کی تلاش کے لیے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت

اللہ.... اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رویا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس میں ایک شیر اگر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہو تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے متصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکہ اللہ تعالیٰ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پر خچے اڑ جاتے ہیں۔ ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکرا مارے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیت سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقع پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہونا معقول نہیں۔ اس لیے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہر آلود تھپڑ نے فرشتے کی اس مثال صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آ کر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آ جاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوت نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلو پیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عقلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لیے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔ آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات حدیث کو ہی نہیں پہنچتا اور اس لیے نہیں پہنچتا کہ آپ نے اسی کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اگر اس کا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

(۳۳۳) * علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جس کو امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنالیا تھا تا کہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کر سکیں۔ قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کر سکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح پر ڈرنے کی ضرورت ہے۔

قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ اِنِّي اَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَ اَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ. (رواہ مسلم)

(۳۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ اَكُنْتُ تَخَافِينَ اَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَرَسُولُهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنِّي ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لَا كَثْرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمٍ كُلِّبٍ. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و زاد رزین ممن استحق النار و قال الترمذی سمعت محمدًا یعنی البخاری یضعف هذا الحديث)

(۳۳۵) وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَا اَعْلَمُ اِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتُ عَلَيَّ غَضَبِي فَقُلْتُ

سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپ یہ دعا فرما رہے تھے اے اللہ میں تیری نارضائی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

(۳۳۴) حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا تو آپ بقیع میں تھے آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گذرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کر سکتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ خطرہ گذرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپ نے فرمایا شعبان کی پندرہویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بد اعمالی کی وجہ سے دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

(۳۳۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے

(۳۳۴) * مثل مشہور ہے ع عشق است ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے کر جانے کے باوجود بشری خصال سے متشبی نہ تھیں۔ جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ پاتیں تو فطرۃ مضطرب ہو جاتیں، اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہو جاتیں۔ آخر تلاش کے لیے نکل جاتیں۔ جب آپ سے ملاقات ہوتی تو معاملہ دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے متعلق نا انصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں نا انصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپ کو نہ دیکھ کر آپ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اپنے اختیار سے باہر تھا۔

(۳۳۵) * انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصال سے معری ہو جانا نہیں، کسی کسی محل پر ناراضگی کی لہجہ

مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ فَقَالَ إِذَا كُنْتُ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكَ تَقُولِينَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَإِذَا كُنْتُ عَلَى غَضَبِي قُلْتُ لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ قَالَتْ قُلْتُ أَجَلُ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَهْجُرُ إِلَّا إِسْمَكَ. (متفق عليه)

ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو رب محمدؐ کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو رب ابراہیمؑ کی قسم کھاتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے) (متفق علیہ)

(۳۳۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) يَسْتَأْذِنُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوسًا بِبَابِهِ لَمْ يُؤْذَنْ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَأَذِنَ لِأَبِي بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ أَقْبَلَ عُمَرُ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لَهُ فَوَجَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَهُ نِسَاؤُهُ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَا قَوْلَ شَيْئًا أَضْحَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

(۳۳۶) جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لیے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپ کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے ارد گرد آپ کی بیبیاں ہیں یہ دیکھ کر انہوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آجائے (یہ سوچ کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگتیں تو

اللہ.... ادا بھی فطرت کا اقتضا اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی اندازِ محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمالِ بلاغت دیکھئے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجرانِ اسمیٰ تک محدود کر دینا چاہتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی اندازِ ناز کے موقع پر محبوب زوجہ کا اسمیٰ ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضاء ہے۔ دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدودِ زوجیت سے نکل کر حدودِ شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمہ تن ادب ہی ادب اور طاعت ہی طاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

(۳۳۶) * انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے۔ وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے کھاتے اور پیتے، جاگتے اور سوتے، شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آ جاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لیے وہ مسائل سامنے آ جاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان نازک مراحل میں آپ کے ازدواج کی وہ بے مثال استقامت بھی عیاں ہو جاتی جس کی بنا پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ دیکھئے اسی فضا میں جب معاملہ یہ آ جاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا جائے تو آپ کی سب بی بیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر سکتے ہیں مگر خدا کے محبوب رسول سے ایک لمحہ کے لیے بھی صرف نظر نہیں کر سکتے۔ یہ اس لیے ہے....

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ رَأَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَأَلْتَنِي النَّفَقَةَ فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَوَجَّأْتُ عُقْفَهَا فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرَى يَسْتَلْنَنِي النَّفَقَةَ فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ يَجَأُ عُقْفَهَا وَقَامَ عُمَرُ إِلَى حَفْصَةَ يَجَأُ عُقْفَهَا كِلَاهُمَا يَقُولُ تَسْتَلْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ فَقُلْنَا وَاللَّهِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ ثُمَّ اغْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا أَوْ تِسْعًا وَعَشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زَوَاجَ حَتَّى يَبْلُغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا) فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَعْرِضَ عَلَيْكَ أَمْرًا أَحَبُّ أَنْ لَا تَعْجَلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَشِيرِي أَبَوِيكَ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ قَالَتْ أَفِيكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْتَشِيرُ أَبَوِي بَلْ اخْتَارَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالْأَزْوَاجَ وَالْأَخْرَةَ وَأَسْأَلُكَ إِلَّا تُخْبِرَ

میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلا دبا دیتا، ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آگئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بیبیاں بھی اسی سوال کے لیے میرے ارد گرد بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس پر فوراً حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہؓ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں انہوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ نے ایک ماہ (۲۹ دن تک) اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کر لی تو اور قرآن کی آیت قل لا زواجکم سے لے کر المحسنات منکم اجرا عظیمًا تک نازل ہو گئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کے لئے کہا گیا تھا۔ یا وہ خدا و رسول کو اختیار کر لیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کر لیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیات دنیا کو اختیار کر لیں تو پھر ان کو رسول اللہ سے علیحدگی کرنی پڑے گی) راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتداء سب سے پہلے آپ نے حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہؓ دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنا دی یہ بے ساختہ بولیں یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی

اللہ کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ بچار ہی سمجھتی ہیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بنا پر نہیں چاہتیں کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہو سکے۔ اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتہ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کر سکتا میں معلم کا منصب لے کر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے۔ اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گو یہی تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں، لیکن اس کے باوجود آیت تخیر سنادینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی۔ طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں۔ کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے۔

امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلْنِي امْرَأَةً مِنْهُمْ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعْتَنًا وَلَا مُتَعْتَنًا وَلَكِنِّي بَعَثْنِي مُعَلِّمًا مُيسِّرًا. (رواه مسلم)

(۳۳۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَانَتْ تُنْظَرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا فِي سَكِّ الْمَدِينَةِ يَبْكِي وَ دُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لَحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَأَيْتَهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَأْمُرُنِي قَالَ إِنَّمَا أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ. (رواه البخاری)

ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہہ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

(۳۳۷) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا جاتا تھا ان کا وہ نقشہ گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا عباس! کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی اُلفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ (بخاری شریف)

(۳۳۷) * بریرہ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ حضرت بریرہ اگرچہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہو گئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھینچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لیے وہ نہایت مؤدبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ۔ گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لیے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لیے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لیے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہو گا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کر امتی کے تمام اختیارات مسلوب ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے۔ رسول کے امر و نہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔ مذہب پر نکتہ چینی کرنے والے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کر دی ہے جہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار....

ایمان در اصل قلبی اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے اجزاء نہیں

الایمان عقد للقلب و لیست اعمال
الجوارح اجزاء للایمان

(۳۳۸) عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لیے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع و خشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہوگا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔

(۳۳۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَضُوءُهُنَّ وَ صَلَافُهُنَّ لَوْفَتِهِنَّ وَ أَتَمَّ رُكُوعُهُنَّ وَ خُشُوعُهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَ مَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ. (رواه احمد و ابوداؤد و روى مالك و النسائي)

(احمد - ابوداؤد - مالک - نسائی)

(۳۳۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آ جاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر! اللہ اکبر! تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے جب اس نے یہ کہا

(۳۳۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغَيِّرُ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَ كَانَ يَسْتَمِعُ الْأَذَانَ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَ إِلَّا أَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ

... صرف اظہار کر دے جو مذہب اپنے تسلیم کرنے والوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سو چو کہ وہ خود مذہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کر سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی با اختیار ہستی ہو کر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ نہ لانا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے۔ کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہو کر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کر سکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عمل درآمد نہ ہو تو ذرا چیں بہ جیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الہی کے لیے نہ ہوگی۔ اس موقع پر آپ کو ترجمان السنہ ج ۱ ص ۳۹۷ پر حدیث (۱۸۲) کا ملاحظہ کرنا بھی مفید ہوگا۔

(۳۳۸) * یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائے گی معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اس کی ایک طرف ار جاء اور دوسری طرف اعتزال ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گزر چکا ہے۔

(۳۳۹) * حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتین سن کر جنت کی بشارت دے دی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دی جاتی۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَوْفَرَمَايَا جَاتَجْهَ آتَشِ دُوزَخِ سَ نَجَاتِ مَلْ گَنِي
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا
چرواہا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۰) ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک مؤذن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ
کہتے ہوئے سنا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَوْفَرَمَايَا اس نے تو اللہ تعالیٰ
کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزار ی کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا
أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ تَوْفَرَمَايَا عَذَابِ دُوزَخِ سَ نَجَاتِ
پا گیا۔

(مسند بزار)

(۳۴۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا
سکیں گے مگر اسی کے لیے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا
کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لیے ہوگی جنہوں نے گناہ
کبیرہ کیے ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۲) حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی۔ نماز آئے گی
اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے
بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی
بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں روزہ ہوں

ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ مِنَ النَّارِ
فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ رَاغِي مِعْزَى. (رواه مسلم)
(۳۴۰) عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَسَمِعَ
مُؤَذِّنًا يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْأَنْدَادَ
فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ خَرَجَ
مِنَ النَّارِ الْحَدِيثُ.

(رواه البزار و قال الهيثمي رجاله ثقات)

(۳۴۱) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا
لِمَنْ أَرْتَضَى فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
شَفَاعَتِي لَا هُلَّ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي.

(رواه الحاكم في التفسير وهو مروي غير مسلم وغيره)

(۳۴۲) عَنْ الْحَسَنِ ثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ إِذْ ذَاكَ وَ
نَحْنُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِيءُ
الصَّلَاةُ فَتَقُولُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّلَاةُ فَيَقُولُ إِنَّكَ
عَلَى خَيْرٍ فَتَجِيءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُولُ يَا رَبِّ أَنَا
الصَّدَقَةُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيءُ

(۳۴۱) * اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مؤمن نہ ہوتا اور نہ اس کے لیے شفاعت ہو سکتی۔

(۳۴۲) * اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جدا گانہ مذکور ہے حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہوتا ہم وہ اس کے اجزاء نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی جزئیات کا مسئلہ محدثین و فقہاء کے مابین شمرہ
کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مؤمن عاصی سب کے نزدیک آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو
اختلاف نہیں ہے یہ صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہے گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئے گی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام ”سلام“ ہے اور میرا نام اسلام ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے آج گرفت اور انعام دونوں کا دار و مدار تیری ہی ذات پر ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔) (احمد)

الصَّيَامُ فَيَقُولُ اَيُّ رَبِّ اَنَا الصَّيَامُ فَيَقُولُ اِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيءُ الْاَعْمَالُ عَلَى ذَلِكَ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيءُ الْاِسْلَامُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ اخَذُوكَ اُعْطِيَ فَقَالَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ (وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ).

(تفرد به احمد و ذكره ابن كثير في تفسيره و رجاله ثقات و لكن يقال ان الحسن لم يسمع من ابي هريرة)

(۳۴۳) قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب کہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال و حرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کر لیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب و احترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنہیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہو جاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر و نہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لا پرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لا پرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۳) عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ لَقَدْ عَشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرٍ نَاوٍ اِنْ اَحَدَنَا يُوتَى الْاِيْمَانُ قَبْلَ الْقُرْآنِ وَيَنْزِلُ السُّورَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِي اَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ فِيهَا كَمَا تَعْلَمُونَ اَنْتُمْ الْقُرْآنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يُوتَى اَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهِ اِلَى خَاتِمَتِهِ مَا يُدْرِي مَا اَمْرُهُ وَلَا زَاَجِرُهُ وَلَا مَا يَنْبَغِي اَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ مِنْهُ يَنْشُرُهُ نَشْرَ الدَّقْلِ.

(رواه الحاكم في المستدرك ص ۳۵ قال الذهبي

على شرطهما)

(۳۴۴) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ

(۳۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

(۳۴۴) * اس مضمون کو ابن عمر نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب کہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آ جاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا۔ جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسے سمجھ سیکھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہو چکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہیے تو یہ تھا.....

وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَلَا أَجِدُ قَلْبِي يَعْقِلُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّ قَلْبَكَ حُسَى الْإِيمَانِ وَإِنَّ الْإِيمَانَ يُعْطَى الْعَبْدُ قَبْلَ الْقُرْآنِ. (رواه احمد و فی اسنادہ ابن لہیعۃ)

(۳۲۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْإِسْلَامُ عِلَاقَةُ الْإِيمَانِ فِي الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ يَقُولُ التَّقْوَى هُنَا. (رواه احمد و البزار و ابو یعلی و ابن ابی شیبۃ و سندہ جید)

وَزَعَتِ الشَّرِيعَةُ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ عَلَى الْإِيمَانِ وَ الْكُفْرِ دُونَ الْأَعْمَالِ

(۳۲۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دل جمعی نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہو چکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(۳۲۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں

(۳۲۶) جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لیے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

ﷺ کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلجمعی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبہ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہو چکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دل جمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آ سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں لفظ یُعْقِلُ عَلَيْهِ قابل غور ہے میرے پاس اس وقت کوئی شرح موجود نہ تھی۔

(۳۲۵) * اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جو ارح ایمان کا جز کیسے ہو سکتے ہیں۔ معزز لہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جو ارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

(۳۲۶) * بقول امام غزالی "انسان اگر چہ ازلہ نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لیے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾ (البقرة: ۳۶) تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے اس لیے مؤمن خواہ کتنا بھی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے بھی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن ﷺ

قَالَ الْمُؤَجَّبَانِ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهِ دَخَلَ النَّارَ.

(رواہ مسلم)

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ قُلْتُ أَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رواہ البخاری)

يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ نُورِ الْإِيمَانِ

(۳۴۸) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی) اور وہ ضرور جنت میں جائے گا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

(۳۴۷) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

جس کے قلب میں نور ایمان کا ایک ذرہ ہوگا وہ بھی (بالآخر)

دوزخ سے نکال لیا جائے گا

(۳۴۸) انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

ﷺ اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزاء خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نئیۃ المرء خیر من عملہ اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے دیکھو ص ۱۸۵ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبد الوہاب شعرانی نے ایواقیۃ والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

لأن تخليد الله العبد في الجنة ليس لعمله و إنما هو لنيته لأنه لو كان لعمله لكان خلوده فيها بقدر رمدة عمله أو ضعفه إلا أنه جازاه بنيته لأنه كان ناهياً أن يطيع الله تعالى أبد الوبقى أبدا فلما اختر منه نيته دون نية جزاه الله عليها و كذا الكافر. (عمدة القاری ج ۱ ص ۴۲)

”جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوۃ کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہیے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت سے بہت اس سے دو گنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کرے گا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اس لیے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ مل جاتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔“ (عمدة القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لیے حدود شناسی لازم ہے۔

(۳۴۸) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار ﷻ

نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نور ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نور ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۳۴۹) ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائے گا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کے اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سرگل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزُنْ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. (رواہ البخاری)

(۳۴۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُ أَخْرِجُوا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيُخْرَجُونَ مِنْهَا قَدْ اسْوَدُّوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهْرِ الْحَيَاةِ أَوْ الْحَيَاةِ (شَكَّ مَالِكٌ) فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِي حِمْلٍ السَّيْلِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً. (رواہ البخاری و مسلم)

اللہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدائے تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کے برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ ﴿حَتَّى يَلْجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الاعراف: ۴۰) اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

(۳۴۹) * اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مؤمن دوزخ میں نہ جاتا لہذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہو گئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مؤمن ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی غلو کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہاء درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اور اسی لیے ان کے دو ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

(۳۵۰) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ اشْفَعْ إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِمَةُ اللَّهِ فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَأْتُونِي فَأَقُولُ أَنَا لَهَا فَاسْتَأْذِنْ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذِنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَآخِرُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَتَسْمَعُ وَتُعْطَى وَاشْفَعْ

(۳۵۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ علیہ السلام اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہم کلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرمادیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت

(۳۵۰) * انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کون سی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہو جائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحابِ فترۃ کہا جاتا ہے چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لیے ایمان بالرسالت کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لیے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ہو جائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنہوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انہیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انہوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کر دیا تو ہمارے علم میں ان کی نجات کی ادیانِ سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بنا پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابلِ معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کیے جاسکتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالت گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لیے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آسکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی رو سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آسکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آتش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ.....

تُسَفَّعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقَالَ انْطَلِقْ
فَاخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ
إِيمَانٍ فَاَنْطَلِقْ فَاَفْعَلْ ثُمَّ أَعُوذُ فَاحْمَدُهُ
بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالَ يَا
مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ
تُعْطُهُ وَ اشْفَعْ تُشَفِّعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي
أُمَّتِي فَيَقَالَ انْطَلِقْ فَاخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَاَنْطَلِقْ فَاَفْعَلْ
ثُمَّ أَعُوذُ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ
سَاجِدًا فَيَقَالَ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ
تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطُهُ وَ اشْفَعْ تُشَفِّعُ فَأَقُولُ يَا
رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقَالَ انْطَلِقْ فَاخْرِجْ مَنْ
كَانَ فِي قَلْبِهِ أَذْنِي أَذْنِي أَذْنِي مِثْقَالُ حَبَّةٍ
خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَاخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقْ
فَاَفْعَلْ ثُمَّ أَعُوذُ الرَّابِعَةَ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ
الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالَ يَا
مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ

مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف
کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ
(کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی
جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو
بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان
دیکھو اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی
کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو
ملے گا شفاعت کرو قبول ہوگی میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخش دے
میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں ایک ذرہ
یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہوا اسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم
کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر ان کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور
سجدہ میں گر جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات
مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری
امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس
مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کم تر نور ایمان ہو
اسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کر کے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور

۱۔... گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جب کہ
بساط عالم پر جا بجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک
انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پاسکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے
ماہین کیسے کیسے خوش نمائش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیوالانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے پس کسی تردد کے بغیر
۱۔ ان سوا یہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہیے کہ نجات کے لیے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدائے تعالیٰ کی توحید پر۔
حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت
صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترکہ ہوگی اس لیے ان کی نجات کا مشترکہ نقطہ یہی عقیدہ توحید ہوگا۔ رسول پر
ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ
رحمن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی لہے

تُعْطَهُ وَ اَشْفَعُ تُشْفَعُ فَاَقُولُ يَا رَبِّ اَنْذَنْ لِيْ
فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذَاكَ
لَكَ وَلَكِنْ وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كِبْرِيَايِيْ وَ
عَظَمَتِيْ لَا خُرْجَنَ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا
اللّٰهُ وَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ
اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعْتُ الْمَلَائِكَةَ
وَ شَفَعَ النَّبِيُّونَ وَ شَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ لَمْ يَبْقَ
اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قُبْضَةً مِنَ النَّارِ
فَيَخْرُجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ
عَادَوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ اَفْوَاهِ
الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ
كَمَّا تَخْرُجُ الْحَبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ
فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّوْلُوْ فِيْ رِقَابِهِمْ الْخَوَاتِمُ
فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ
اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَ لَا
خَيْرَ قَدَمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَاَيْتُمْ وَ
مِثْلُهُ مَعَهُ. (متفق عليه)

وَ فِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ عِنْدَ الْبَخَارِيِّ قَالَ
لَيُصِيبَنَّ اَقْوَامًا سَفَعُ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ
اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةٌ ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهِ وَ
رَحْمَتِهِ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ.

پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھا لو۔ کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے پروردگار! مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت و جلال، کبریا، اور بزرگی کی قسم۔ جنہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انہیں تو میں خود نکالوں گا۔ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مؤمنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے، لہذا قدرت لیک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالے گی جنہوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ فام ہو گئے ہوں گے جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈال دیا جائے گا وہ اس میں غوطہ لگا کر ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمک دار ہو جائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہوں گی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کر دیا ہے نہ انہوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہو کر سیاہ فام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما دے گا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

اللہ سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۲۵) ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لیے رسولوں کی سفارش کر لینے لہ

(۳۵۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُسَمُّونَ الْجَهَنَّمِيِّينَ. (رواه البخاری)

(۳۵۱) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت پر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

المؤمن اذا عمل بالفرائض و احل الحلال و حرم الحرام دخل الجنة من غير عذاب انشاء الله تعالى

جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مومن ہے اور کسی عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوگا

(۳۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ قَوْقِلٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتُ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَةَ وَ حَرَمْتُ الْحَرَامَ وَ أَحَلَلْتُ الْحَلَالَ أَذْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ. (رواه مسلم)

(۳۵۲) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے جب میں فرض نمازیں ادا کر لوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

(۳۵۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ

(۳۵۳) سفیان بن عبد اللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول

ﷺ کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زمان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہو گئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ کی ہی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے صاف واضح ہے۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہیے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آ گیا ہے جو امتوں کی بخشش کے متعلق ہوگی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی میں بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس تو حید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔ حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضی پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

(۳۵۳) * استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”استقیمو اولن تحصوا“ دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہو سکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا الْخ. (حکم السجده: ۳۰) جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ...

قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا يَعْذُكَ وَفِي حَدِيثِ إِسَامَةَ غَيْرِكَ قَالَ قُلْ إِمْنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمَّ. (رواه مسلم)

اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرمادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعد کے بجائے غیر کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا اَمْنْتُ بِاللّٰہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

من لم يعمل بفرائض الاسلام فانه مؤاخذ به وان كان مقرّبا لتوحيد والرسالة

توحید و رسالت کا معترف بھی ہو

(۳۵۴) عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي مَسِيرٍ إِنَّا مُدْلِجُونَ اللَّيْلَةَ فَلَا يَرْجُلَنَّ مَعَنَا مُضْعَفٌ وَلَا مُضْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ صَعْبَةٌ فَسَقَطَتْ فَأَنْدَقَتْ عُنُقَهُ فَمَاتَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْفَنَ ثُمَّ أَمَرَ بِلَا أَنْ يَنْادِيَ أَنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ. (رواه الحاكم في المستدرک فی کتاب قسمة انفی و لم يتعقبه الذهبي)

صلى الله عليه وسلم نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہو جائیں گے لہذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ انہوں نے حسب الحکم یہ اعلان کر دیا۔ (حاکم)

(۳۵۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سَے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لیے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام

تھ... اور نہ غم اور اس جنت کی خوش خبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا سفیان کی یہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوپر والی حدیث سے بھی زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصاً من قلبہ کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یتغی بذلک وجہ اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ما حاصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکان اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آ جاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہو جاتی ہے تو فرقہ مرجئہ اس کو اطلاق پر کیسے حمل کر لیتا ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ ان شاء اللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت غفور کر دے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

يُقَالُ لَهُ كَرُّ كَرَّةٍ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذْهَبُوا يَنْظُرُونَ فَوَجَدُوا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا.

(رواه البخاری)

(۳۵۶) عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوا الرَّسُولَ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَيَّ صَاحِبَكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وَجُوهُ النَّاسِ لِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَفَتَشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُودَ لَا يُسَاوِي دِرْهَمَيْنِ. (رواه مالك و ابوداود و النسائي)

(۳۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مَدْعَمٌ فَبَيْنَهُمَا مَدْعَمٌ يَحْطُ رَحْلًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِئْنَا لَهُ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

کر کرہ تھا اس کا انتقال ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عباء ملا جو اس نے خیانت کر کے چرایا تھا۔

(۳۵۶) یزید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا (نماز جنازہ کے لیے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی دیکھ کر) لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

(۳۵۷) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم سمت سے ایک تیرا کر لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لوگ بولے لو اس کے لیے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ ادنیٰ سی چادر

(۳۵۶) * آخر تو حید و رسالت کے ان معترفین سے بھی دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بناء پر کہ انہوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدائے تعالیٰ کی رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہو سکتی ہے مرتبہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لا کر جنت کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور اب خدائی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہوگا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کر کے اپنے اقرار و فاداری کا امتحان بھی دینا ہوگا۔ ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرة: ۲۱۴)

(۳۵۷) * یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آ گیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہو گیا (دیکھو بخاری شریف ص ۹۹۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلَ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكِ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكِ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكِ كَانِ مِنْ نَارٍ. (متفق عليه)

(۳۵۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ وَفُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غُلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ إِلَّا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلَاثًا. (رواه مسلم)

من ترک خصله من خصال الاسلام

نقص ایمانہ

(۳۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ لَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ

جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چڑے کے ایک یادو تھے لے کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک یادو تھے درحقیقت آگ کے تھے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آ آ کر کہنے لگے فلاں شہید ہو گیا، فلاں شہید ہو گیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عبا (راوی کوشک ہے) چرایا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابے ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے باہر آ کر اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اُس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

(۳۵۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ، باضابطہ نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے

۱۔ یہ حدیث ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۴۷ پر کچھ مغایرت کے ساتھ گزر چکی ہے اس کا نوٹ ملاحظہ کر لیا جائے۔

(۳۵۹) * یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزئیہ کا تعلق ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہیے اس لیے بعضوں نے تو اسلام کے دو اطلاق مان لیے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

رکھو بیت اللہ کا حج کرو، بھلی بات بتایا کرو، بری سے روکا کرو (گھر میں آ کر) گھروالوں کو سلام کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔

(حاکم)

(۳۶۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائے گا مگر بد بخت دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بد بخت شخص کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔

(ابن ماجہ)

(۳۶۱) اوس بن شریل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کے لیے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہو گیا۔

(شعب الایمان)

(۳۶۲) بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کی۔

(شعب الایمان)

رَمَضَانَ وَتَحَجَّ الْبَيْتِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَسْلِيمُكَ عَلَى أَهْلِكَ فَمَنْ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْإِسْلَامِ يَدْعُهُ وَمَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (رواه الحاكم في المستدرک ص ۲۱)

(۳۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا شَقِيٌّ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنَ الشَّقِيِّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلَّهِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهُ بِمَعْصِيَةٍ. (رواه ابن ماجه)

(۳۶۱) عَنْ أَوْسِ بْنِ شَرِيْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَشِيٍّ مَعَ ظَالِمٍ لِيَقْوِيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

(۳۶۲) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

(۳۶۰) * یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کے لیے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کے لیے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھ کر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

(۳۶۲) * بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بد نما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہو جاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آ جاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے صرف انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑ جاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دوئی ہوتی ہے جس کو خلاف شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مدہانت اور مسابھت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

(۳۶۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ أَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزَلَةٌ وَمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقْلٍ وَ دِينٍ أَغْلَبَ لِدَى لُبٍّ مِنْكُنَّ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ مَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ الدِّينِ قَالَ أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةُ رَجُلٍ فَهَذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَ تَمَكُّتُ اللَّيَالِي مَا تُصَلِّي وَ تُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهَذَا نُقْصَانُ الدِّينِ. و لفظ البخاری أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَ لَمْ تُصُمْ قُلْنَ بَلَى قَالَ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا. (رواه الخمسة)

(۳۶۳) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے (ایک بار) فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم دوزخ میں زیادہ جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین و عقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانش مند شخص پر غالب آ جانے والا کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے عرض کیا ہمارے عقل و دین کے نقصان کی تشریح فرمادیجئے آپؐ نے فرمایا تمہاری عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گزر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انہوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا تو پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۳۶۳) * حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعہ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی زندگی کے لیے لے کر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں اس لیے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائے گا۔ عورت اپنے فطری عذر کی بنا پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے۔ (دیکھو کتاب الایمان ص ۹۲)

رہا یہ سوال کہ صنف نساء کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی تو بے شک نا انصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کیے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ وَ أَسْأَلُ اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ. (النساء: ۳۲) اللہ سے ان فضیلتوں کی تمنا، مت کرو جن کی بناء پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو۔ (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائے گا)

لیس تائید الدین او تلاوة القرآن و امثالهما
فقط موجب الدخول الجنة و انما يجب
لها التصديق و العمل بالاحکام

(۳۶۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ
يَدْعَى الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ
الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ
الْجِرَاحُ فَأَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَرَأَيْتَ الَّذِي تُحَدِّثُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ
فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَكَأَدَ
بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ فَبَيَّنَا لَهُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ
وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى كَنَانَتِهِ
فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَاثْتَحَرَّ بِهِ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِّنَ
الْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَّقَ
اللَّهُ حَدِيثَكَ قَدْ انْتَحَرَ فَلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ
فَإِنَّ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ فَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا
الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ. (رواه البخاری ص ۹۷۷)

جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوت قرآن کرنے سے
واجب نہیں ہوتی اس کے لیے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا
بھی ضروری ہے

(۳۶۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں
ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعویٰ بھی کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو
اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں
حکمت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ سہاں دیکھ کر آپ کے صحابہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ایک شخص نے (آ کر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے
جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج)
اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں سے اس کا جسم چور
چور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ
بعض مسلمانوں کے دلوں میں شبہ پڑنے لگا۔ ابھی وہ اسی حیص و بیص
میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس
پر صبر نہ کر سکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس
میں سے ایک تیر نکال کر اپنے سینے کے پار کر دیا یہ دیکھ کر مسلمان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کر دی
فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کر لی آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ بلال! اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن جائیں
گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا
ہے۔ (بخاری)

(۳۶۳) * اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لیے صاحب نبوت کو یہ
تنبیہ کرنی ضروری ہو گئی کہ دنیا اعانت و نصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھ کر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے۔ اللہ.....

(۳۶۵) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُمَا
اتَّيَا أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَسَأَلَاهُ عَنِ الْحَرُورِيَّةِ
أَسَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا
أَدْرِي مَا الْحَرُورِيَّةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَخْرُجُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَمْ
يَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ
يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوفَهُمْ أَوْ
حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمُرُوقِ السَّهْمِ
مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِي إِلَى سَهْمِهِ إِلَى نَضْلِهِ
إِلَى رِصَافِهِ فَيَتَمَارَى فِي الْفُوقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا
مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ. (رواه البخاری ص ۱۰۲۴)

سرعة الناس على الصراط تكون

بقدر اعمالهم في الدنيا

(۳۶۶) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَ
أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَا قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ
تَبَارَكَ وَ تَعَالَى النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ

(۳۶۵) ابوسلمہ اور عطاء دونوں ابوسعید خدری کے پاس آئے اور حروریہ
(خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے فرقہ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انہوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ
حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں
کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی هذه الامّة کی بجائے راوی نے منہا کا لفظ
نہیں کہا) اس درجہ عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں
اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گی۔ قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے
گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس
طرح تیر شکار سے تیر انداز اپنے تیر کی لکڑی دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو
دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے
کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف
کے مطابق ہوگی

(۳۶۶) حذیفہ اور ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور
ان کے سامنے جنت قریب کر دی جائے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس
آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار چلئے ہم لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ

۱۰..... قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے اگر یہ نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مگر وہ بھی نظر رب
العزّة میں کچھ نہیں یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مشہور ہے ۔
عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی۔ انا لله و انا اليه راجعون۔
(۳۶۵) * قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا
نام نہیں اس کے اصول و ارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن و قبح سے بحث ہو سکتی ہے۔ فروعی اعمال میں تو ایک کافر بھی مسلمان
سے فوقیت لے جاسکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کے بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی۔
(۳۶۶) * اعمال گواہ ایمان کا جزء نہ ہوں مگر مرجّہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت و ضعف پر
ہی منحصر ہے۔

حَتَّى تَزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ
يَا أَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ وَهَلْ
أَخْرَجَكُم مِّنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيئَةُ أَبِيكُمْ
لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِذْهَبُوا إِلَى ابْنِي
إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللَّهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ
لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا
مِّنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اعْمَدُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي
كَلَّمَهُ اللَّهُ تَكَلِيمًا فَيَأْتُونَ مُوسَى عَلَيْهِ
السَّلَامُ فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ
إِذْهَبُوا إِلَى عِيسَى كَلِمَةَ اللَّهِ وَرُوحَهُ
فَيَقُولُ عِيسَى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ
فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُومُ فَيُؤْذَنُ لَهُ وَتُرْسَلُ
الْأَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُومَانِ جَنَّتِي الصِّرَاطُ
يَمِينًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ أَوْلَكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ
قُلْتُ يَا بَنِي آدَمَ وَأُمِّي أَيُّ شَيْءٍ كَمَرُ
الْبَرْقِ قَالَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَ
يَرْجِعُ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرُ الرِّيحِ ثُمَّ
كَمَرُ الطَّيْرِ وَشَدَّ الرَّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ
أَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ
يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتَّى تَعْجِزَ أَعْمَالُ الْعِبَادِ
حَتَّى يَجِيءَ الرَّجُلُ لَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ إِلَّا
زَحْفًا وَقَالَ وَفِي حَافَتِي الصِّرَاطِ كَلَا
لَيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَّامُورَةٌ تَأْخُذُ مَنْ أَمَرْتُ بِهِ
فَمَخْدُوشٌ نَاجٍ وَ مُكَرَّدَسٌ فِي النَّارِ وَ
الَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ إِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ
لَسَبْعِينَ خَرِيفًا. (رواه مسلم)

کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں اپنے والد کی ایک
فر و گذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ
السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے
میں اس خدمت کے قابل کہاں میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام
کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے
پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے لائق کہاں عیسیٰ علیہ السلام کے
پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ
السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوں گے آپ شفاعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو
اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ
رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائے گی کہ ان کو ایک حسی مشکل دے دی جائے گی۔ یہ) پل
صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی
سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح
تیزی کے ساتھ گذر جائے گا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں
باپ قربان بجلی کی طرح تیز گزرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ
وہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا
ہوگا) پھر ہوا کہ طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض
کہ جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لے جائیں گے اور
تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گزار ان
کو سلامتی سے گزار یہاں تک کہ اب صیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئے
گا حتیٰ کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل
صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا
جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھروچ آئے گی وہ تو نجات پا
جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا۔
(ابو ہریرہؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابو ہریرہ
کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

الاسلام یدرس بالمعصیۃ کما

یدرس وشی الثوب

(۳۶۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْرُسُ الْإِسْلَامُ كَمَا يَدْرُسُ وَشْيُ الثَّوْبِ لَا يَدْرِي مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسْكٌ وَيُسْرَى عَلَى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقَى فِي الْأَرْضِ مِنْهُ آيَةٌ وَيَبْقَى طَوَائِفٌ مِنَ النَّاسِ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْعَجُوزُ الْكَبِيرَةُ يَقُولُونَ أَذْرَكْنَا أَبَاءَنَا عَلَى هَذِهِ الْكَلِمَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَنَحْنُ نَقُولُهَا فَقَالَ صَلَّةٌ فَمَا تُغْنِي عَنْهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَدْرُونَ مَا صِيَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسْكٌ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حُذَيْفَةُ فَرَدَّدَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذَلِكَ يَعْزِضُ عَنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صَلَّةُ تُنَجِّهِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّهِمْ مِنَ النَّارِ تُنَجِّهِمْ مِنَ النَّارِ

(۳۶۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نور اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الہ الا اللہ سنا تھا اس لیے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انہیں روزہ، صدقہ اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انہیں کیا سودمند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انہوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار حذیفہ اعراض ہی کرتے رہے ان کے تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلا دے گا۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

(رواہ الحاکم و قال صحیح علی شرط مسنم و رواہ ابن ماجہ کما فی کتاب الفتن من الرحمة المہداة)

(۳۶۷) * وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے انسان سے یعنی کنجی کے دندانون سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نہ کنجی دندانے گھس جانے کے بعد زیادہ کارآمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابل استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا۔ آج ذرا سے حجاب نے بدذوق ذہنوں میں بلا وجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے تفصیلی بحث پہلے کی جا چکی ہے اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئے گا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہو جائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادا مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہو جائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انہیں واضح کر دینی پڑی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدار نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بنا پر اس کو مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ لہجہ....

(۳۶۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سَ رَوَايَتُ هِيَ كَہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور کمزور ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر سر نو نیا اور مستحکم کر دے۔
(متدرک)

(رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۴ قال الذہبی رواہ ثقات)

(۳۶۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدُّوْا إِيْمَانَكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ كَيْفَ نُجَدِّدُ إِيْمَانَنَا قَالَ أَكْثَرُوا مِنْ قَوْلٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ .
(۳۶۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کر لیا کرو۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ (حاکم)

(اخرجه الحاکم فی کتاب التوبۃ و قال صحیح الاسناد قال الذہبی و فیہ صدقۃ و ضعفوہ)

..... عقیدہ صرف تقلیدی طور پر قائم رہے جب بھی نجات کے لیے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جز نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مومن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مومن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

(۳۶۸) * امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذ کا قول نقل کیا ہے قال معاذ ا جلس بنا نؤمن ساعة . آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے انما اراد تجديد الايمان لان العبد يؤمن في اول مرة فوضائهم يكون ابدًا مجددًا كلما نظر و فکرو . حضرت معاذ کا مطلب یہاں ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ بندہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ثواب و عذاب آیات و عبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۴۱)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان سے غلطی سے لات و عزی کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لینا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن پر داغ معصیت یا کسی اور ناشائیاں کلمہ کا دھبہ لگا جائے تو اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہیے بلکہ فوراً صاف کر دینا چاہیے تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنمائی کا باعث نہ ہوں۔

(۳۶۹) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہو گا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاعتبر و ایا اولی الابصار . صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

المعاصی قد تفضی الی حبط بعض

الحسنات

(۳۷۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبَطَ عَمَلُهُ. (رواه البخاری)

(۳۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذَفَ الْمُحْصَنَةُ يَهْدِمُ عَمَلِ مِائَةِ سَنَةٍ.

(رواه البزار)

(۳۷۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا الْخ... (ترمذی - نسائی - ابن ماجہ - دارمی)

(۳۷۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِي أَنْ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ. (رواه ابوداؤد)

(۳۷۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ رِضًا بِجَزِيرَتِهَا فَقَدْ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهُ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهِ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ. (ابوداؤد)

گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے

(۳۷۰) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

(۳۷۱) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاک باز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔

(البزار)

(۳۷۲) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔

(ترمذی - نسائی - ابن ماجہ - دارمی)

(۳۷۳) سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے (جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کر دی اور آمد و رفت کے لیے راستے بند کر دیئے (جب آپؐ کو یہ خبر ملی) تو آپؐ نے ایک منادی بھیج دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

(۳۷۴) ابودرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کر دیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کر دی۔ (ابوداؤد)

(۳۷۵) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَسْمِعْنَا يَا عَامِرٌ مِنْ هُنَا تَكُ فَحَدَّابَهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ السَّائِقُ قَالُوا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَاهُ أَمْتَعْنَا بِهِ فَأَصِيبَ صَبِيحَةٍ لَيْلَتِهِ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبَطَ عَمَلُهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ

(۳۷۵) سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کے لیے نکلے رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ عامر گا گا کر انہیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھا دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقع دیتے اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انہوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور وہ اپنی ہی

(۳۷۵) * صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہو چکا تھا کہ جنگ کے موقع پر جب کسی شخص کی نسبت آپ ”رحمہ اللہ“ کا کلمہ ارشاد فرمادیتے تو وہ ضرور شہید ہو کر رہتا اس لیے عامر کے متعلق یہ کلمہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے۔

واضح رہے کہ شرک و کفر تو سب کے نزدیک حقیقتاً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبار کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف ہے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کر لیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب نہیں معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورہ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

و فی الکشف لا بد فی هذا المقام من تحریر البحث بان یقال ان اراد المعتزل ان نحو الزناء اذا عقب الصلوة یبطل ثوابها مثلاً فذلک مما لا دلیل علیہ و ان ارادوا ان عقابه قد یکبر حتی لا یعادلہ صغار الحسنات فهذا صحیح و الکلام فی تسمیته احباطاً و لا باس به و لکن عندنا ان هذا الا حباط غیر لازم و عندهم لازم و هو مبني علی جواز العفو و هی مسئلة اخرى و اما الکبيرة التي تختص بذلک العمل کالعجب و نحو المن و الاذی بعد التصدیق فهي محبطة لا محالة اتفاقاً. (ص ۲۶ - ۷۳ روح المعانی)

”کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ یہ مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہو جاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کر سکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہے گی کہ اس کو حقیقتہً حبط کہنا بھی چاہیے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے درحقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ بحث تو عام کبار کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں جیسے صدقہ دے کر اترانا یا احسان جتاننا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم کے...

يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ
اللَّهُ فِذَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا
حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا إِنَّ لَهُ لَا
جُرَيْنَ اثْنَيْنِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَ أَيْ قَتَلَ
يَزِيدُهُ عَلَيْهِ.

(رواه البخاری)

شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہؓ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے
ہلاک ہوئے ہیں اس کو خود کشی سمجھا اور) کہا عامرؓ نے خود کشی کر لی اور ان کی سب
نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ عامر
کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آ کر آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے
ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو
گئے آپؐ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دو ہر اثواب ملے گا وہ بڑا
پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کون سا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

اللہ کے گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔“ (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کون سا عمل کس گناہ کے لیے
کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبار محبط (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہیے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل
کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہیے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے
نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے
جہاد میں تصبیق منازل یا صدقہ کے بعد من و اذی (احسان جتنا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے معتدداً اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی
یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں
شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ
بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین تناسب ہے اس کا
ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

حضرت استاد قدس سرہ کے کلمات سے یہاں حبط عمل کی ایک اور شرح بھی مفہوم ہوتی ہے وہ امام بخاری کے ترجمہ ”بسبب خوف
المؤمن ان يحبط عمله“ کی شرح کے ذیل میں فرماتے تھے کہ اس ترجمہ سے امام بخاریؒ کی غرض مرجئہ کی تردید ہے یعنی گناہ اتنی ہلکی
چیز نہیں جتنی کہ مرجئہ نے سمجھی ان کی شامت سے بعض مرتبہ سوء خاتمہ اور سلب ایمان کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا نام شرعی کفر نہیں تگونی
کفر ہے یہاں بظاہر کوئی عمل کفر نظر نہیں آتا اس لیے ظاہر میں ایمان و اسلام کا حکم باقی رہتا ہے لیکن چونکہ قلب حقیقت ایمانیہ اور اذعان سے
خالی ہو جاتا ہے اس لیے عالم آخرت میں اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں رہتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا پھر وہ
آخرت میں نہ پئے گا۔ ترمذی کی شرح میں صاحب قوت المعتدی اس کا یہ مطلب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر شراب خواری کی بد عادت رک نہ
کی گئی تو اس کی شامت سے انجام خراب ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خاتمہ بخیر نہ ہو تو آخرت میں وہ شراب جو صرف
مومنین کا حصہ ہوگی کیونکر میسر آئے گی۔ اس بنا پر حبط عمل کا اصل سبب کفر ہی ہوگا لیکن چونکہ بظاہر یہاں کوئی سبب کفر موجود نہیں ہوتا صرف
معصیت ہوتی ہے اس لیے حبط عمل کا حکم اس معصیت ہی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی
ہے۔ ”حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دینی معاملات میں برابر مستعد رہے۔“

(۳۷۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنَقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصَبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَغَ. (رواه ابوداؤد)

(۳۷۶) ابوالدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان دار آدمی اپنے دین میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جو نبی اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۳۷۷) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ. (رواه الترمذی)

(۳۷۷) سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

لہذا رہتا ہے لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دیتا ہے تو پھر اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔“ (ابوداؤد)

گویا قاتل عموماً کو تکوین اسی طرح آہستہ آہستہ خلود یا مکث طویل کی طرف لے چلتی ہے پس جس طرح یہاں فتویٰ اپنی جگہ قائم رہے گا اور تکوین اپنی جگہ کام کرے گی۔ اسی طرح معاصی صرف معاصی کہلائیں گے لیکن ان کا تکوینی اثر کشاں کشاں کفر کی طرف لیتا چلا جائے گا۔ پس اعمال اگرچہ اجزاء ایمان نہ ہوں مگر قوت ایمانیہ قائم رکھنے کے لیے ان کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کی حیوۃ کے لیے پانی کا۔

(۳۷۶) * قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطے سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیاً پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرما لیتی ہے یہ ہر دور راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جائے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے اس لیے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بد اطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوشمند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عموماً قاتل کے لیے دوزخ میں ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہاء کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہیے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عموماً خون ناحق ہے اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لیے خدا کی طرف سے اعلان جنگ لفظ آیا ہے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ۔

خاکسارانِ جہاں را بکھارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۳۷۷) * اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقاً آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدائے تعالیٰ کے یہاں صدیقیوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر و شر کے اسی تدریجی رفتار اور ان کے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

من سبق على لسانه كلمة الكفر
لم يكفر

(۳۷۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهُ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَايَسَّ مِنْهَا فَاتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ آيَسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخَطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفُرْحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأُ مِنْ شِدَّةِ الْفُرْحِ. (رواه مسلم)

(۳۷۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالِ أَقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. (متفق عليه)

اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا

(۳۷۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے وہ ابھی اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

(۳۷۹) ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزی کا نام آگیا تو اسے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہیے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آؤ جو اٹھیلیں اسے صدقہ دینا چاہیے۔ (متفق علیہ)

(۳۷۸) * خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کے برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا حالانکہ اس کے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۳۷۹) * یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت و غم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات و عزی کی قسمیں کھانے کا عادی تھے۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کو فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دے دیا تاکہ اگر اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمہ تو حید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔

دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بد خصلت ترک کرانے کے لیے نفسیاتی طور پر اس کا علاج

یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دے دے اس کے نفس کے لیے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہوگی۔ ﷻ.....

لا یکفر المسلم بذنب

(۳۸۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَ الْجِهَادُ مَا ضَرَّ مُذْبَعَثِي اللَّهِ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الدَّجَالُ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَ الْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ .

(رواه ابو داؤد)

کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہیے

(۳۸۰) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں - (۱) جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ - (۲) جب سے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گا - یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آ کر دجال سے جنگ کرے گا - کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لے کر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا (ابوداؤد)

..... لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لیے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدق کرے - قال معناه فليتصدق بقدر ما جعله خطراً في القمار . (معالم السنن ج ۲ ص ۴۵)

(۳۸۰) * واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بنا پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تا وقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بد اعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تا وقتیکہ وہ کسی عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کر دے - اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث کا مقصد مؤمن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا - حیرت ہے کہ متواتر اترت دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جب کہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بنا پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہیے - اس میں اختلاف کس کو ہے - بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحہ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہو گا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی -

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک و کفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں یہ خلاف فطرت ہے - اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جاسکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے - افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لیے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھاڑ شروع کر دی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی -

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کر دی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ

من قتل نفسه لم يكفر

خودکشی کرنے والا کافر نہیں

(۳۸۱) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ الطُّفِيلَ بْنَ عَمْرِو الدَّوْسِيِّ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ لَكَ فِي حِصْنٍ حَصِينٍ وَمَنْعَةٍ قَالَ كَانَ لِدَوْسٍ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَبَى ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِي ذَخَرَ اللَّهُ لِلْأَنْصَارِ فَلَمَّا هَا جَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ

(۳۸۱) جابر سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے مقدر فرمادی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت

لئے ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگزاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لیے اختیار کیا گیا تھا جنہیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصول اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہو گیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنا دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک حدیث و استقبل قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ کھلے ہوئے کافروں سے نہ اس حدیث کا تعلق ہے نہ اس کا۔ مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا، کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انہیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہر گز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بنا پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہؓ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرض قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بنا پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے اسلامی زبان میں اس کا لقب فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

(۳۸۱) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہو سکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر امانت الہیہ میں بے جادست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کے لیے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اس کی رگ رگ کو گھیر لیا۔

کی تو طفیل بن عمرو اور ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی۔ اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور تکلیف برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو گئی۔ طفیل بن عمرو نے انہیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے۔ دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخش دیا گیا پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آ رہے ہو اس نے کہا مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا ہم اسے نہیں سنو راس گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعا فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرما دے۔ (مسلم)

هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَا الْمَدِينَةَ فَمَرَضَ فَجَزَعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَا جِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتَّى مَاتَ فَرَأَاهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِي مَنَامِهِ فَرَأَاهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةً وَرَأَاهُ مُغَطِّيَا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرْتُ لِي بِهَاجَرَتِي إِلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَالِي أَرَاكَ مُغَطِّيَا يَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نَصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواه مسلم)

اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

لا يجب في الايمان العلم بصفات الله تعالى تفصيلا

(۳۸۲) معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑیے نے

(۳۸۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ آتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِي تَرْعَى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةَ مِنَ الْغَنَمِ

(۳۸۲) * ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت موزوں ہے اگر اس کو فلسفی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو اس لیے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ ٹھیٹ تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو۔ لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہو جائے تو اب یہ حدود ایمان نہیں رہیں۔ مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہو سکتا ہے جب تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا لفظ

فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذَّنْبُ فَاسْفُتْ عَلَيْهَا وَ كُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَ عَلَى رَقَبَةٍ أَفَأَعْتَقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ اللَّهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقُهَا. (رواه مالک و فی رواية مسلم) إِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

پھاڑ کھائی۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لیے) ایک غلام آزاد کرنا بھی ہے۔ کہتے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کر دوں۔ آپ نے اس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول فرمایا اچھا اسے آزاد کر دو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

(موطا مالک)

(۳۸۳) عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ النَّاصِرِ شَخْصٌ سَعَى رَوَايَتِ كَرْتِ هُنَّ كَ (۳۸۳) عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ

لہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لیے اس کی ذات و صفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دے دی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاذبیت اس کو مقتضی ہو سکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) اس آیت میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ و مبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع و بصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لیے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہو سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے۔ سو چو کہ اگر اس کے لیے صفت سمیع و بصیر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع و بصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لیے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کر لی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقع ہے جہاں اسلام و کفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہو جاتی ہیں انصاری نے خدا کے رسول کے لیے اپنے زعم میں صرف ایک پر عظمت کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہہ دیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمہ تشبیہ کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لیے فرمایا ﴿أَنْتَ يَكُونُ لَهُ وَ لَدَوْ لَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً﴾ (الانعام: ۱۰۱) بھلا خدا کے بیٹا کہاں ہے ہو سکتا ہے جب کہ اس کے لیے بی بی نہیں۔

پس نہ ہر تشبیہ قابل اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابل معافی ہے اسی لیے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو اباب سکر نے اپنے عالم بے خودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کر لیا ہے۔ ان احوال و مواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے۔

نہ ہر کہ سر بتر شد قلندری داند

(۳۸۳) * حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث پر حجتہ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں و منها ان الشارع لم يخاطبهم الا على ميزان العقل المودع في اصل خلقتهم قبل ان يتعاونوا دقائق الحكمة و الكلام و الاصول لہ

وہ ایک سیاہ باندی لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مؤمنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کر دوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے؟ وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کر سکتے ہو۔ (مسند احمد)

رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ جَاءَ بِأَمَةٍ سَوْدَاءَ وَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَلَى رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَإِنْ كُنْتُ تَرَى هَذِهِ مُؤْمِنَةً أَعْتَقْتُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدِينَ أَنَّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُؤْمِنِينَ بِالْبُعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَعْتَقْتُهَا.

(رواہ احمد قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح و رواہ مالک ایضاً قال السیوطی فی تنویر الحوالک و روی عن ابی ہریرۃ موصو لا ایضاً)

لہ و اثبت لنفسه جهة فقال الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى. و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا مرءة سوداء این اللہ فاشارت الی السماء فقال ہی مؤمنة. (ج ۱ ص ۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقاق فلسفہ و علم کلام پڑھنے سے پہلے قدرۃ صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے۔ ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کر لیا ہے اسی لیے قرآن و حدیث میں بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا آپ نے فرمایا یہ مؤمنہ ہے۔ دوسری جگہ باب طبقات الامۃ باعتبار الخروج الی الکمال المطلوب اوضدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقوم نقصت عقولهم کما کثرا لصبيان و المعتوهين و الفلاحين و الارقاء و کثیر یزعمهم الناس انهم لا باس بهم و اذا نفع حالهم عن الرسوم بقوا لا عقل لهم فاولئک یکتفی من ایمانهم بمثل ما اکتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الجارية السوداء سألها این اللہ فاشارت الی السماء (ہم اصحاب الاعراف) انما یراد منهم ان یتشبهوا بالمسلمین لنلا تتفرق الکلمة. (ج ۱ ص ۹۲ حجة اللہ) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃ ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمایا تھا جس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر ہوتا ہے۔ کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقاق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لیے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لیے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جا بجا اسی نسبت کو لہ

(۳۸۴) عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الشَّرِيدِ (بن سوید) أَنَّ أُمَّهُ أَوْصَتْ أَنْ يُعْتَقَ عَنْهَا رَقَبَةٌ مُؤْمِنَةٌ فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ عِنْدِي جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ نُوبِيَّةٌ فَأَعْتَقْتُهَا فَقَالَ أَنْتِ بِهَا فَدَعَوْتُهَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَهَا مَنْ رَبُّكَ قَالَتْ اللَّهُ قَالَ مَنْ أَنَا فَقَالَتْ رَسُولُ اللَّهِ (ﷺ) فَقَالَ أَعْتَقْتُهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

(۳۸۴) ابوسلمہ شریذ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مؤمن بردہ آزاد کر دیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کر دوں، آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ۔ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ وہ بولی اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کر دو یہ مؤمنہ ہے۔ (مسند احمد)

(رواہ احمد قال الہیثمی و رواہ البزار و الطبرانی فی الارسط الا انه قال لہا من ربک فاشارت برأسها الی السماء فقالت اللہ . و رجالہ موثقون و رواہ ابوداؤد و النسائی ایضاً)

(۳۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةً رَحْمَةٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْئَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ. (رواہ البخاری)

(۳۸۵) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کر دیئے تھے ننانوے حصہ اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لیے رکھ دیا تھا اس لیے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مؤمن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں۔ (بخاری شریف)

اللہ استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفریق و تشمت نہ ہو۔ مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ و تنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لیے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل و فہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لیے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہو سکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے۔ (والعیاذ باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

(۳۸۵) * بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہو سکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہو جائے اللہ

(۳۸۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقْرِأْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّي وَاشْتَدَّ قَلْبِي وَغَلِظَ لِسَانِي قَالَ فَأَقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حَمٍ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقْرِأْنِي سُورَةَ جَامِعَةٍ فَأَقْرَأَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتْ حَتَّى فَرَّغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيدُ عَلَيْهِ أَبَدًا ثُمَّ أَذْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ. (رواه احمد و ابو داؤد)

(۳۸۶) عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیجئے آپؐ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف - لام - راء ہے۔ اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہو چکی ہے اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپؐ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حم ہے ان کو پڑھ لیا کرو اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو کوئی جامع اور مختصر سی سورت بتا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورہ اذ از لزلت پڑھا دی یہاں تک کہ آپؐ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہو گئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو دین حق دے کر بھیجا ہے میں کبھی اس پر کوئی اور اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چل دیا آپؐ نے دوبار فرمایا یہ بیوقوف بے چارہ کامیاب ہو گیا۔ (احمد - ابو داؤد)

اللہ تو اس کی کمزور و ناتواں فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس کے عمل کی کشتی اسی وقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجاء کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، نعمت کے ساتھ نعمت اور عذاب کے ساتھ عذاب کا ذکر کیا ہے۔ ﴿نَبِيٌّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْآلِيمُ﴾ (الحجر: ۴۹، ۵۰) دیکھئے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۸۴ پر بھی گذر گئی ہے۔

(۳۸۶) * ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۸۳ پر ضام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمان برداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل بھی نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادات کے بارے میں اپنی امی امت کے لیے اجمالی ایمان کافی سمجھا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ باندی کا تو حید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمایا اسی طرح ایک نو مسلم کو صرف فرائض دین پر عمل پیرا ہو جانے سے فلاح کی بشارت سنادی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورت پر فوز و فلاح کی خوش خبری دے دی الرُّوَيْجِلُ کی تصویر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لیے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کے لیے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود ایزدی جہد و مشقت نہیں اظہارِ عبدیت ہے یہاں آپؐ کو دو حدیثوں کا مطالعہ کر لینا اور بصیرت کا موجب ہو گا۔ ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۹۱ حدیث نمبر ۴۳ جس میں ایک اسرائیلی شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے خدا سے ڈر کر وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کو جلا کر خاک کر دیا جائے۔

(۳۸۷) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَنَاحَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسِمَ أَتَى رَاحِلَتَهُ فَأَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِي رَحْمَتِنَا أَحَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ أَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَيَّ مَا قَالَ قَالُوا بَلَى. (رواه ابوداؤد)

اذا استشكل شيء من دقائق علم التوحيد فليعتقد بما هو الصواب عند الله

(۳۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا. (رواه البخاری)

(۳۸۷) جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دہقانی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہو گیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہو گیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرما دے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سوا اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ نا فہم کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں سنا۔ (ابوداؤد)

عقائد کے مسائل میں جب کہیں الجھن پیش آ جائے تو جو اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے

(۳۸۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۸۷) * یہ حدیث کچھ لفظی مغایرت کے ساتھ ترجمان السنہ جلد اول ص ۲۹۷ (نمبر ۵۱) پر بھی گزر چکی ہے وہاں اس اعرابی کے متعلق آپؐ نے جو اصلاحی کلمات فرمائے تھے وہ بھی گزر چکے ہیں۔ اس روایت میں آپؐ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بے عقلی قرار دی ہے۔ یہی کلمہ اگر کسی اور تربیت یافتہ صحابی کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپؐ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم و فہم کی رعایت بھی رہتی تھی اس لیے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت و عظمت کے انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گوٹو کے بغیر تو آپؐ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی جو کسی اونچے علم و فہم کے شخص سے کی جاتی۔ اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے۔

(۳۸۸) * یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات و صفات کے جن مسائل میں پر بھی حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہیے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سر دست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔ ۛ

(۳۸۹) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی **هُوَ الَّذِي** الخ۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان لے آنا چاہیے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو ان سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زانغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۸۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ إِلَى قَوْلِهِ وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَى اللَّهُ (عَزَّ وَجَلَّ) فَاحْذَرِيهِمْ.

(رواہ البخاری)

الاحکام تجری علی الظاہر و اللہ یتولی السرائر
اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہوں گے اور اندرونی حالات کا حساب خدائے تعالیٰ کے حوالہ رہے گا

(۳۹۰) إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عْتَبَةَ رَوَايَتَ كَرْتِے هِے كَے مِے نَے عَمْرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

اللہ واذا اشکل علی الانسان شی من دقائق علم التوحید فیبغی له ان یعتقد فی الحال ما هو الصواب عند اللہ تعالیٰ الی ان یجد عالماً فیسألہ و لا یسعه تاخیر الطلب و لا یعذر بالوقوف فیہ و یکفران وقف و المراد بدقائق علم التوحید اشیاء یکون الشک و الشبهة فیها منافیاً للإیمان و مناقضاً للإیمان بذات اللہ تعالیٰ و صفته و معرفة کیفیة المؤمن به باحوال اخرته. (شرح فقہ اکبر ص ۱۰۰)

”جب علم توحید و عقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آ جائے تو سر دست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو راہ صواب ہو اسی پر ہمارا اعتماد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس سے تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق و تفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک و شبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔“ (شرح فقہ اکبر)

ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لیے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لیے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لیے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح اور پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اور اب وحی تو منقطع ہو گئی اس لیے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کریں گے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدائے تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتب بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انہوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آکر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آ گئے۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دحشم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپ اس کے حق میں بد دعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انہوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے پھر دوزخ میں بھی داخل ہو سکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلا سکے۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلم بند کر لو اس نے قلم بند کر لی۔ (بخاری و مسلم)

عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ إِنَّ أَنَا سَاكِنُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ وَ إِنَّمَا نَأْخُذُكُمْ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمَانًا وَقَرْبَانًا وَ لَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اللَّهُ مُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ وَ مَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنُهِ وَ لَمْ نَصَدِّقْهُ وَ إِنِّ قَالَ أَنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

(۳۹۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِثْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عِثْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيثُ بَلَّغَنِي عَنْكَ قَالَ أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي تُصَلِّيَ فِي مَنْزِلِي فَاتَّخِذَهُ مُصَلِّيً قَالَ فَاتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ شَاءَ مِنْ أَصْحَابِهِ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَ أَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ أَسْنَدُوا وَ اعْظَمَ ذَلِكَ وَ كُتِبَ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُحْشَمٍ قَالَ وَ دُؤُوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ وَ وَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ قَالَ أَنَّهُ يَقُولُ ذَلِكَ وَ مَا هُوَ فِي قَلْبِهِ قَالَ لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَيَدْخُلُ النَّارَ أَوْ تَطْعُمُهُ قَالَ أَنَسٌ فَأَعْجَبَنِي هَذَا الْحَدِيثُ فَقُلْتُ لِابْنِ أُمِّ كَثَبَةَ فَكَتَبَهُ. (رواه مسلم و البخاری مع تغاير)

(۳۹۲) عَنْ ابْنِ عَائِدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ رَجُلٍ فَلَمَّا وَضَعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَأَاهُ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَتَّى عَلَيْهِ التُّرَابُ وَقَالَ أَصْحَابُكَ يَظُنُّونَ أَنَّكَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَأَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُمَرُ إِنَّكَ لَا تُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ وَلَكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(۳۹۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ

(۳۹۲) ابن عائد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کے لیے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھ دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ یہ فاسق و فاجر آدمی ہے آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف دیکھ کر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے (یہ سن کر) آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔

(شعب الایمان)

(۳۹۳) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انہیں اجازت نہ دی اور فرمایا

(۳۹۲) * اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرماتے تو امت محمدیہ کے سارے عاصی اس سعادت عظمیٰ سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے اس لیے آپ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بنا پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کر دینا میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمہ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق و فجور سے اسلام کا عہد و فاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لیے دعاء مغفرت کرنا ہم پر اس کا ایک آخری حق ہے۔ اگر شریعت حنیفیہ کی اس سہولت اور نرمی سے عمر کی طبعی شدت ساز نہیں کرتی تو نہ کرے مگر ان کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان معاملات میں سوال صرف اسلام ہی کے متعلق رہے گا۔ کسی کے اعمال کی تحقیق و تفتیش نہیں لگائی جائے گی۔ اگر کبھی کسی خاص وجہ سے کسی کے جنازہ پر نماز ادا نہ کی جائے تو یہ صرف جزئی اور وقتی مصلحت ہوگی قاعدہ نہ بنے گا۔

(۳۹۳) * حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیوتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لیے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آ سکتا ہے اور اگر خدا نہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلاشبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخری لہجہ

(دیکھو) کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو، خالدؓ بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، آپؐ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے

(۳۹۴) نصر بن عاصم لیشی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپؐ نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی۔ (مسند احمد)

(۳۹۵) فضالہ لیشی سے روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپؐ مجھے کچھ احکام اسلام سکھائیے۔ آپؐ نے ان کو رمضان کے روزے اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (متدرک)

يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ
بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أَوْمَرْ أَنْ أَنْقَبَ
عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشَقَّ بُطُونَهُمْ.

(متفق علیہ و هو فی البخاری مفصلاً ایضاً)

یصح الاسلام علی الشرط الفاسد

(۳۹۴) عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ
مِنْهُمْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْلَمَ
عَلَى أَنْ لَا يُصَلِّيَ إِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ مِنْهُ. (رواه
احمد و سنده جيد و جهالة الصحابي لا تضر)

(۳۹۵) عَنْ فَضَالَةَ اللَّيْثِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي أُرِيدُ الْإِسْلَامَ
فَعَلَّمْنِي شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ فَذَكَرَ
الصَّلَاةَ وَشَهْرَ رَمَضَانَ وَمَوَاقِيتَ الصَّلَاةِ فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تَذَكُرُ سَاعَاتٍ أَنَا فِيْهِنَّ
مَشْغُولٌ وَلَكِنْ عَلَّمْنِي جُمَاعًا مِنَ الْكَلَامِ قَالَ
إِنْ شُغِلْتَ فَلَا تَشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَيْنِ قُلْتُ وَمَا
الْعَصْرَانِ وَلَمْ تَكُنْ لُغَةً قَوْمِي قَالَ الْفَجْرُ وَالْ
عَصْرُ. (رواه الحاكم في المستدرک)

اللہ... کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو مانگوں میں لاقانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیادِ باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیادِ باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

(۳۹۵) * بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دے دی تھی لیکن حضرت استاد اقدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح و عصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہیے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے پس جس طرح ان آیات و احادیث لفظ...

- (۳۹۶) عَنْ فَضَالَةَ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا عَلَّمَنِي وَحَافِظُ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هَذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيهَا اشْغَالٌ فَمُرْنِي بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا أَنَا فَعَلْتُهُ أَجْزَأَ عَنِّي فَقَالَ حَافِظُ عَلَى الْعَصْرَيْنِ وَمَا كَانَتْ مِنْ لُعْنَتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ؟ فَقَالَ صَلَوةٌ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَوةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا. (رواه ابو داؤد)
- (۳۹۷) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْ لَا أُخَرَّ إِلَّا قَانِمًا. (رواه احمد)
- (۳۹۶) فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی کہ پنج وقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے کہ جب وہ کر لوں تو وہی میرے لیے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا۔ عصرین کا لفظ ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابوداؤد)
- (۳۹۷) حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

اللہ.... میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہیے۔ فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاد قدس سرہ کی رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ یہی فضالہ ہیں اور اس بنا پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپؐ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپؐ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کر دی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرمادی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگزاشت قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔ یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روایت کو کسی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کر ڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا ہی وہم پیدا ہونے لگا۔ لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دے دینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپؐ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغت عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ جماعت، خشوع و خضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہیے۔ یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب و ارکان کی زیادہ رعایت و عدم رعایت کا ذکر ہے پس آپؐ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔ (۳۹۷) * اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لا اموث الا مصلیٰ یعنی اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ امام احمد اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کے بغیر سجدہ کیا کروں گا۔ نسائی نے لکھا....

(۳۹۸) عَنِ السَّادُوسِيِّ يَعْنِي ابْنَ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ آتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَايَعَهُ فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنْ أُقِيمَ الصَّلَاةَ وَأَنْ أَءِذَى الزَّكَاةَ وَأَنْ أَحُجَّ حَاجَّةَ الْإِسْلَامِ وَأَنْ أَصُومَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَأَنْ أُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَّا اثْنَتَانِ فَوَاللَّهِ مَا أَطِيقُهُمَا الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ فَإِنَّهُمْ زَعَمُوا أَنَّ مَنْ وَلِيَ الدُّبُرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ فَخَافَ أَنْ حَضَرْتُ تِلْكَ جَشَعْتُ نَفْسِي وَكَرِهْتُ الْمَوْتَ وَالصَّدَقَةَ فَوَاللَّهِ مَا لِي إِلَّا غَنِيمَةٌ وَعَشْرُ ذُودِ دِهْنٍ رِسْلُ أَهْلِي وَحُمُولَتُهُمْ قَالَ فَقَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ ثُمَّ حَرَّكَ يَدَهُ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَةَ فَلَمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ إِذَا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَبَا يَعْكُ قَالَ فَبَايَعْتُ عَلَيْهِنَّ كُلَّهُنَّ.

(۳۹۸) سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا، آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ پڑھا کروں گا، زکوٰۃ ادا کیا کروں گا، اسلامی طریقہ پر حج کروں گا، ماہ رمضان شریف کے روزے رکھا کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بے صبری نہ کرے اور موت سے ڈرنے جائے۔ رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کیے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کر لی۔ (مسند احمد)

(رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر و الاوسط و الحاکم فی مستدرکہ و صححہ الذہبی قال الہیثمی و رجال احمد موثقون)

اللہ اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے ”باب کیف یحیی للسجود“ یعنی سجدہ کے لیے کیسے جانا چاہیے۔ اس عنوان سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لیے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس حدیث میں کوئی شرط فاسد نہیں ہے بلکہ صرف ایک شرط کی مناسبت سے ذکر کر دی گئی ہے۔ حدیث بالا کا ترجمہ امام ابو عبیدہ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے۔

(۳۹۸) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایہ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیہ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائیگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرما کر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انہوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرمالیا۔ مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کر دے۔ بالخصوص جب کہ قرآن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سردست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا۔ اذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۳۹۹) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةٍ قَالَتْ بَايَعَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا. أَنْ لَا يُشْرِكُنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنِ النَّيَاحَةِ فَقَبَضْتُ امْرَأَةً مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فَلَا نَهْ اسْعِدْ نَسِيٍّ وَ أَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقْلُ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَمَا وَفَتْ امْرَأَةً إِلَّا أُمَّ سُلَيْمٍ وَ أُمَّ الْعَلَاءِ وَ ابْنَةَ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةً مُعَاذٍ أَوْ ابْنَةَ أَبِي سَبْرَةَ وَ امْرَأَةً مُعَاذٍ.

(رواه البخاری)

(۴۰۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لَتَكُونَ أَرْقَ.

(۳۹۹) ام عطیہ روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی ”کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا۔ اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلاں عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کر گئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کر کے واپس آ گئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا بجز ام سلیم، ام العلاء، اور ابوسبرہ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابوسبرہ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے)۔ (بخاری شریف)

(۴۰۰) عثمان ابن ابی العاص کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تاکہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہوں انہوں نے اسلام لانے کے

(۳۹۹) * نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کے لیے غیر ممکن تھا اس لیے آنحضرت نے اس مکروہ فعل کی گویا صریح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرمایا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایک بار اور نکال لے تاکہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے۔ یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انہوں نے ایک بار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کر لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انہوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کر سکیں۔ صفائی کے موقع پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک زور تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بدذوقی کی دلیل ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت اسلام کے وقت خلاف شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لیے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لیے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو بہت سے بہت فاسق ہو گا محض کافر سے تو پھر بہتر ہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کر دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھو جامع العلوم والحکم ص ۵۹)

(۴۰۰) * خطاب فرماتے ہیں کہ تحیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے لگتا.....

لِقُلُوبِهِمْ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُحْشَرُوا وَلَا يُعْشَرُوا وَلَا يُجْبُوا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ أَنْ لَا تُحْشَرُوا وَلَا تُعْشَرُوا وَلَا خَيْرٌ فِي دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ.

لیے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لیے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کے لیے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی۔ رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد فی باب خبر الطائف قال المنذری قد قیل ان الحسن البصری لم یسمع من عثمان)

(۴۰۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ اشْتَرَطْتُ ثَقِيفَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا جِهَادَ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَتَصَدَّقُونَ وَيُجَاهِدُونَ.

(۴۰۱) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کا اسلام قبول کر لیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (احمد - ابوداؤد)

اللہ نماز پڑھنا مراد ہے۔ امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثناء بھی یہاں صرف صورتہ تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی نصاب اور حوالان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لیے ہر دست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جاسکتا تھا، رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

(۴۰۱) * یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گزر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثناء فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لیے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا مناسب ہے۔ بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہو جاتے ہیں۔



یصح ایمان المقلد و لا یجب علیہ المعرفة بالنظر

مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اُس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں

معتزلہ اور متکلمین کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر نہیں اس پر دلائل کی روشنی میں بھی توحید و رسالت حاصل کرنا واجب ہے۔ ان کے نزدیک ایمان ایسی تصدیق کا نام ہے جو تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو سکے ایسی تصدیق دلائل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ تاج الدین سبکی نے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہوئے تقلیدی ایمان کی چند صورتیں لکھی ہیں۔ (۱) یہ کہ اسلام کی حقانیت ہی پورے طور پر دل نشین نہ ہو اور قلب میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ (۲) یہ کہ اسلام کی حقانیت کا اذعان اگرچہ حاصل ہو مگر نجات ابدی کے لیے تمام دین یکساں نظر آئیں اور ان میں جس دین کو چاہے اس کا اختیار کرنا جائز سمجھے۔ (۳) یہ کہ اسلام کی حقانیت میں کوئی شک و تردد باقی نہ ہو، نجات ابدی صرف دین اسلام میں منحصر سمجھے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین کا اختیار کرنا ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہ سمجھے۔ پہلی دو صورتیں یقیناً معتبر نہیں اور تیسری صورت بے شبہ معتبر ہے۔ خواہ ان مقاصد کے لیے دماغ میں ایک دلیل کا بھی تصور موجود نہ ہو۔

اس حقیقت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے عہد مبارک میں کفار کے جو جم غفیر عین جنگ کی رعد و برق میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان سب کا اسلام معتبر مان لیا گیا اور کسی ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان نو مسلموں کو اسلام کے فرائض و واجبات کی طرح نظر و استدلال سیکھنے کی بھی کبھی دعوت دی گئی ہو۔

صاحب روح المعانی بعض اکابر محققین سے ناقل ہیں کہ ایمان دراصل اس بدیہی تصدیق کا نام ہے جو خوش نصیبوں کے قلوب میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اگر وہ خود بھی اسے نکالنے کی کوشش کریں تو نکال نہ سکیں، تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم نہیں جو دلائل پر غور و فکر کے بغیر اسلام لے آئے اور اس کے برخلاف ایسی مثالیں بہت ہیں جن کے سامنے حقانیت اسلام کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں تھے مگر اس کے باوجود وہ اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہے۔ ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ (النمل : ۱۴) اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایمان و یقین کا حاصل ہونا صرف دلائل کی پرورش ہی پر موقوف ہوتا ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ ایمان یکسر ناقابل وثوق اور حقیقت اذعان سے معرئی ہوتا ہے۔ اس میں یہ احتمال ہر وقت قائم رہتا ہے کہ اگر دلائل دوسری جانب واضح ہو جائیں تو اسی وقت یہ ایمان بھی دوسری جانب منتقل ہو جائے۔

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں امام حجت الاسلام کی کتاب فیصل التفرقة سے نقل فرماتے ہیں کہ متکلمین کی اس جماعت کا غلو اور

حق سے انحراف بھی کس درجہ تعجب خیز ہے جو عوام کا ایمان صرف اس لیے معتبر نہیں مانتے کہ ان کو حقانیت اسلام کا یقین متکلمین کے مخترع دلائل کے مطابق حاصل نہیں ہوتا یہ جماعت ان متواتر واقعات سے بھی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود اور صحابہ کے مبارک دور میں بہت سے جاہل بت پرستوں کا ایمان معتبر مان لیا گیا تھا حالانکہ نہ خود ان کو دلائل کا علم حاصل تھا اور نہ کسی نے بعد میں ان کو دلائل کی تعلیم دی تھی اور اگر بالفرض ان کو تعلیم دی بھی جاتی تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کے قلب میں ڈال دیتا ہے اس کا ظاہری سبب کبھی تو کوئی باطنی تحریک ہو جاتی ہے جیسے کوئی خواب اور کبھی کسی دین دار کی زیارت روایات سے ثابت ہے کہ بعض منکرین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے روئے انور پر نظر ڈالنے کے ساتھ ہی بے ساختہ بول اٹھے کہ یہ چہرہ کاذب کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں ان میں ایک شخص بھی بعد میں دلائل کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وہی ایک نور ایمانی کا ذرہ جو ان کے قلب میں پہلی بار پڑ گیا تھا تلاوت قرآن وغیرہ کے ذریعہ خود بخود پھیلتا چلا گیا۔ کاش ہمیں کوئی بتاتا کہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدوث عالم کے دلائل شکل اول اور ایجاب صغریٰ اور کلیہ کبریٰ کے شرائط کے ساتھ کسی کو تعلیم دیئے تھے کب کسی سے فرمایا تھا کہ العالم متغیر وکل متغیر حادث۔ یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تعلیم دی تھی۔ ہاں اس کے برخلاف یہ ضرور ثابت ہے کہ ٹھیک جنگ میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے پھر بعد میں ان کو صلوة اور زکوٰۃ کے احکام تو سکھائے جاتے مگر توحید و رسالت کے دلائل کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ متکلمین کے دلائل بھی ایمان کا ایک سبب بن سکتے ہیں۔ مگر اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ایمان صرف دلائل کی پشت پناہی پر موقوف ہے۔ میرے نزدیک وہ ایمان جو دلیل پر مبنی ہو ضعیف ترین ایمان ہے۔ راسخ اور قوی ایمان وہ ہے جو اخبار متواترہ کے ذریعہ سے دور طفولیت ہی میں نصیب ہو جاتا ہے یا بلوغ کے بعد ایسے قرائن کے ذریعہ میسر آ جاتا ہے جن کو اگر زبان سے ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا نہیں کر سکتے یہی وہ ایمان ہے جو شک و تردد سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ شک و تردد کا محل دلائل ہوتے ہیں جہاں دلائل نہیں وہاں شک و تردد بھی نہیں۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۵۷ و ۵۸ اور الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۵۵)



(۴۰۲) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوت اسلام پیش کی انہیں لفظ اَسْلَمْنَا تو (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صَبَانَا صَبَانَا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا۔ (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا نہ تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپؐ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپؐ کے سامنے پیش کیا آپؐ نے سن کر فوراً اپنے دست مبارک اٹھا دیئے اور دو بار فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۴۰۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يَحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوا يَقُولُونَ صَبَانَا صَبَانَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيرَهُ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا أَسِيرَهُ فَقُلْتُ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ حَتَّى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا لَهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ.

يَصِحُّ الْإِسْلَامُ وَأَنْ كَانَ مِنْ خَوْفِ الْقَتْلِ (۴۰۳) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَأَغَارُوا عَلَى قَوْمٍ فَشَدَّ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِّنَ السَّرِيَّةِ مَعَهُ السَّيْفُ شَاهِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِّنَ الْقَوْمِ إِنِّي مُسْلِمٌ فَلَمْ يَنْظُرْ فِيهَا فَضْرَبَهُ فَقَتَلَهُ فَنَمِيَ الْحَدِيثُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلًا شَدِيدًا فَبَلَغَ الْقَاتِلَ فَبَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذْ قَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے (۴۰۳) عتبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا ایک مختصر دستہ بھیجا انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں کا ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لے کر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اس سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپؐ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آپؐ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے

(۴۰۳) * قسطوانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوت اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ اسلام کہنے کا سلیقہ بھی حاصل نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ النَّاسِ وَ أَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَنْ مَنْ قَبْلَهُ مِنَ النَّاسِ وَ أَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ أَنْ قَالَ الثَّالِثَةَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِّنَ الْقَتْلِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرِفُ الْمَسَاءَةَ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبَى عَلَى مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَالَهَا ثَلَاثًا.

سب سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لیے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثارِ ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مؤمن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی۔ تین بار فرمایا۔

(حاکم)

(رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۱۹ قال الذہبی علی شرط مسلم)

(۴۰۴) عَنْ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي فَضَرَبَ أَحَدِي يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَازِمَنِي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلَّهِ أَنَا أَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلُهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا أَفَأَقْتُلُهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلُهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَ إِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَةَ الَّتِي قَالَ. (رواہ مسلم)

(۴۰۴) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کر سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کرو گے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہو گیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اب اسی طرح مباح الدم ہو جاؤ گے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

(۴۰۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

(۴۰۵) عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۴۰۴) * یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہو جاؤ گے جیسا وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

(۴۰۵) * ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کسے فرصت ہو سکتی ہے اس لیے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہو سکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نو مسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت لگے

خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کر رہا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (یہ سن کر) قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لیے کہہ دیا تھا، آپ کو اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرہ مبارک اُس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کے لیے مجھ سے انکار فرما دیا ہے۔ (دوبار فرمایا)

(حاکم)

(۴۰۶) اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر جا کر چھاپا مارا اور ان کو شکست دے دی۔ میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا، جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ! کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا، میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا، آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں

اللہ علیہ وسلم اَنَّهُ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ يَقْتُلُ الرَّجُلَ وَ هُوَ يَقُولُ اَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا مُتَعَوِّذًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ هَكَذَا وَ كَرِهَ مَقَالَتَهُ وَ حَوَّلَ وَجْهَهُ عَنْهُ فَقَالَ اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا اَبَى اللّٰهُ عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا.

(رواہ الحاکم)

(۴۰۶) اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ يَقُولُ بَعَثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحَرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَا هُمْ وَ لَحِقْتُ اَنَا وَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِيْنَاهُ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَفَّ الْاَنْصَارِي فطَعْنَتْهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ فَلَمَّا قَدْ بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُسَامَةُ اَقْتَلْتُهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا

اللہ... معلوم کرنے کا کوئی ذوق و شوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لیے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینان قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کر لینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذکر اسلام لے آنا ہی معتبر ہے۔

(۴۰۶) * شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کر دی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ (شرح عقیدہ سفارینی ج ۱ ص ۳۶۸) حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقعہ ہے وہ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو، قلب کو اذعان و سکون کا اس میں ایک ذرہ بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ تو بے شبہ یہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہیے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاری کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب یقین و اذعان سے معمور ہو چکا ہے شک و تردد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے۔ امام بخاری ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے ہیں جب کہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لیے جب خوف و ہراس کی فضا چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کر دیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی حالت میں...

فَمَا زَالَ يُكْرِّرُهَا حَتَّى تَمَيَّتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ
اسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ (متفق عليه) (و
فِي طَرِيقٍ عَنْ مُسْلِمٍ) قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَتَمَّا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ قَالَ أَفَلَا
شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ قَالَهَا أَمْ لَا وَفِي
طَرِيقٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا
أُسَامَةَ فَسَالَهُ إِلَى أَنْ قَالَ فَكَيْفَ تَضَعُ بَلَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَا
رَسُولَ اللَّهِ اسْتَغْفِرْ لِي قَالَ فَكَيْفَ تَضَعُ
بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
فَجَعَلَ لَا يَزِيدُ عَلَيَّ أَنْ يَقُولَ فَكَيْفَ تَضَعُ
بَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا
(تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخش دیا جاتا) مسلم کے
ایک طریقہ میں یہ اور ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ
ہتھیار کے ذرے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل
چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔
ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم
نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں
آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے
لیے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے
گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے۔ آپ ان کے اصرار پر بھی یہی
ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا
جواب دو گے۔

طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار
سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے

الکراهية الطبيعية لا تخالف صحة
الاسلام اذا انقاد له بقلبه

(۴۰۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

(۴۰۷) انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا

اللہ... میں یاد اکل کے بغیر یقین و اذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف و ہراس کی وجہ سے بھی ہو
سکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گواہی کے اسلام
قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جاسکتا۔ وفد عبد القیس کے حق میں آپ کے
مدحیہ کلمات غیر خزاہ و لاندامی۔

اسی طرف اشارہ تھے کہ ان کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا جن بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے
اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

(۴۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی
زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوٰۃ ادا کرنا،
نماز باجماعت اور دیگر ارکان اسلام بجالانے یا اگر ان ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ گرانی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لیے ان کے اختیاری
اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انفساح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرانی خود بخود کم ہوتی جاتی ہے...

اللہ علیہ وسلم قال لِرَجُلٍ اَسْلَمَ قَالَ
اجْدِسْنِي كَارِهًا قَالَ اَسْلَمَ وَاِنْ كُنْتَ
كَارِهًا
اسلام قبول کرلو اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا
ہوں۔ آپ نے فرمایا اسلام قبول کرلو اگرچہ کراہت محسوس ہو۔ (رفتہ رفتہ
یہ کراہت نکل جائے گی۔) (احمد)

(رواہ احمد ورحالہ من رجال الصحیحین و هو من ثلاثیات الامام احمد و اردده السیوطی فی الجامع الصغیر و
عزاه للامام احمد و ابی یعنی و ایضاً المقدسی و رمرله بالصحة.)

قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا
نہ کیا جائے گا

يعتبر اسلام الاسير و ان لم يفلح
كل الفلاح

(۴۰۸) عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے
حلیف تھے ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی پکڑ لیے تھے
اس لیے آپ کے صحابہ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر
مدینہ کے سنگستان میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس
سے گزرے تو اس نے آپ کو اومچاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کے آواز
دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم
میں (انہوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے
دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر اومچاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز
دی آپ کو اس پر رحم آگیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے وہ بولا
میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار
نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہو جاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دے دیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا
تھا۔ (مسلم)

(۴۰۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ
ثَقِيفٌ حَلِيفًا لِبَنِي عُقَيْلٍ فَاسْرَتْ ثَقِيفٌ رَجُلَيْنِ
مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَاسْرَ اَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوهُ فَطَرَحُوهُ فِي
الْحَرَّةِ فَمَرَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا
مُحَمَّدُ فِيمَا اخَذْتُ قَالَ بِجَرِيرَةٍ حُلَفَاءِ كُمْ
ثَقِيفٍ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ
فَرَحِمَهُ رَسُولُ اللَّهِ فَرَجَعَ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ
اَنْتَ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ
اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلُّ الْفَلَّاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذِينَ
اسْرَتَهُمَا ثَقِيفٌ. (رواہ مسلم)

(۴۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ
(۴۰۹) ابو ہریرہ سے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق

..... ہے۔ دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا انکار و انحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد
عصیت اور غیرت قومی کی بنا پر ہوتا اس لیے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کرتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو طبعی
کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اگر اہل کانہیں۔ بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور
کراہت میں فرق نہیں کرتے۔

أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ لِلنَّاسِ
يَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ حَتَّى
يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ (بخاری)

میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال
ڈال کر انہیں قید کر کے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت
سماجاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

جواز استسرار الایمان للخائف

(۴۱۰) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْصُوا لِي كَمْ
يَلْفِظُ الْإِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ
اتَّخَفْنَا عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ مِائَةِ إِلَى
السَّبْعِ مِائَةِ قَالَ إِنَّكُمْ لَا تَذَرُونَّ لِعَلَّكُمْ أَنْ
تُبْتَلُوا قَالَ فَابْتُلِينَا حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا
يُصَلِّي إِلَّا سِرًّا (رواه مسلم و البخاری)

خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے
(۴۱۰) حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گولوگوں کی
تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کو
ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ اور سات سو کے
درمیان ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید (آئندہ) تم کسی آزمائش
میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ
ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی۔ (مسلم۔ بخاری)

(۴۱۰) * نووی کہتے ہیں کہ لفظ السِّتِّ مِائَةِ نَحْوِی قَاعِدَہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ستمائۃ
الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے
یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد کے
نزدیک جو اختلافات ذیل کے قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا مفت کی درد
سری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلامی احکام چھپ کر ادا کر لیے جائیں۔ مگر
یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دی جاسکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی
زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جاسکتی جیسا کہ ان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جاسکتا جن کے سامنے
عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آ جاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کر لیتے ہیں ایک
عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہیے اس لیے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دے دی ہے حتیٰ
کہ بصورتِ اکراہ دبی زبان سے کلمہ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دے دی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی
یہی ہے کہ اپنی جان قربان کر دے اور کلمہ کفر زبان سے ادا نہ کرے۔

دی کس خوشی سے جان تہ تیغ داغ نے لب پہ تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے
نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ
کر ادا کر سکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے۔

(۴۱۱) عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيهَا الْمُقَدَّادُ بْنُ الْأَسْوَدِ فَلَمَّا اتَّوَالِقَوْمَ وَجَدُوهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوا وَبَقِيَ رَجُلٌ لَهُ مَالٌ كَثِيرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَهْوَى إِلَيْهِ الْمُقَدَّادُ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَقْتَلْتَ رَجُلًا شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ لَا ذُكْرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ رَجُلًا شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَقَتَلَهُ الْمُقَدَّادُ فَقَالَ أَدْعُوا إِلَى الْمُقَدَّادِ يَا مُقَدَّادُ أَقْتَلْتَ رَجُلًا يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ غَدًا فَإَنْزَلَ اللَّهُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُقَدَّادِ كَانَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يُخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَظَهَرَ إِيمَانُهُ فَقَتَلْتَهُ وَكَذَلِكَ كُنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ.

(رواه البزار و روى اخره البخارى تعليقا)

(۴۱۱) سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انہیں دیکھ کر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ مقداد اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دے دی تھی اس کے باوجود مقداد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دو گے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو! جب کہیں سفر کے لیے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غلیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لیے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد سے کہا یہ ایک مؤمن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

يُصَحِّحُ الْإِسْلَامَ بِأَخْصِ أَعْيَالِ الْإِسْلَامِ

وَأَنْ لَّمْ يَتَلَفِظْ بِشَيْءٍ

(۴۱۲) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَعَثَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً إِلَى

خَثْعَمَ فَأَعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ

فِيهِمُ الْقَتْلُ فَلَبَّغَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنُصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا

بَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ بَيْنَ أَظْهُرِ

الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَمْ قَالَ لَا

تَتْرَأَى نَارًا هُمَا. (زواہ ابو داؤد)

اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو

اس کا اسلام معتبر ہو جائے گا خواہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے

(۴۱۲) جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں

نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے اس کی پرواہ نہ کی)

اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ

نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے

بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا

رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہیے کہ ایک کو

دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

(۴۱۲) * اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہاء

کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ عصمت مؤثمتہ اور عصمت مقومہ۔ جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمتہ کہتے ہیں اور

جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دارالاسلام کی

سکونت ہے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دارالحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمتہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں۔ پس اگر

کوئی مسلمان دارالحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہوگا مگر اس پر دیت لازم نہ آئے گی لیکن با ایں ہمہ چونکہ یہاں

معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی

رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا اور آئندہ کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہو

گی جب کہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دارالاسلام کی اختیار کر لی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارالحرب کی سکونت

مسلمان کے لیے موزوں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ کسی خطہ پر

دارالاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بد نصیبی سے صفحہ ہستی پر دارالاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی

مسلل غفلت کی وجہ سے دارالحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دارالاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا

سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس

میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ باقی

رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی۔ منتشر افراد و

اشخاص یا مختصر جماعتیں تو ”مُسْتَظْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ“ (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی

جماعتوں کے لیے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لیے ان کا ایک یہی نصب العین ہو جانا چاہیے کہ وہ ایک مقہور زندگی سے نکل کر ایسی جگہ...

(۴۱۳) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا چراتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی: اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں! الخ.... (احمد-ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کیا

(۴۱۴) جابر بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد

(۴۱۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ جُلٌّ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ بِغُرٍّ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْعَى غَنَمَالَهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا لَا يُسَلِّمُ عَلَيْنَا إِلَّا لِيَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعِمِدُوا وَإِلَيْهِ فَقَتَلُوهُ وَاتُّوا بِغَنَمِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا. (رواه احمد و الترمذی فی التفسیر و قال حسن صحیح)

لم يكره النبي صلى الله عليه وسلم احداً على الاسلام

(۴۱۴) عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

تہ زندگی کے لیے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے، یہ مقصد اگر دفعہ حاصل نہ ہو سکے تو باقسط سہی لیکن اس سے قبل کسی ناتمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا ناقابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم یہاں دیا گیا ہے وہ صرف اسی لیے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو۔ یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو، جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں لا تسوا ای، الخ کا فقرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا جہاں مسلمان مقبوری کی زندگی بسر کر رہے تھے پس معاشرتی اور معاشی بعد کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھس کر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لیے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہیے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہیے۔

(۴۱۳) * نماز اور باہم ملاقات کے وقت السلام علیکم اسلام کا شعار ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعائر کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتداء عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لیے اس کو نا کافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر و اکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ تم مسلمان ہونے پر کسی کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام کے معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا اس سے بڑھ کر آزادی رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟

(۴۱۴) * امام بخاری نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث نقل کیا ہے۔ قسطنطینی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر مسلمان ہو گیا تھا اللہ....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ فَأَذَرَ كَتَهُمُ الْقَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرٍ أَلْعَضَاهُ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ شَجَرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَنَمِنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُونَا وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ إِنَّ هَذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي وَأَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهِ صَلَاتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقُلْتُ اللَّهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ. (متفق عليه) وفي رواية أبي بكر الاسمعيلى فى صحيحه فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي قَالَ اللَّهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اخٍ فَقَالَ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْتَى رَسُولُ اللَّهِ

کی طرف غزوہ کرنے کے لیے گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہوگی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بلارہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود ہے آپ نے فرمایا میں سوراہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے کہا ”اللہ“۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (متفق علیہ) ابوبکر اسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سن کر بیت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپ نے اٹھالیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپ ہی بن جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول

..... اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کون سا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جب کہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو وہ تنہا ہو اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو۔ لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اس کے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے ادھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کسی پر اور کون سا آ سکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کے لیے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لیے کبھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر یہ ایک زبردست افترا ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

ہوں۔ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپ سے جنگ کروں گا اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے۔ (کتاب الحمیدی، الریاض)

(۴۱۵) ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے آپ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دخل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جا کر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جواب ہے تو پھر لوٹ آنا۔ وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپ کی خدمت میں واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔ (ابوداؤد)

(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ لَا وَلَكِنِّي أَعَاهِدُكَ عَلَى أَنْ لَا أُقَاتِلَكَ وَلَا أَكُونَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُونَكَ فَخَلَى سَبِيلَهُ فَاتَى أَصْحَابَهُ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ.

(هكذا في كتاب الحمیدی وفي الریاض مشکوٰۃ)

(۴۱۵) عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِي قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ أُلْقِيَ فِي قَلْبِي الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَاللَّهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا قَالَ إِنِّي لَا أَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرْدَ وَلَكِنْ أَرْجِعُ فَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْلَمْتُ. (رواه ابوداؤد)

(۴۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى

(۴۱۵) * دیکھئے یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لیے مضطرب ہے مگر آپؐ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اس کو واپس فرما دیتے ہیں اور دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادی رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بداعتنا ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرائن کی وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپؐ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپؐ کے سینہ میں موجزن تھا ناگواری کے انداز میں اکراہ سے تعبیر فرمایا ہے أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ. (یونس: ۹۹) تو کیا آپؐ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپؐ کا اضطراب و شوق اس حد پر نہ بڑھنا چاہیے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپؐ ان کو زبردستی مسلمان بنالینا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لیے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لَا اكْرَاهُ فِي الدِّينِ فرمایا گیا ہے۔ رہا کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا تو یہ بالکل جداگانہ بات ہے۔

(۴۱۶) * علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تقتل تقتل ذادم (اگر آپؐ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہو گا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن ”ان تنعم تنعم علی شاکر“ سے (اگر آپؐ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گزار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان ملے

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَلًا قَبْلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ
بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ اثَّالٍ
فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ
فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي خَيْرٌ
يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَقْتُلُنِي تَقْتُلُ ذَادِمٍ وَإِنْ تَنْعَمَ
تَنْعَمَ عَلَيَّ شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ
فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ
قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِي مَا
قُلْتَ لَكَ إِنِّي تَنْعَمُ تَنْعَمُ عَلَيَّ شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ
حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا
ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتَ لَكَ فَقَالَ
أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ فَانْطَلِقْ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِّنَ
الْمَسْجِدِ فَاغْتَسِلْ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ مَا كَانَ عَلَى

عالیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک
شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں
ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا
کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمد اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد
رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سردار ہے (اس
کے خون کا بدلہ لیا جائے گا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان
کرو گے جو احسان فراموش نہیں اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو؟
آپ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے
دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا
خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں اگر احسان کرو گے تو ایسے
شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گزار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح
اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف
لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے
جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کر وہ مسجد
کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اَشْهَدُ
أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ اے محمد روئے زمین میں

للہ.... بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کا سماں دیکھا تو انہیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش
کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لیے دوسرے دن انہوں نے آپ کے احسان اور اپنی شکرگزاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا
آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت نبی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کر دیا
تھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لیے میں نے اپنی
آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر و اکراہ یا کسی سے خوف کی بنا پر نہیں تھا۔ جہاں طبیعت کا
یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کارآمد ہو سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیمیا اثر تھی کہ ادھر آپ
نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے ادھر اس کے باطن میں وہ انقلاب برپا ہو گیا کہ جو سیدہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ
آپ کی محبت سے معمور ہو گیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپ کی بات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتیٰ کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ
محبوب بن گیا نہ یہاں کوئی شمشیر کھینچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی فیض صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر و شرک کے بڑے بڑے پتھروں
کو اپنے ریلے میں بہائے لیے جا رہا تھا۔

الْأَرْضِ وَجَهَ أَبْغَضُ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهِكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ وَاللَّهُ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَاصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ وَاللَّهُ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ وَإِنْ خَيْلَكَ أَخَذْتَنِي وَآنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرَى فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَغْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ صَبَوْتُ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللَّهِ لَا تَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةٌ حِنْطَةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(۴۱۷) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هَذَا عَدِيٌّ وَكُنْتُ جُسْتُ بِغَيْرِ أَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ إِلَيْهِ أَخَذَ بِيَدِي وَقَدْ كَانَ بَلَّغَنِي أَنَّهُ كَانَ قَالَ إِنِّي لَا رَجُو أَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ يَدَهُ فِي يَدِي قَالَ فَقَامَ لِي قَالَ فَلَقِيْتُهُ امْرَأَةً مَعَهَا صَبِيٌّ فَقَالَا إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً فَقَامَ مَعَهَا حَتَّى قَضَى حَاجَتَهُمَا ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي حَتَّى أَتَى دَارَهُ فَالْقَتُ لَهُ الْوَلِيدَةُ وَسَادَةٌ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَآثَنِي عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِي يَا عَدِيٌّ مَا يَغْرُكَ مِنَ الْإِسْلَامِ أَنْ تَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ إِلَهٍ سِوَى اللَّهِ

آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دنیوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارا دین آپ ہی کا دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپ ہی کا شہر ہو گیا ہے۔ (عرض یہ ہے) کہ آپ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا میں اس وقت عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا فرمائیے مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کر لیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا ارے کیا اپنے دین سے پھر گیا انہوں نے جواب دیا دین سے پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آسکے گا۔

(۴۱۷) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگوں نے (مجھ کو دیکھ کر) کہا یہ عدی بن حاتم (آگیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آ پہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ اسی مشہور سخن ”حاتم طائی“ کے لڑکے تھے) آنحضرت ان کے (اکرام) کے لیے کھڑے ہو گئے اس اثناء میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لیے ہوئے آگئی اور عرض کیا ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپ ان کی بات سننے کیلئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہوا خیر لا الہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر

o

آپؐ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپؐ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دین حنیف کا تابع دار بننا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا۔ میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے ہاں مہمان ٹھہرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح و شام میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

(۴۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابو ذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں۔ ہم نے عرض کیا ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابو ذرؓ کو آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر آپؐ کی گفتگو سنی اور ابو ذرؓ کے پاس واپس آ کر بیان کیا میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو از قسم شعر نہیں۔ انہوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپؐ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ آپؐ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انہیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انہوں

قُلْتُ لَا تُنْمِ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا تَفِرُّ أَنْ تَقُولَ اللَّهُ أَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرُ مِنَ اللَّهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنَّ الْيَهُودَ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارَى ضَلَالٌ قُلْتُ فَإِنِّي حَنِيفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبَسُّطُ فَرَحًا ثُمَّ أَمَرَنِي فَأَنْزَلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَجَعَلْتُ أَغْشَاهُ أَيْةً طَرَفِي النَّهَارِ.

(رواہ الترمذی)

(۴۱۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِإِسْلَامِ أَبِي ذَرٍّ قُلْنَا بَلَى قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِنْ غِفَارٍ فَلَبَغْنَا أَنَّ رَجُلًا خَرَجَ بِمَكَّةَ فَرَعَمَ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِأَخِي انْطَلِقْ إِلَى هَذَا الرَّجُلِ وَكَلِّمُهُ وَآتِنِي بِخَبَرِهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَمَّا بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَخِيهِ ارْكَبْ إِلَى هَذَا الْوَادِي فَاعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَاسْمِعْ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ أَتِنِي فَاَنْطَلِقْ الْآخِ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ وَ سَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى أَبِي ذَرٍّ فَقَالَ لَهُ رَأَيْتَهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَ كَلَامًا مَا هُوَ بِالشَّعْرِ فَقَالَ مَا شَفِيتُنِي مِمَّا أَرَدْتُ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهُ فِيهَا مَاءٌ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ فَاتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ لَا يَعْرِفُهُ وَ كَرِهَ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُ حَتَّى أَذْرَكَهُ بَعْضُ اللَّيْلِ فَاضْطَجَعَ فَرَأَاهُ عَلَى فَعَرَفَ أَنَّهُ غَرِيبٌ فَلَمَّا رَأَاهُ تَبِعَهُ فَلَمْ يَسْأَلْ

وَاحِدٌ مِنْهُمَا صَاحِبُهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أَصْبَحَ
ثُمَّ احْتَمَلَ زَادَهُ وَ قُرْبَتَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَظَلَّ
ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَا يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ حَتَّى أَسَى فَعَادَ إِلَى مَضْجَعِهِ فَمَرَّ بِهِ
عَلِيٌّ فَقَالَ أَمَانًا الرَّجُلُ أَنْ يَعْلَمَ مَنْزِلَهُ
فَأَقَامَهُ فَذَهَبَ بِهِ مَعَهُ وَلَا يَسْأَلُ وَاحِدٌ
مِنْهُمَا صَاحِبُهُ عَنْ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا كَانَ الْيَوْمُ
الثَّالِثُ فَعَلَّ مِثْلَ ذَلِكَ فَأَقَامَهُ عَلِيٌّ مَعَهُ
فَقَالَ لَهُ إِلَّا تُحَدِّثُنِي مَا الَّذِي أَقْدَمَكَ هَذَا
الْبَلَدَ قَالَ إِنْ أُعْطِيتُنِي عَهْدًا وَمِثًا قَالَتُرُّ
شِدْنِي فَعَلْتُ فَفَعَلَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ إِنَّهُ حَقٌّ وَ
هُوَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَإِذَا
أَصْبَحْتُ فَاتَّبَعْنِي فَإِنِّي إِنْ رَأَيْتُ شَيْئًا أَخَافُهُ
عَلَيْكَ قُمْتُ كَأَنِّي أُرِيقُ الْمَاءَ فَإِنْ مَضَيْتُ
فَاتَّبَعْنِي حَتَّى تَدْخُلَ مَدْخَلِي فَفَعَلَ فَانْطَلَقَ
يَقْفُوهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَدَخَلَ مَعَهُ فَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهِ وَاسْلَمَ
مَكَانَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ارْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ فَأَخْبِرْهُمْ حَتَّى يَأْتِيَكَ
أَمْرِي وَفِي رَوَايَةِ أُكْتُمُ هَذَا وَارْجِعْ إِلَى
بَلَدِكَ فَإِذَا بَلَغَكَ ظُهُورُنَا فَأَقْبِلْ فَقَالَ وَ
الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا صُرْخَنَ بَيْنَ ظَهْرَا
نِيهِمْ فَخَرَجَ حَتَّى أَتَى الْمَسْجِدَ فَتَادَى
بِأَعْلَى صَوْتِهِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَ ثَارَ الْقَوْمُ فَضْرَبُوهُ
حَتَّى أَضْجَعُوهُ وَ أَتَى الْعَبَّاسُ فَكَبَّ عَلَيْهِ وَ

نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے
سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہو گئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آ گئے
یہ دن بھی گزر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نظر نہ آئے یہاں تک
کہ شام کا وقت آ گیا پھر یہ اپنی آرام گاہ پر آ گئے (آج) پھر حضرت علیؓ
گزرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر
انہیں اپنے ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا
یہاں تک کہ تیسرا دن ہو گیا تو پھر ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے
گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انہوں نے کہا اگر
آپ مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتا دیں گے تو میں
ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد اس کے
بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ یہ شخص سچے
اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے
آنا، جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی خطرہ نظر آئے گا وہیں میں
ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لیے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا
آؤں تو تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل
ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو
لیے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ پہنچے یہ
بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ آپ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو
گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا بالفعل تو تم اپنی قوم کے
پاس واپس چلے جاؤ اور انہیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہاں
تک کہ تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس
طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے
غلبہ کی خبر ملے اس وقت آ جانا انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دست
قدرت میں میری جان ہے میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں
گا یہ کہہ کر باہر نکلے اور مسجد میں آ کر بآواز بلند کہا اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد
رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔

قَالَ وَ يَلِكُمْ السُّتْمُ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مِنْ غِفَارٍ وَ
أَنَّ طَرِيقَ تَجَارِكُمْ إِلَى الشَّامِ عَلَيْهِمْ فَأَنْقَذَهُ
مِنْهُمْ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْعَدِ لِمِثْلِهَا وَ ثَارُوا إِلَيْهِ
فَضَرَبُوهُ فَأَكَبَّ عَلَيْهِ الْعَبَّاسُ فَأَنْقَذَهُ.

(رواه البخاری)

(۴۱۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ
سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِي أَرْضٍ يَخْتَرِفُ فَاتَى النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي سَأَلْتُكَ
عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ فَمَا أَوَّلُ
أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَ مَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَ
مَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ إِلَى أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ قَالَ أَخْبَرْتَنِي
جِبْرِئِيلُ إِنَّمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ
تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ وَ
أَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرِيَاذَةُ
كَبِدِ حَوْتٍ وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ
نَزَعَ الْوَلَدَ وَ إِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ قَالَ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهَتُوا وَ إِنَّهُمْ إِنْ
يَعْلَمُوا بِإِسْلَامِي مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسْأَلَهُمْ
نَهَتُونَنِي فَجَاءَتِ الْيَهُودُ فَقَالَ أَيُّ رَجُلٍ
عَبَدَ اللَّهَ فِيكُمْ قَالُوا خَيْرُنَا وَ ابْنُ خَيْرِنَا وَ
سَيِّدُنَا وَ ابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ أَنْ أَسْلَمَ
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوا أَعَادَهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ
فَخَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَقَالُوا أَشْرُنَا وَ ابْنُ

حضرت عباسؓ آگئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کم بختو! تم کو خبر نہیں کہ
یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی
کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن پھر انہوں نے یہی
حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن
عباسؓ ان کے اوپر لٹے لیٹ گئے اور ان کو پھر بچا لیا۔ (بخاری شریف)

(۴۱۹) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن سلام نے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل
توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ
سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ
بتائیے کہ علامات قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا
سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے
مشابہ کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے ان کے جوابات
مجھے ابھی بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ
ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لے جائے گی رہی
جنتیوں کی پہلی خیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا
مشابہ ہونا تو اگر مرد کی منی غالب ہو تو اُس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی
غالب ہو تو اس کے۔ یہ جوابات سن کر انہوں نے آپ کے رسول ہونے کی
تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّكَ
رَسُولُ اللَّهِ۔ (اس کے بعد فرمایا) یا رسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے
والی قوم ہے۔ اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل
میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کر دیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی
بہتان بنادیں گے (اس لیے پہلے آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمائیں)
اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبد اللہ بن سلام
کیسے آدمی ہیں؟ انہوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار۔
آپ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کر لیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات
سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا

شَرَرْنَا فَانْتَقَصُوهُ قَالَ هَذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ. (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

(رواه البخاری)

(۲۲۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا أَعْرِفُ أَنَّكَ
نَبِيٌّ قَالَ إِنْ دَعَوْتُ هَذَا الْعِدْقَ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ
يَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَةِ حَتَّى سَقَطَ إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ
فَعَادَ فَاسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ. (رواه الترمذی و صححه)

(۲۲۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَقْبَلَ أَعْرَابِيٌّ فَلَمَّا
أَتَى قَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالَ وَمَنْ يَشْهَدُ
عَلَى مَا تَقُولُ قَالَ هَذِهِ السَّلْمَةُ فَدَعَا هَا رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِشَاطِئِنِ
الْوَادِي فَأَقْبَلَتْ تَحْدُ الْأَرْضَ حَتَّى قَامَتْ بَيْنَ
يَدَيْهِ فَاسْتَشْهَدَهَا ثَلَاثًا فَشَهِدَتْ ثَلَاثًا أَنَّهُ كَمَا
قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَى مَنَبَتِهَا. (رواه الدارمی)

(۲۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ أَدْعُو أُمَّيَ
إِلَى الْإِسْلَامِ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا

(پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی
اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبد اللہ بن سلام نے عرض

کیا یا رسول اللہ مجھے ان کی اسی افتراء پر دازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

(۲۲۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک دہقانی شخص
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں آپ
نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آ کر یہ گواہی دے
دے کہ میں خدا کا رسول ہوں (تو مانے گا) آپ نے اس کو آواز دی فوراً
وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ کے سامنے آ پڑا۔ اس کے بعد آپ
نے فرمایا واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دہقانی مسلمان ہو
گیا۔ (ترمذی)

(۲۲۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دہقانی سامنے سے آتا نظر آیا جب
وہ مجلس میں آ پہنچا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس کی گواہی دے گا
کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور
رسول ہیں وہ بولا آپ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپ نے
فرمایا جی ہاں یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپ
نے اس کو پکارا وہ زمین پھاڑتا ہوا آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، آپ
نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا
آپ نے فرمایا بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس
ہو گیا۔ (دارمی)

(۲۲۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت
اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے

(۲۲۰) * بے علم طبیعتیں ہمیشہ عجوبہ نمایوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیارِ کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لیے
نباضِ فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذبِ اسلام نظارہ پیش کر دیا تھا وہ مسلمان ہو کر جنت میں جا پہنچا اب
آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہیں کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہو کر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانا عقلاً ممکن بھی
ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری۔ میں روتا ہوا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اب تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمادے آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمادے میں آپؐ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لیے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابو ہریرہ وہیں باہر رہنا۔ ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھہرا رہا؛ انہوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ۔ (یا تو میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپؐ کی خدمت میں واپس پہنچا۔ آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے۔ (مسلم)

(۴۲۳) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضامد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ از دشنوءہ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمدؐ آ سیب زدہ ہو گئے ہیں۔ یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دے دیتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ آپؐ سے ملا اور کہا اے محمدؐ میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپؐ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کرنے والا نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمدؐ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپؐ کچھ اور

فَاسْمَعْنِي فِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَهُ فَاتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا أَبْكِي قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يَهْدِيَ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ اللَّهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ إِلَى الْبَابِ فَإِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعْتُ أُمِّي خَشَفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَ سَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلْتُ فَلَبِسْتُ دِرْعَهَا وَ عَجَلْتُ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ فَارْجَعْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا أَبْكِي مِنَ الْفَرْحِ فَحَمِدَ اللَّهُ وَ قَالَ خَيْرًا۔ (رواہ مسلم)

(۴۲۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَ كَانَ مِنْ أَزْدِ شَنْوَةَ وَ كَانَ يَرْقِي مِنْ هَذَا الرِّيحِ فَسَمِعَ سُفْهَاءَ أَهْلِ مَكَّةَ يَقُولُونَ إِنَّ مُحَمَّدًا مَجْنُونٌ فَقَالَ لَوْ أَنِّي رَأَيْتُ هَذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللَّهَ يَشْفِيهِ عَلَى يَدَيَّ قَالَ فَلَقِيَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ ارْقِي مِنْ هَذَا الرِّيحِ فَهَلْ لَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ مَنْ يَهْدِي اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ حْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ أَمَّا بَعْدُ فَقَالَ

فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضحاد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنائیے آپ نے پھر سنا دیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا، جادوگروں کے منتر سنے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا۔ خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم)

(۴۲۴) حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے۔ انہوں نے کہا ہم آپ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا بنالیا ہے اور سوم یہ کہ تم شراب پیتے ہو۔ انہوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہو گئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الہی اور تحقیقی بیان ہے (آپ کہہ دیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے۔ (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپ نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کے لیے بلایا۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور آپ کے گھر کے لوگ آ گئے۔ جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آ گئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بھئی جزیہ دینا قبول کر لو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہے گا) یہ مشورہ کر کے انہوں نے کہا ہم آپ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (مسند احمد)

ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد

کرنی چاہیے

(۴۲۵) عمر بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

أَعَدُّ عَلَى كَلِمَاتِكَ هَوْلًا فَأَعَادَهُنَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكُهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعْرَاءِ فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هَوْلًا وَلَقَدْ بَلَغَن قَامُوسَ الْبَحْرِهِاتِ يَدَكَ أَبَا يَعْكَ عَلَى الْإِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهُ. (رواه مسلم)

(۴۲۴) عَنِ الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ رَاهِبًا نَجْرَانٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا أَسْلِمَا تَسْلِمَا فَقَالَا قَدْ أَسْلَمْنَا قَبْلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبْتُمَا يَمْنَعُكُمَا مِنَ الْإِسْلَامِ ثَلَاثُ سَجُودٍ كَمَا لِلصَّلِيبِ وَقَوْلُكُمَا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا وَ شَرَبُكُمَا الْخَمْرَ فَقَالَا مَا تَقُولُ فِي عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَزَلَ الْقُرْآنُ ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيمِ إِلَى قَوْلِهِ أَبْنَاءَنَا وَ أَبْنَاءَكُمْ فَدَعَا هُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُلَاعَنَةِ قَالَ وَ جَاءَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَ فَاطِمَةُ وَ أَهْلُهُ وَ وَلَدُهُ فَلَمَّا خَرَجَا مِنْ عِنْدِهِ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَقْرَبَ بِالْجِزْيَةِ وَ لَا تُلَا عَنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نَقْرَبُ بِالْجِزْيَةِ وَ لَا نُلَا عَنْكَ قَالَ فَأَقْرَبَا بِالْجِزْيَةِ. (رواه احمد)

تالیف قلب من یخاف علی ایمانہ و النصرۃ لہ

(۴۲۵) عَنْ عُمَرَ وَ بَنِ تَغْلِبَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

(۴۲۵) * صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں للہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى بِمَالٍ اَوْ بِشَىْءٍ
فَقَسَمَهُ فَاَعْطَى رَجُلًا وَ تَرَكَ رَجُلًا فَلَبَّغَهُ
اِنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَهُمْ عَتَبُوا فَحَمَدَ اللّٰهُ ثُمَّ اَتَى
عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّىْ اُعْطِى
الرَّجُلَ وَ اَدْعُ الرَّجُلَ وَ الَّذِىْ اَدْعُ اَحَبُّ
اِلَىَّ مِنَ الَّذِىْ اُعْطِى وَ لَكِنْ اُعْطِىْ اَقْوَامًا
لِّمَا اَرَىْ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَ الْهَلَعِ وَ
اَكْلُ اَقْوَامًا اِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ
الْغِنَى وَ الْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُ وَ بَنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ
مَا اَحَبُّ اَنْ لِّىْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ. (رواه البخارى)

(۴۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ
النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنْ
الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِنَّ قُرَيْشًا حَدِثُ عَهْدٍ
بِجَاهِلِيَّةٍ وَ مُصِيبَةٍ وَ اِنِّىْ اَرَدْتُ اَنْ اُجِيزَهُمْ
وَ اَتَاَلْفَهُمْ اَمَّا تَرْضَوْنَ اَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ
بِالدُّنْيَا وَ تَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى بُيُوْتِكُمْ
قَالُوا بَلَى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَ اَدِيَّا وَ
سَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شُعْبًا لَسَلَكَتْ وَ اَدَى
الْاَنْصَارِ اَوْ شُعْبَ الْاَنْصَارِ. (رواه البخارى)

(۴۲۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِىَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ

(کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا، بہت سے لوگوں
کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے
کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد
ارشاد فرمایا خدا کی قسم بے شک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور
واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا
ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف اس لیے دیتا ہوں کہ ان کے
دلوں میں مال کے لیے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس
بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے
خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔
خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا
نہیں کہ میرے پاس بہت سے سرخ اونٹ ہوتے۔ (بخاری شریف)

(۴۲۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقرو
فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا
ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا
تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لے جائیں اور تم
خدا کے رسول کو لے جاؤ۔ انصار بولے بے شک ہم اس پر راضی ہیں اس
کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے
راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔

(بخاری شریف)

(۴۲۷) حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فوراً اس کو اتنی بکریاں بخش دیں جو ایک

لئے جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انہیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک
گیا ہے۔ اسی لیے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی داد و دہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت
درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انہیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کر لو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لے کر آتا اور شام نہ ہونے پاتی کہ آپ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہو جاتا تھا یا زیادہ معزز ہو جاتا تھا۔ (راوی کو شک ہے) (مسلم)

فَاتَى قَوْمَهُ فَقَالَ أَسْلِمُوا فَوَاللَّهِ إِنَّ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَيُعْطَى عَطَاءَ رَجُلٍ لَا يَخَافُ الْفَاقَةَ وَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُرِيدُ إِلَّا الدُّنْيَا فَمَا يُمَسِّسُ حَتَّى يَكُونَ دِينُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ أَوْ أَعَزَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا. (رواه مسلم)

(۴۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَ أَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَاللَّهِ إِنِّي لَا رَأَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذَلِكَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَ أَجَابَهُ بِمِثْلِ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَا أُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةً أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ.

(۴۲۸) سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا، میں کھڑا ہو گیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو پکا مؤمن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مؤمن کہتے ہو یا صرف مسلمان سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لیے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈال دیا جائے۔ (متفق علیہ)

(متفق علیہ و فی طریق عند مسلم فسار رتہ فقلت یا رسول اللہ الخ)

(۴۲۸) * ابتداء اسلام میں نو مسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیف قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بدرتج اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت و محبت کی آزمائش کے لیے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر و اکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیف قلب اور دل جوئی سے کام لیا ہے حتیٰ کہ اگر کسی نو مسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرمادی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا، علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گوہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا۔

بہار عالم حسنش جہاں راتازہ می دارد برنگ انتخاب صورت را بوار باب معنی را

بے چارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لیے آپ نے ان کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا لفظ

وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر
نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا ان
میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہ
ان میں کا سب سے گھٹیا درجہ کا عمل ہے

(۴۲۹) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ
نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد
نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الہی کا
اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم
کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

الاعمال المرضیة التي لا بدان
تنشعب من الاسلام انشعاب
الاغصان من الشجرة منها اماطة
الاذى عن الطريق وهى ادناها

(۴۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ
بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَادْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَ
الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ. (متفق علیہ)

اللہ.... معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدارِ علم کے مطابق بات کہنی
چاہیے۔ ایمانِ قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لیے ان کے لیے یہاں مومن کے بجائے مسلم
کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحبِ وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے
تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

(۴۲۹) * حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہ کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ
اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو۔ جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو
اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی رہے جس کے کٹنے سے اصل درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی
ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام
سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ
گزرنے لگتا ہے۔

استادِ قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت و ترکیب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال
کے تفاوتِ مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیاۃ و موت
کا معیار ہے یعنی دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عملِ صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تروتازہ ایقان و
اذعان کا نام ہے جس میں اعمالِ صالحہ کی بے شمار شاخیں سدا پھوٹی رہیں اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع
اعمال کی بہار آئے کہ رہ گزر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غم خواری کا ایک ایسا
پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چمک یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان
میں عملِ صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس و محبت کی اس میں کوئی لہجہ....

سلامۃ المسلمین من اللسان و الید

(۴۳۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ

الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ وَ الْمُهَاجِرُ مَنْ

هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ. (رواه البخاری و مسلم

و غیرہما و زاد الترمذی و النسائی) وَ الْمُؤْمِنُ

مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ.

کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ دینا

(۴۳۰) عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے تمام

مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن

سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم و غیرہما) ترمذی و نسائی نے

اس حدیث میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنی

جان و مال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

لہٰذا لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں۔ مردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جاسکتے ہیں جب کہ اعمال صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جاسکتا ہے جب کہ جو ارح انسانی نیکی کے لیے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعبہ ہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے ﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَضَلُّهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ (ابراہیم : ۲۴، ۲۵) آیت مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سد بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے۔ اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمال صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمال صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کون سی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہ ہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لیے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی، ابو حاتم، ابو عبد اللہ حلیمی، شیخ عبد الجلیل اور اسحاق بن القربطی جیسے اجلہ محدثین بھی شامل ہیں۔ امام ابو حفص عمر القزوی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے اس کتاب کی تالیف کے وقت شعب الایمان ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لیے اس کی احادیث ہم نے صاحب مشکوٰۃ سے نقل کی ہیں اور جن کو اسلامی شعبوں میں زیادہ اہم سمجھا ہے ان میں سے بقدر وسعت چند کو اس جگہ درج کر دیا ہے۔

(۴۳۰) * عرب کی قوم جو قرونوں سے قتل و غارت اور جنگ و بد امنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتادینا چاہتا تھا کہ صرف ارکان اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مؤمن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہو گا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام اللہ

(۴۳۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَذَى مُسْلِمًا فَقَدْ أَذَى اللَّهَ.

(۴۳۱) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

اخرجه الطبرانی فی الاوسط. رمز السيوطی لحسنه و فيه موسى ابن خلف البصرى العمى ضعفه بعضهم و وثقه بعضهم.

(۴۳۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرِبَهُ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث غریب)

(۴۳۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

اللہ... موت نہیں رہی بلکہ سرتاسر مرثوہ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہو گئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مؤمن کا خطاب دے دیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکہ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جاسکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مؤمن نہیں کہا جاسکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترک ایذا ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذا کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذا کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر، در چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور مکمل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترک وطن اور مال و اولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں کبھی تہاؤں کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو 'مہاجر' جیسا معزز لقب دے دیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا بزنگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہوگی جس کے لیے کوئی نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادیہائے پر خار کے طے کیے بغیر اس کا مکمل ہونا ناممکن ہے اور مکمل ہوشیار ہو جائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

ہر نقابے روئے جاناں رانقابے دیگر است ہر جابے راکہ طے کردی جابے دیگر است

(۴۳۲) * یعنی ایک مسلمان کی ایذا رسانی صرف مخلوق کی ایذا رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس کی ایذا و محبت خدائے تعالیٰ کے ایذا و محبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا متبع ہو جاتا ہے تو پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہو جاتی ہے۔

(۴۳۳) عَنْ أَبِي بَرزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَنْتَفَعُ بِهِ قَالَ اغْزِلِ الْأَذَى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ. (رواه ابن ماجه)

(۴۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلَّمْنِي شَيْئًا لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ قَالَ أَنْظِرْ مَا يُؤْذِي النَّاسَ فَتَحَّهْ عَنِ الطَّرِيقِ.

(اخرجه ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر)

(۴۳۵) عَنْ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَمْشِي وَرَجُلٌ مَعَهُ فَرَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيقِ فَقُلْتُ مَا هَذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِيقِ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ كَانَ لَهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (اخرجه الطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی رجاله ثقات)

(۴۳۶) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ مُعَاوِيَةُ كُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِي بَعْضِ الطَّرِيقَاتِ فَمَرَّ بِأَذَى فَأَمَاطَهُ فَرَأَيْتُ مِثْلَهُ فَتَحَيْتُهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذَلِكَ قُلْتُ رَأَيْتُكَ صَنَعْتَ

(۴۳۳) ابو برزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

(۴۳۴) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھائیے شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخش دے آپ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

(۴۳۵) ابوشیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انہوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستہ سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹا دے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائے گا۔ (طبرانی)

(۴۳۶) معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گزر ہوا جو گزرنے والوں کے لیے باعث تکلیف تھا انہوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈال دیا انہوں نے مجھ

(۴۳۳) * غالباً یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل سے نفع اٹھانے کی صورت ہو سکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپ نے اس کو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی سہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لیے بھی سہولت کا موجب ہو۔

(۴۳۶) * اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ مغفرت کے لیے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور بحر عصیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَمَاطَ أَدَى عَنْ طَرِيقِ كُتَبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ تَقَبَّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمَفْرُودِ قَالَ الْهَيْثَمِيُّ سَنَدُهُ حَسَنٌ وَرَمَزَ السَّيُوطِيُّ لِحَسَنِهِ)

(۴۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ لَا نَحِينَنَّ هَذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِيهِمْ فَأَدْخَلَ الْجَنَّةَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(۴۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(۴۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَ يُمِيطُ الْأَدَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائے گا۔ (ادب المفرد)

(۴۳۷) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گزر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا دوں تاکہ ان کو تکلیف نہ دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

(۴۳۸) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

(۴۳۹) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیا یہ ایک صدقہ ہو گیا کسی سوار شخص کی کوئی مدد کردی اس کو سوار کر دیا یہ صدقہ ہو گیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہو گیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہو گیا ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھایا وہ صدقہ ہو گیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہو گئی۔ (متفق علیہ)

(۴۳۹) * سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکال دی ہے یعنی اس کی ہر ہر حرکت و سکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہو جانا چاہیے کہ اس کی حرکات و سکنات بہائم کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہو جائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض للہ

- (۴۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ فُلَانَةَ تُذَكِّرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنَّ فُلَانَةَ تُذَكِّرُ قَلِيلَةَ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلَوَتِهَا وَإِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلا تُؤْذِي بِلِسَانِهَا جِيرَانَهَا قَالَ هِيَ فِي الْجَنَّةِ.
- (رواه احمد و البيهقي في شعب الایمان)
- (۴۴۱) وَ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ لَا أَخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكْتُوا فَقَالَ ذَلِكَ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبَرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجَى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجَى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ.
- (رواه الترمذی و البيهقي في شعب الایمان و قال الترمذی هذا حديث حسن صحيح)
- (۴۴۰) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ و خیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑ رہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہؐ اور فلاں عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے نماز اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پیڑ کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دے دیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد-بیہقی)
- (۴۴۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ وہاں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ تم میں میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہو گئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپؐ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپؐ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی-بیہقی)

اللہ.... اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے۔ اس امت میں بزرگی کا معیار غناء و فقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

مباش در پے آزار خلق ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

(۴۴۰) * عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا۔ شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لیے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیے۔ خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

(۴۴۱) * اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جدوجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذا رسانی اور ترک ایذا رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانی کے ساتھ ان کا جو ہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہو جائے تو ان کا جو ہر کھلے۔

(۴۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِي آدَمَ عَلَى سِتِّينَ وَ ثَلَاثِمِائَةٍ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللَّهَ وَ حَمِدَ اللَّهَ وَ هَلَّلَ اللَّهَ وَ سَبَّحَ اللَّهَ وَ اسْتَغْفَرَ اللَّهَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهَى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّينَ وَ الثَّلَاثِمِائَةِ بِهِ فَإِنَّهُ يَمْشِي يَوْمَئِذٍ وَ قَدْ زَحَزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ . (رواه مسلم)

(۴۴۳) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ وَ أَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَ إِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيَّ الْبَصِيرَ لَكَ صَدَقَةٌ وَ إِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَ الشَّوْكَ وَ الْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ إِفْرَاغُكَ مِنْ دَلُوكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ . (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۴۴۴) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَ يَتَصَدَّقَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ . (متفق عليه)

(۴۴۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمد للہ، یا لا الہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہو جاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی یا نیک بات کہہ دی یا بری بات سے روک دیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کر دیئے تو وہ اس دن زمین پر اس حال میں چلتا پھرے گا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہو گا۔ (مسلم شریف)

(۴۴۳) ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے، کوئی نیک بات کہہ دینی بھی صدقہ ہے، تمہارا کسی کو بری بات سے روک دینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لیے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی ایک صدقہ ہے۔

(ترمذی شریف)

(۴۴۴) ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو۔ فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کر دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہہ دے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو (کم از کم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔ (متفق علیہ)

افشاء السلام و اطعام

الطعام

(۴۴۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تَطْعُمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (رواه البخاری و مسلم و غیرہم)

واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

(۴۴۵) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

(۴۴۵) * ایک گزشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتا دیئے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آ کر یہ تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آ گیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لیے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تاکہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لیے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کر لیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار کو چہ در کو چہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آ جاتے تھے جیسا کہ ابھی ان کی مفصل حدیث آپ کے مطالعہ سے گذرے گی۔ افشاء سلام کی اہمیت کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ترجمان السنۃ جلد اول ص ۴۴۹ پر بھی ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرم جوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا۔ آیت ﴿وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الحشر: ۹) میں اسی قسم کے ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبد اللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انہوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ وہ حدیث ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۰۲ پر گذر چکی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر و اکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لیے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوت بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر لیا۔۔۔

- (۴۴۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَاطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا لَارْحَامٍ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی و ابن ماجه و الدارمی)
- (۴۴۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعْبُدُوا الرَّحْمَنَ وَاطْعِمُوا الطَّعَامَ وَافْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)
- (۴۴۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ فَقَالَ اطْعَامُ الطَّعَامِ وَبَذْلُ السَّلَامِ. (رواه الشيخان)
- (۴۴۶) عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرہ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلے بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو باہم خوب سلام کیا کرو۔ محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی وغیرہ)
- (۴۴۷) عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمن کی عبادت کیا کرو اور محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی ابن ماجہ)
- (۴۴۸) ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا۔ (بخاری و مسلم)

اللہ.... دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور ان کا ادا کرنا ہر شخص پر طوعاً اور کرہاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھ دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دے کر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد دراصل یہ آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق و ایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور کسی کے جبر و اکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لیے دو اہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترک سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق و شقاق کے بجائے پھر گلہائے انس و محبت کھل سکتے ہیں۔

(۴۴۷) * یہاں عبادت کے ساتھ رحمن کا اسم مبارک اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ آ جانا رحمت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ وگرنہ۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل نسیم صبا سب تری مہربانی

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ اللہ اہل جنت کو سلام کریں گے اور اہل جنت بھی باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتیٰ کہ رب العزت بنفس قدسی اہل جنت کے لیے ان کو سلام فرمائے گا۔ جو لوگ اس روس کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہل جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں حدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

(۴۴۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں؟ فرمایا کھانا کھانا اور نرم گفتگو کرنا۔ (مسند احمد)

(۴۵۰) ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپؐ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کر لوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانے کھلایا کر اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه الامام احمد و الترمذی عن ابی ہریرۃ و فی روایۃ احمد بصیغۃ الافراد و اخرجہ البخاری فی الادب و الطبرانی فی الکبیر و ابو نعیم فی الحلیہ و ابن حبان فی صحیحہ عن عبد اللہ بن عمرو و لفظہ تذخلوا الجنان.)

(۴۵۱) میناء روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابو ہریرہؓ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر انت فرمائیے آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے

(۴۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ فَقِيلَ مَا بَرُّ الْحَجِّ قَالَ اطْعَامُ الطَّعَامِ وَ طِيبُ الْكَلَامِ. (اخرجه احمد)

(۴۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) إِذَا رَأَيْتَكَ طَابَتْ نَفْسِي وَ قَرَّتْ عَيْنِي فَأَنْبِئْنِي عَنْ كُلِّ شَيْءٍ قَالَ كُلُّ شَيْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ أَنْبِئْنِي بِشَيْءٍ إِذَا فَعَلْتَهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ أَعْبُدُوا الرَّحْمَنَ وَ اطْعَمُوا الطَّعَامَ وَ أَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

(۴۵۱) عَنْ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ أَحْسَبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَنْ حَمِيرَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشَّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۴۵۰) * اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے قدم اٹھاؤ اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے۔ جس نے یہ دو قدم اٹھا لیے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق ادا کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارضا کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرأت کی ہے۔

وَسَلَّمَ رَحِمَ اللَّهُ حَمِيرَ أَفْوَاهِهِمْ سَلَامٌ وَ
أَيَّدِيهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَ إِيْمَانٍ .
(مسند احمد و ترمذی)

ہیں یہی لوگ ہیں جو بڑے امن اور ایمان والے ہیں (مسند احمد و ترمذی)

(۲۵۲) عَنْ هَانِي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ يُوجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ
بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَ بَذْلِ الطَّعَامِ .
(۲۵۲) ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا
عمل ارشاد فرمائیے جو جنت کا یقینی سبب ہو، فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ
میں کھانے کھانا - (مسند احمد وغیرہ)

(اخرجه البخاری فی الادب المفرد و الحاکم عن هانی ابی شریح قال الحاکم صحیح و لا علة له و علته عند هما ان
هانئالیس له راو غیر ابنه لکن له نظائر عندهما و اقره الذهبی و قال الحافظ العراقی فی امالیہ حدیث حسن و اخرج ابن
ابی شیبہ و احمد و الطبرانی و الخرائطی و البیهقی بلفظ ان من موجبات المغفرة بذل السلام و حسن الکلام قال
العراقی اسنادہ جید و قال الہیثمی رجال احمد رجال الصحیح .)

(۲۵۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا
رَسُولَ اللَّهِ مَا لِإِسْلَامٍ قَالَ طِيبُ الْكَلَامِ وَ
إِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ
الصَّبْرُ وَ السَّمَا حَةُ قُلْتُ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ
قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ
قُلْتُ أَيُّ الْإِيْمَانِ أَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ
فَرَمَا يَ اَعْلَى اخلاق -

(مسند احمد)

(۲۵۴) عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي
الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرَى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَ
بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّ اللَّهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ
وَ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ تَابَعَ الصِّيَامَ وَ صَلَّى بِاللَّيْلِ
وَ النَّاسَ نِيَامًا . (رواه البیهقی فی شعب الایمان
و روی الترمذی عن علی نحوه)

(شعب الایمان)

(۲۵۳) * حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ صبر و ساحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ
نے حرام کر دیا ہے اور ساحت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق و شوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا -

(۴۵۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فِي قِصَّتِهِ) قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيمُ الْخَاصَّةِ وَفُشُوُ التَّجَارَةِ حَتَّى تُعِينَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التَّجَارَةِ وَقَطْعُ الْأَرْحَامِ وَفُشُوُ الْقَلَمِ وَظُهُورُ الشَّهَادَةِ بِالزُّورِ وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ.

(رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُسَلَّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلَّمُ إِلَّا بِمَعْرِفَةٍ. (رواه احمد)

(۴۵۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السَّلَامَ إِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَضَعَهُ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ فَافْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (رواه البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۸) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

(۴۵۵) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفاء کرنا۔

(الادب المفرد)

(۴۵۶) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف اپنے تعارف کی بنیاد پر کرے گا۔ (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر)

(مسند احمد)

(۴۵۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

(۴۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۴۵۵) * یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان میں سے شہادت کا حال جس درجہ ابتر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ و ناطہ کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کے لیے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آ رہی ہیں تصنیف کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لیے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لیے وہ انشاء پر دازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اسی کا قلم معتبر ہوتا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام سے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتہ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے۔ الا ما شاء اللہ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۴۵۸) * سلام کے فضائل کچھ آپ سن چکے اور ابھی بہت کچھ آپ کو آداب کی بحث میں سننا باقی ہیں۔ رہ گیا کلمہ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ لے....

روایت کرتی ہیں کہ یہود تم پر جتنا حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔

(ادب المفرد)

(۴۵۹) طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لے جاتے جس خوردہ فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لے جانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی خرید و فروخت کے لیے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آئیے یہاں بیٹھ کر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابویطن (اس کنیت ہے ان کو اس لیے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لیے بازار نہیں جاتے جس کے لیے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لیے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔

(الادب المفرد)

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَ كُمْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مَا حَسَدَ كُمْ عَلَى السَّلَامِ وَ التَّامِينَ.

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۹) أَخْبَرَ الطُّفَيْلُ بْنُ أَبِي بِنِ كَعْبٍ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَيَعْدُوا مَعَهُ إِلَى السُّوقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَلَى سُقَّاطٍ وَلَا صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مُسْكِينٍ وَلَا أَحَدٍ إِلَّا يَسَلِّمُ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَبَعْنِي إِلَى السُّوقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوقِ وَأَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْأَلُ عَنِ السَّلْعِ وَلَا تُسَوِّمُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِي مَجَالِسِ السُّوقِ فَاجْلِسْ بِنَاهُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ يَا أَبَا بَطْنٍ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ إِنَّمَا نَعْدُوا مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ عَلَى مَنْ لَقِينَا.

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

اللہ اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش میں آ جاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لیے یہ فضائل دیکھ دیکھ کر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصائل کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لیے قابل حسد ہیں۔



الحیاء

شرم و حیاء کرنا

حیاء کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب و اکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیاء و شرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزء شمار کر لیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث ”الحیاء لا یأتی الا بخیر“ میں اسی فطری حیاء کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقت بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی عظمت و جلال اس کا بندوں سے قرب اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ (جامع العلوم)

(۴۶۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُوَ يَعْظُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ. (متفق علیہ)

(۴۶۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہیے) آپ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۶۱) عَنْ عُمَرَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ وَفِي رِوَايَةِ الْحَيَاءِ خَيْرٌ كُلُّهُ. (متفق علیہ)

(۴۶۱) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم و حیاء تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۴۶۲) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَاَصْنَعْ مَا شِئْتَ. (رواه البخاری)

(۴۶۲) ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم و غیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ بے حیاء باش ہر چہ خواہی کن۔ (بخاری)

(۴۶۲) * یعنی جب انسان میں نہ حیاء مکتسب ہو نہ فطری حیاء تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے سے کوئی امر مانع نہیں رہتا۔

(۴۶۳) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَيُرْوَى وَالتَّعَطُّرُ وَ الْمِسْوَاكُ وَ النِّكَاحُ. (رواه الترمذی)

(۴۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَ الْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَ الْبَدَأُ مِنَ الْجَفَاءِ وَ الْجَفَاءُ فِي النَّارِ. (رواه احمد و الترمذی)

(۴۶۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ.

(رواه مالك مرسلاً و ابن ماجة و البيهقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس)

(۴۶۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَ الْإِيمَانَ قُرْنًا جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ وَ فِي رَوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِذَا سُلِبَ أَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَرُ.

(رواه البيهقی فی شعب الایمان و الحاكم فی المستدرک ص ۲۳ و قال الذهبي علی شرطها)

(۴۶۴) * انسان جنت یا دوزخ تک یکبارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتداء کچھ ہوتی ہے اور انتہاء کچھ شریعت اس سلسلہ کو بتا کر یہ تنبیہ کر دیتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتهی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لیے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔ حیا و شرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور دراصل بہت اہم ہے۔

(۴۶۶) * حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحياء و الایمان فی قرن فاذا نزع الحياء تبعه الآخر. (جامع ص ۱۴۴) حیا و ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آ جانے سے دوسرے کا آ جانا اب تک کسی حدیث میں ہمارے نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مؤمن کو شرم و حیا کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں ظہر....

(۴۶۳) ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم و حیا (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

(۴۶۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا و شرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی و فحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد ترمذی)

(۴۶۵) زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

(۴۶۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۴۶۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفَحْشُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ. (رواه الترمذی)

(۴۶۷) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیا جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوش نما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

(۴۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيَّتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيَّتًا مُمَقَّتًا نَزَعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةَ فَإِذَا نَزَعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نَزَعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةَ فَإِذَا نَزَعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلْعَنًا نَزَعَتْ مِنْهُ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ. (رواه ابن ماجه)

(۴۶۸) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پہلے اس سے حیا و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکا رہا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ اب اس سے رشتہ اسلام ہی چھین لیا جائے۔ (ابن ماجہ)

اللہ اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لیے یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیا کا وجود ا وعدہ ما فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تا کہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

(۴۶۷) * حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکینیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے جس کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو۔ حیا اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے اس لیے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

(۴۶۸) * سبحان اللہ حیا بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لیے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز و فردا کے تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتیٰ کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آ جاتا ہے کہ اسلام کا عروۃ ثقیلی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیا، امانت، رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیا و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آیا ہے اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہو گیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

- (۴۶۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمُقَدَّادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ. (متفق عليه)
- (۴۷۰) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ. (متفق عليه)
- (۴۷۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا فَقَالَتْ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِي فَقَالَتْ ابْنَتُهُ مَا أَقَلَّ حَيَاءَ هَا فَقَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكَ عَرَضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهَا. (رواه البخاری)
- (۴۶۹) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپؐ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لیے آپؐ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیاء دامن گیر ہوئی اس لیے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کر لو انہوں نے پوچھو تو آپؐ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کر لینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)
- (۴۷۰) ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمائیے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپؐ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)
- (۴۷۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپؐ کے نکاح کے لیے پیش کرنا چاہتی تھی وہ بولیں کیا میرے معاملہ میں آپؐ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ سے تو زیادہ سعادت مند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لیے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

(۴۶۹) * اتنی شرم جو اہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہو جائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بے باکی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کر دے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لیے متوسط حدود مقرر کر دی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۴۷۰) * یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے پھر اتنے زوردار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیاء نہیں وہ ضعف اور بزدلی ہے وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

(۴۷۱) * شرم و حیاء میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۴۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نِعَمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْنَهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ. (رواه البخاری فی ترجمۃ الباب)

(۴۷۲) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں جن کو دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامن گیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

(۴۷۳) حَدَّثَنَا بِهِزُبُنْ حَكِيمٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ إِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مِنْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا تُرِيْنَهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنَ النَّاسِ. (رواه الترمذی و قال حدیث حسن)

(۴۷۳) بہز بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کون سا حصہ کھول سکتے ہیں اور کون سا نہیں کھول سکتے آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا اپنی باندی کے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا) (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو، میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمائیے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے شرم و لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

(۴۷۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّغَرُّي فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَ أَكْرَمُوهُمْ. (رواه الترمذی و قال حدیث غریب لا معرفة الامن هذا الوجه)

(۴۷۴) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے وہ فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت دوسرے اس وقت جب کہ آدمی اپنی بی بی سے ہم بستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

(۴۷۴) * یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مومن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہیے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگ خدائے تعالیٰ کے تصور سے خالی الذہن ہوتے ہیں یہ ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے جلوت میں نہ کرتی ہو یہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود و آداب سے تجاوز نہ کرے دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لیے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقع آتا ہے شریعت و ہیں ہم کو مودب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

(۴۷۵) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مَنْ عَبْدُهُ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا.

(رواه الترمذی و ابوداؤد و البيهقی فی الدعوات الکبیر)

(۴۷۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا

رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَسْتَحْيِي وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ قَالَ لَيْسَ ذَلِكَ وَلَكِنْ مَنْ اسْتَحْيَى مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَ مَا حَوْرَايَ وَ لِيَحْفَظِ الْبُطْنَ وَ مَا وَعَى وَ لِيَذْكُرَ الْمَوْتَ وَ الْبُلَى وَ مَنْ أَرَادَ

الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ.

(رواه احمد فی مسنده و رواه الترمذی مع بعض تغیر و صاحب المشكاة فی باب تمنی الموت)

(۴۷۵) سلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو

شرم کی صفت بہت محبوب ہے وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا

دے تو وہ ان کو خالی واپس کر دے۔ (ترمذی)

(۴۷۶) عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماء جیسا اس سے شرمانا چاہیے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ خدائے تعالیٰ کا شکر کہ ہم اس سے

شرماتے ہیں آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہیے کہ دماغ کو اپنے گوش و چشم کو اپنی زبان و

دہن کو اور اپنے شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کر لے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کر لیے اسے سمجھو

کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

(رواه احمد فی مسنده و رواه الترمذی مع بعض تغیر و صاحب المشكاة فی باب تمنی الموت)

(۴۷۵) * خدائے قادر توانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندہ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے

سامنے بے حیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیاء ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آگئی ہے اس لیے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کے لیے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

(۴۷۶) * ہم نے بار بار آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام میں احسان کا مرتبہ سب سے اہم مقصد ہے اور یہی ہر عبادت کی روح

ہے۔ تمام عبادات اسی کیفیت کے پیدا کرنے کے لیے ہیں اگر عبادت سے یہ تصور پیدا نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اس کی ادائیگی میں ضرور کوئی قصور رہ گیا ہے اس حدیث کا مقصد بھی نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہ نے آپ کے سوال کا جواب حیاء کے عام مفہوم کے مطابق دے دیا تھا

لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمان برداری کے لیے مضطر اور اس کی

معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظروں کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے موت اور مابعد الموت کے مناظر اس طرح ملتے

الغیرۃ

(۴۷۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَغَارُ وَ إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَغَارُونَ وَ غَيْرَةُ اللَّهِ أَنْ لَا يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ. (متفق عليه)

(۴۷۸) عَنْ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصَفِّحٍ فَلَمَّ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اتَّعَجِبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَ اللَّهُ لَا نَا غَيْرُ مِنْهُ وَ اللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَ مِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللَّهِ وَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِينَ وَ الْمُبَشِّرِينَ وَ لَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحَةَ مِنَ اللَّهِ وَ مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَعَدَ اللَّهُ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

غیرت

(۴۷۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندہ مؤمن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مؤمن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۸) مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار مار دوں وہ بھی چپٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی توجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بے حیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو یہی توجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیج دیئے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی توجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

اللہ پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہیے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گواہ کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی راحتوں میں گرفتار رہنا اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور مابعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا ادا نہیں ہوا یہ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمیٰ سے فائز ہو جائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی نامتمام پر اپنے حقوق سے بے باقی کا اعلان کر دیتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۴۷۷) * حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعد کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ و ارفع ہے اس کی ہر شان شان کمال ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص ۸۷)

(۴۷۹) عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ انْجَلَتْ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ آغْيَرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا. (متفق عليه)

(۴۸۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ أَحَدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِصَحْفَةٍ فِيهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَقَ الصَّحْفَةَ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيهَا الطَّعَامَ الَّذِي كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُولُ غَارَتْ أُمُكُمُ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتَّى أَتَى بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيحَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُورَةَ الَّتِي كُسِرَ. (رواه البخاری)

(۴۷۹) حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو نماز پڑھو اور صدقہ دو اس کے بعد فرمایا اے امت محمدؐ خدائے تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمدؐ جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

(۴۸۰) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دے دیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آگئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھہرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لیے دے دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنہوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

• (۴۸۰) * غیرت حیا کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی ہی مطلوب ہے جیسی حیا اور افراط و تفریط اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیا میں اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حدود مقرر فرمادی ہیں۔ ان صفات کے عالم قدس کی طرف امتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھنا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز لہجہ

النصيحة لله و لرسوله و لعامة

المسلمين

خواہی بن جانا

خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر

(۲۸۱) عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا

(۲۸۱) تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین کا خلاصہ ہے، ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ

ﷺ کی جناب میں ثابت ہو سکے ایک نیاز والی مخلوق کے لیے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہیے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قاطع تعریف ہے جہاں دوسرے کے حقوق اس کی زد میں نہ آجائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔ سعد کی غیرت بے شک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اسی لیے آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہیے بلکہ اس میں مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لیے صبر آزمائے منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہو گئی تھی اس کی مکافات فرمادی۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرہ عدل و انصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے۔ معقول عذر نامقبول نہیں ہوتا کسی کا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی پسند نہیں ہوتا۔

(۲۸۱) * لغت میں ”نصحت العسل“ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے صاف کر لیا جائے امام مازری فرماتے ہیں کہ نصح کے معنی کسی چیز کا کھوٹ نکال دینا ہے یہ معنی اسی محاورہ سے ماخوذ ہیں۔ محکم میں ہے کہ نصح کھوٹ کی ضد ہے۔ ابن طریف لکھتا ہے کہ ”نصح قلب الانسان“ اس وقت بولتے ہیں جب دل میں کوئی کھوٹ باقی نہ رہے۔ اب بنا پر نصیحت اللہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے اور خدا کے مابین کوئی کھوٹ کا معاملہ نہ رکھے اس کا سب سے بڑا کھوٹ یہ ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے اس کی صفات جلال و جمال کا پوری تزیین کے ساتھ اعتراف نہ کرے اور اس کے اوامر و نواہی میں پوری مستعدی کا اظہار نہ کرے علماء نے لکھا ہے کہ نصیحت اللہ کا حاصل بالفاظ دیگر اپنے ہی نفس کی نصیحت اور اپنی ہی خیر خواہی کرنی ہے۔

کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے بدل و جان اس کے معافی کی تصدیق کی جائے اس کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے اس کی پیروی کی تمام عالم کو دعوت دے جائے اور اس کے ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف و تسلیم کا سرخم کر دیا جائے۔

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لے کر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقع پر اس کی نصرت کے لیے سربکف حاضر رہے اس کے اصحاب اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔ ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمان داری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے۔ عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اخروی سب مصلحتیں ان کو بتا دیجائیں ان کو ایذا نہ دی جائے ان کے ﷺ

لَمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا ئِمَّةٍ
الْمُسْلِمِينَ وَ عَامَّتِهِمْ. (رواہ مسلم)
کی اس کی کتاب کی اس کے رسول کی ائمہ مسلمین کی اور سب مسلمانوں
کی۔ (مسلم شریف)

لہ عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔
قرآن کریم میں نصیح و خیر خواہی کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ابْلُغْكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنْصَحْ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (اعراف: ۶۱ و ۶۲)

”اس پر (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں تو گمراہی کی کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں تم کو
اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہارے حق میں خیر خواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کے بتانے سے ایسی باتیں جانتا ہوں جن
کو تم نہیں جانتے۔“

حضرت ہود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

﴿قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ابْلُغْكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ (اعراف: ۶۷ و ۶۸)
” (حضرت) ہود (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں بیوقوفی کی تو کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا رسول ہوں تم کو
اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور میں بھروسہ کے قابل تمہارا خیر خواہ ہوں۔“

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔

﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ ابْلَغْتُكُمْ رَسُولَ رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ﴾ (اعراف: ۷۹)
”جب ثمود پر عذاب نازل ہو چکا تو حضرت صالح (علیہ السلام) ان کے پاس سے چلے گئے اور چلتے وقت ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا
بھائیو میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دیئے اور تمہاری جو خیر خواہی کرنی تھی کر دی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم
کب اپنے خیر خواہوں کی قدر کرتے۔“

حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں نصیحت و خیر خواہی کو دین فرمایا گیا ہے اور حدیث جبریل کے آخر میں اسلام و ایمان و
احسان کے مجموعہ کو بھی دین فرمایا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملا لو تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام و ایمان و احسان سب ”نصیحت“ ہی کے اجزاء
ہیں اور جس طرح کہ ان کا مجموعہ دین ہے اسی طرح خدا و رسول کی خیر خواہی بھی دین ہے۔

محمد بن نصر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نصیحت اللہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) نفل۔ فرض یہ ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں
سے پرہیز کیا جائے اور اس کے احکام کی بجا آوری میں بدل و جان سعی کی جائے اگر کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو اس کا عزم رکھے کہ
جب کبھی موقع ملے گا اس کی تلافی کر لے گا۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا
عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (توبہ: ۹۱)

(۲۸۲) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَا يَهْتَمُّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُمْسِ وَيُصْبِحْ نَاصِحًا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِإِمَامِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ.

(اخرجه الطبرانی)

(۲۸۳) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ أَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِي بِهِ عَبْدِي النَّصْحُ لِي. (اخرجه احمد)

(۲۸۴) عَنْ حَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ. (اخرجه احمد)

(۲۸۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ بِالْخَيْفِ مِنْ مَنِي ثَلَاثَ لَا يَغْلُ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَمَنَا صَحَّةٌ وَ لَا إِامْرٍ وَلَزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ.

(رواه احمد و قد اخرجہ الدارقطني فی الافراد باسناد جيد)

(۲۸۲) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ اس کے رسول اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

(۲۸۳) ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریقہ جو میرا بندہ میری فرمان برداری کے لیے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

(۲۸۴) ابویزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیر خواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

(۲۸۵) جبیر بن مطعمؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنا۔ حکام کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد - دارقطنی)

”... کمزوروں اور بیماروں پر کچھ گناہ نہیں اور نہ ان پر جن کو خرچ میسر نہیں بشرطیکہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں لگے رہیں ان نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

گویا جن لوگوں کے قلوب میں نصیح اللہ کا مضمون باقی رہا وہ جہاد میں شریک نہ ہو کر بھی محسنین کی فہرست سے خارج نہیں ہوئے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر اعمال جوارح اور فریضہ جہاد جیسا اہم فرض بھی ساقط ہو سکتا ہے مگر نصیح اللہ کا مطالبہ کسی وقت بھی قابل سقوط نہیں۔ ایک معذور شخص سے نماز جیسے اہم فرض کی ادائیگی مؤخر ہو سکتی ہے مگر قلبی ندامت اور آئندہ ادائیگی کا پورا پورا عزم اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا بس نصیح اللہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی رضا سے راضی اور ناراضی سے ناراض ہو جائے۔

(۲) نصیحت نافلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے نفس کی محبت پر اس درجہ غالب کر دے کہ جب کسی چیز میں اپنے نفس اور شریعت کا مقابلہ پڑے تو شریعت ہی کی جانب کو ترجیح دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تمام مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر قربان کر ڈالے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۶)

(۲۸۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُرْضِي لَكُمْ ثَلَاثًا يُرْضِي لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ. (رواه مسلم)

(۲۸۷) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً ثُمَّ لَمْ يَحْطُهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (متفق عليه)

(۲۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللَّهِ فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ. (متفق عليه)

محبة المرء لآخيه ما يحب لنفسه

(۲۸۹) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لَآخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

(رواه الخمسة الا ابو داود)

(۲۸۶) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین باتیں پسند فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیر خواہی کرتے رہو۔ (مسلم)

(۲۸۷) معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیر خواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ (متفق علیہ)

(۲۸۸) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیر خواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دو گنا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

خیر خواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھا دینا

(۲۸۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۲۸۷) * ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر رعایا تک فریضہ خیر خواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصور وار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصور وار ہے جس مذہب میں باہم خیر خواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیر خواہی سے اتنی خالی ہو جائے کہ کوئی کسی کا خیر خواہ ہی نظر نہ آئے۔

(۲۸۹) * کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے۔ یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا۔ اسی کے لیے تمام ریاضات و مجاہدات کیے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا بلند مقصد ہے۔ غالباً صوفیاء کرام اسی کو مرتبہ فناء سے تعبیر کرتے ہیں مبرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فناء کے اثرات میں ایک اثر ہے۔

(۴۹۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتادے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گزار بندے شمار ہو گے اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤ گے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مومن بن جاؤ گے اور جو بات اپنے لیے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤ گے اور بہت قیمتی نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔

(مسند احمد - ترمذی)

(۴۹۱) معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یاد الہی میں لگائے رکھنا پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لیے پسند کرنا وہی سب کے لیے پسند کرنا اور جو اپنے لیے برا سمجھنا وہی سب کے لیے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

(۴۹۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔ کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

(۴۹۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذْ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلْ بِهِنَّ أَوْ يَعْلَمْ مَنْ يَعْمَلْ بِهِنَّ قُلْتُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَقَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ عَبْدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَاحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحْكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ.

(رواه احمد و الترمذی و قال هذا حديث غریب)

(۴۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَ أَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواه احمد)

(۴۹۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحَاسِنُهُمْ أَخْلَاقًا الْمُوْطِنُونَ أَكْنَافًا لَمْ يَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ وَحَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بِوَأَيْقَهُ.

(اخرجه ابن عساکر وفيه کوثر بن حکیم متروک)

لکن له شواہد بلغه مرتبة الحسن)

(۴۹۲) * اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصیح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جز ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ سینہ حسد، بغض، کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات لئے.....

(۴۹۳) عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سَيْدٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبُّ الْجَنَّةَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَحَبُّ لِي لَا خِيَاكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ. (اخرجه البخاری فی

(۴۹۳) یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد، تاریخ کبیر، سنن اربعہ، طبرانی، حاکم، بیہقی)

التاریخ الکبیر و اصحاب السنن الاربعہ و الطبرانی فی الکبیر و الحاکم و البیہقی فی الشعب و هو فی المسند لا حمد ایضا کما فی الجامع)

(۴۹۴) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ صِنِي قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَ ذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذَكَرَ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَ نُورَ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِطَوْلِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَ عَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ وَ إِيَّاكَ وَ كَثْرَةَ الضَّحْكِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَ يَذْهَبُ بِنُورِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَ إِنْ كَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ لَوْ مَ لَا تَمِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لِيَحْجُرَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ. (رواه البیہقی فی شعب الایمان)

(۴۹۴) ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپؐ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہر معاملہ میں خدائے تعالیٰ کا خوف رکھنا۔ بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائے گا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لیے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگر چہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا۔ (بیہقی)

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب

(۴۹۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ

..... کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے اسی لیے اس صفت کو ایمان کی حقیقت جنت کے لیے موقوف علیہ کمال ایمانی کا معیار اور آپؐ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔ یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں۔

ملاقات ہو تو اس کو سلام کرنا؛ جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا؛ جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا؛ جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مرجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا۔ (ترمذی - دارمی)

(۴۹۶) ابو الولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو ہمیشہ صحیح و سلامت رکھے مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لیے (ازراہ خیر خواہی) میں نے اس بات کی امیر المؤمنین کو اطلاع کر دی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے؟ اس نے کہا قبیلہ عبدالقیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق عبدالقیس سے تحقیق کریں انہوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انہوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابو موسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (طبرانی)

(۴۹۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

(۴۹۸) ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَ يُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَ يُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَ يَعُوْذُهُ إِذَا مَرَضَ وَ يَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَ يُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواہ الترمذی و الدارمی)

(۴۹۶) عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ الْقُرَشِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ أَصْلَحَ اللَّهُ الْأَمِيرَ إِنَّ أَهْلَ الطَّفِّ لَا يُؤَدُّونَ زَكَاتَهُمْ وَقَدْ عَلِمْتُ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُ الْأَمِيرَ قَالَ بِلَالٌ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ فَلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهِ يَسْأَلُ عَنْهُ عَبْدُ الْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهُ يَعْمُرُ فِي حَسْبَةِ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَبِي مُوسَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ. (رواہ الطبرانی)

(۴۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَ يُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْتِي إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ. (رواہ مسلم)

(۴۹۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ

(۴۹۸) * ابو ذرؓ فطرۃ ایک نہایت عابد و زاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہوگا اس لئے

فرمایا ابو ذر تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لیے دیکھو دو شخصوں کے بھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّى اَرَاكَ ضَعِيفًا وَاِنِّى اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِى لَا تَتَاَمَرَنَّ عَلٰى اِثْنَيْنِ وَلَا تُوَلِّينَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ.

(رواہ مسلم)

(۴۹۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کہ اپنے سرین زمین پر رکھ کر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے۔

(۴۹۹) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِیُّ اِنِّى اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِى وَاُكْرَهُ لَكَ مَا اُكْرَهُ لِنَفْسِى لَا تُقْعَبَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواہ الترمذی)

محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

حسن العهد

(۵۰۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو؟ اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم

(۵۰۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجُوزٌ فَقَالَ مَنْ اَنْتِ قَالَتْ جَثَامَةُ الْمَزْنِیَّةُ

اللہ.... کے لیے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لیے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابو ذر میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کردی جاتی۔ پس آپ کی خیر خواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیر خواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس میں بھی اسی کی خیر خواہی مضمر تھی۔

(۴۹۹) * اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لیے بڑی سے بڑی خصوصیت کے موقع پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلی چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لیے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یہ یقین دلادیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا جب تک اغراض نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

(۵۰۰) * حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔ آئندہ حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اور زیادہ تصدیق ہوگی۔

تو حسانہ مزنیہ ہوا چھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گزرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ کی اتنی توجہ آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

قَالَ بَلْ أَنْتِ حَسَانَةُ الْمُزْنِيَّةِ كَيْفَ حَالُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبَلُ هَذَا الْإِقْبَالُ عَلَى هَذِهِ قَالَتْ إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِينَا أَيَّامَ خَدِيجَةَ وَإِنْ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيمَانِ. (اخرجه الحاكم و قال على شرطها و لاعلة له و اقره الذهبي)

گاہ بگاہ ترک زینت

(۵۰۱) ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ بگاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے۔ (ابن ماجہ - حاکم)

البذاذۃ

(۵۰۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ إِيَّاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا فَقَالَ أَلَا تَسْمَعُونَ أَلَا تَسْمَعُونَ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ.

(اخرجه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه و الحاكم و قال العراقي حديث حسن و قال الديلمي هو صحيح و كذلك قال الحافظ ابن حجر)

(۵۰۱) * اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب کی زندگی اگرچہ جائز حدود میں رہ کر ہو اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت اور بد حالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ بگاہ ایسی زندگی گزارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لیے ہے اس لیے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لیے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو۔ اس دعاء کو ملاحظہ فرمائیے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جائیے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیراً۔ ”اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کر دے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کر دے۔“ پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیثِ نعمت کی نیت ہونی چاہیے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہیے تکبر کی نیت سے زینت اور احساسِ کمتری کی بنا پر بذات دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ بگاہ بذات نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترک زینت احساسِ کمتری کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بنا پر نہیں۔ بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کے لیے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصال و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ ان اللہ یحب معالی الھم۔ اللہ تعالیٰ علو ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ

السمت الحسن و التؤدة و الاقتصاد

(۵۰۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُرْجَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ

و التَّؤْدَةُ وَ الْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَ عِشْرِينَ

جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ. (رواه الترمذی)

(۵۰۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ إِنَّ الْهُدَى

الصَّالِحَ وَ السَّمْتُ الْحَسَنَ وَ الْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ

خَمْسٍ وَ عِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النَّبُوَّةِ. (رواه ابوداؤد)

اچھا طور و طریق متانت اور میانہ روی

(۵۰۲) عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طور و طریق متانت اور میانہ روی نبوت کا

چوبیسواں جزء ہے۔

(ترمذی)

(۵۰۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں

جزء ہے۔ (ابوداؤد)

اللہ.... یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہا درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہاء درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتیٰ کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہے۔ مؤمن ان المؤمن لا یذل نفسه۔ مؤمن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کر سکتا ہے جب کہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مؤمن کے متعلق ذات کا تخیل نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا ﴿لَسِنٌ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجُنَا مِنْهَا الْأَذِلَّةُ﴾ (المنافقون: ۸) تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لے کر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

(۵۰۲) * انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔

اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک۔ ایک۔ باب ہے۔

(۵۰۳) * ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزء کا اختلاف ہے یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوت کا

چھپالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ ختم نبوت کے باب میں اس قسم کی حدیثوں کی مفصل شرح گذر چکی ہے اس جگہ ملاحظہ کر لینی چاہیے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ میں زیادتی عطا فرماتا ہے اسی

طرح اس کی قوت عاملہ میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے اور اسی وجہ

سے سمت صالح اس کے نصیب میں آ جاتی ہے پھر وہ سیاست مدینہ

تدبیر منزل اور جملہ آداب و عادات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا

ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آ سکتی اس کو اخلاق

بہادری اور سیاست و عدالت اور ہر وقت محل کے مناسب نامناسب

مصلحتوں کی معرفت بھی بخش دیتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث

السمت الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ....

و همچنین در قوت عاملہ او مددے میدهد کہ بسبب

آن سمت صالح نصیب او گردد دور عایات آداب و

عادات و تدبیر منزل و سیاست مدینہ بطورے کہ ازاں

خوبتر نشود اهتمام فرمایدو خلق و شجاعت و

سیاست و عدالت و کفایت و شناختن مصلحت هر

وقته اور اعطا میکندو بسوئے این جزء اشارت واقع

شده در حدیث السمّت الصالح جزء من خمسة و

عشرین جزء من اجزاء النبوة. (قرة العینین ص ۴۱)

الحلم و الاناء

حلم و بردباری

(۵۰۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا شَجَّ عَبْدُ الْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللَّهُ الْحِلْمُ وَالْإِنَاءَةُ. (رواه مسلم)

(۵۰۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شج عبد القیس سے فرمایا تجھ میں دو عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں بردباری اور متانت۔ (مسلم شریف)

(۵۰۵) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِنَاءَةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ.

(۵۰۵) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متانت اور بردباری اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی حرکت ہے۔ (ترمذی)

(رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب و قد تکلم بعض اهل الحديث فی عبد المہیمن بن عباس الراوی من قبل حفظہ)

علامات الايمان و الاسلام

ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

(۵۰۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللہ.... شاہ صاحب کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہوگئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے۔ شاہ صاحب موصوف نے کتاب مذکور کے ص ۴۴ پر اس کی مزید تشریح فرمائی ہے ملاحظہ کی جائے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلام میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنت نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لیے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہو انہیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔

(۵۰۴) * روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا کسبی آپ نے فرمایا فطری اس سے معلوم ہوا کہ جو اخلاق حسنہ انسان کی فطرت میں ہوں اگرچہ وہ اس کے اختیاری نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اس کے لئے قابل مدح اور اس کی سعادت کی علامت ہیں۔ (۵۰۵) * تعجیل کارے شیطاں بود۔ تقریباً اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ یہاں عجلت سے مراد متانت کی ضد ہے تساہل بالکل علیحدہ چیز ہے عبادات میں تساہل عیب اور اس کے خلاف عجلت پسندیدہ ہے۔ مگر یہ وہ عجلت نہیں جس میں متانت ہاتھوں سے جاتی رہے۔

(۵۰۶) * عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھی اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ چلنا مشکل تھا اس لیے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لیے وہ جا بجا پتھر نصب کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدا نہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفسیر نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجاز و شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حقیقتوں سے....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْإِسْلَامِ ضَوْءً وَمَنَارًا
كَمَنَارِ الطَّرِيقِ. (المستدرک)

وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں۔ (متدرک)

اليقين بان الله تعالى معه حيث ما
كان

اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

(۵۰۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
بْنِ مُعَاوِيَةَ الْعَمَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعَمَ
طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ عَبْدَ اللَّهِ وَخَدَهُ بَأَنَّهُ لَا إِلَهَ

(۵۰۷) عبد اللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لیے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ

اللہ... حقیقتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیاء میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیاء ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرہ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔ مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہیے جس کی بنا پر وہ اس کی صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہو گا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل طور پر سمجھانے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لیے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانہ دل میں جمع کرتا رہے۔

دادیم تراز گنج مقصود شان گرامر سیدیم تو شاید برسی

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمال ظاہرہ میں کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہوں گی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لیے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ پس زیر عنوان احادیث کا منشاء یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں کہ ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مؤمن کے لیے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہو جاتا ہے یا نہیں۔

إِلَّا هُوَ وَ أَعْطَى زَكَاةَ مَالِهِ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ فِي كُلِّ عَامٍ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَ فِي آخِرِهِ فَمَا تَزَكِيَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَهُ حَيْثُمَا كَانَ.

(رواه البزار في مسنده)

(۵۰۸) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَفْضَلَ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتُ.

(رواه الطبرانی)

(۵۰۹) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَ هُوَ مَعَكُمْ وَ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَيَّ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ قَالَ أَبُو مُوسَى وَ أَنَا خَلْفُهُ أَقُولُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فِي نَفْسِي فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بِنَ قَيْسٍ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (متفق عليه)

سال ادا کی اس کے بعد انہوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا فرمائیے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

(۵۰۸) عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہے جہاں بھی تو ہو۔ (طبرانی)

(۵۰۹) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۰۹) * علماء کو قول فی النفس اور قراءت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لیے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گزر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت و شہادت کا فرق نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آ جائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہے....

صیورۃ الاعمال کلہا للہ سبحانہ

(۵۱۰) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَابْغَضَ لِلَّهِ وَاعْتَصَمَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی

وزاد احمد و انکح للہ)

(۵۱۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجُمُوحِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِيحَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ لِلَّهِ وَيُبْغِضَ لِلَّهِ فَإِذَا أَحَبَّ لِلَّهِ وَابْغَضَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَحَقَّ الْوِلَايَةَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى. (رواہ احمد)

تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

(۵۱۰) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔ امام احمد کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (یعنی عفت فرج مقصود ہو) (ابوداؤد-ترمذی)

(۵۱۱) عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہو جائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نواز دے۔ (احمد)

اللہ.... ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آ رہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ و مبرا ہے اسی طرح اتنا مجرب بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمع و بصر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو۔ یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہیے۔ تمہاری یہ چیخ و پکار پتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لیے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمع و بصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تمہاری لسانی حرکت کا منشاء صرف اس مضغہ خمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبہ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مؤمن کامل میں جب یہ نسبت احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آ جاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیور بر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لیے اس مؤمن کی شان یہ ہو جاتی ہے ﴿لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۳) یعنی ہنگامہ قیامت بھی ان کے لیے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی وہ پورے مطمئن نظر آئیں گے۔ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غار ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقع پر آپ کے لیے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا ﴿لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنا﴾ (التوبة: ۴۰) یعنی اے رفیق غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينُ﴾ (الشعراء: ۶۲)

(۵۱۱) * ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الہی کے تابع بن جائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری رنگی پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر لے....

الجهاد باليد و اللسان و القلب (۵۱۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَ أَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَ يَفْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا (۵۱۲) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گزرے ہیں جو اس کے معین و مددگار اس کے طریقہ کار کے متبع و پیروکار اور اس کے ہر حکم کے مقتدی و فرمان بردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے

لہ جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

گفت قدوسی فقیری در فناء و در بقاء

نفاق کے باب کے تفصیلی نوٹ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۵۱۲) * امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت و قدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

”تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس سے کیا کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا رہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی درمیانہ اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جدا جدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت و کراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے ﴿وَكُفْرًا إِلَيْكُمْ﴾ (الحجرات: ۷) (اللہ تعالیٰ نے) (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر، فسق اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈال دی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف و قوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر و فسق کو اپنی قوت بازو سے مٹا ڈالے اور اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغیر بالید ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالہ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اس کا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمال ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں لہ

خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ

بد اطوار لوگ ہوئے (جن کے قول و عمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جو شخص بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مؤمن

ﷺ ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ کا بھی استحقاق ہو۔ محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے۔ و لیس وراء ذلك من الايمان حبة خردل کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکار قلبی کے بعد اب رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جزء ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر مرتب ہو سکے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مؤمن ہی باقی نہیں رہے گا۔ (دیکھو کتاب الایمان ص ۳۱ و ص ۱۷۲)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران ۱۱۰) یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس لیے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے۔ بہر حال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکار قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوٰۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے۔ ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات علمیہ و عملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کے تمام مخلوقات کے تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طغۃ امتیاز ہے اور اسی بناء پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لیے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لیے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دے کر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے کتنے عزم کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لیے مضطر ہوگا اور اگر بد نصیبی سے وہ اس اضطرار سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نور ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل احساس ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساس ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہیے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے۔

حدیث کے لفظ (اذا رأى منكراً) ”جب کوئی برائی دیکھے“ میں روایت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی از اللہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی ﷺ سے

جَاهِدَهُمْ بِقُلُوبِهِمْ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ
ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ . (رواہ
الخمسة غیر البخاری)

اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مؤمن اور جو صرف قلبی ناگواری پر
کفایت کر لے وہ بھی ایک درجہ کا مؤمن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ
برابر بھی ایمان کا کوئی جز نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

..... تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف
ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموش نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہے قاضی اس کا مامور
نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی معاملہ آجائے تو وہ اس کی تحقیق
کر کے مناسب فیصلہ صادر کر دے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابویعلیٰ نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے
جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان آبرو یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زناء چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض
ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہے دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو
بالافتقار منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلت علم اور تنگ نظری ہے قاضی ابویعلیٰ اس کی اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ یہاں اس اختلاف کا استثناء کرنا ضروری ہے جو جمہور کے بالمقابل ہو یا کسی متفق علیہ حرام کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے سود کہ جمہور کے نزدیک
نقد ہو یا ادھار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ بعض سلف کا کچھ خلاف منقول ہے لیکن چونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اس لیے
اس پر بھی انکار کرنا ضروری ہوگا۔ امام احمدؒ نے یہاں ایک اور دلچسپ تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسئلہ پر عمل کرنے والے کو سزا تو
دی جائے مگر بعض سلف کے خلاف کی وجہ سے اس کو فاسق نہ کہا جائے۔ نکاح متعہ بھی اسی قسم میں داخل ہے یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور اگر اس کی
اجازت دے دی جائے تو یہ صریح زناء کا ذریعہ بن سکتا ہے جو متفق علیہ حرام ہے اس لیے اس کی بھی ممانعت کی جائے اور اس کے مرتکب کو سزا بھی
دی جائے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہ تھا تو اس کو فاسق بھی کہا جائے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۲)

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود
ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس
کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہموزن دوسری
برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے برتر برائی کا خطرہ ہو۔ صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔
تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی
ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص
ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بد دین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو
ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہے اور اس کی فاسد فطرت سے یہ اندیشہ ہے
کہ اس کو روکا گیا تو وہ قتل و غارت میں مشغول ہو جائے گا تو ایسے شخص کو ان مشاغل میں رہنے دینا مناسب ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)
عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے۔

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

الاجتناب عن الشبهات

(۵۱۳) عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ إِنَّ الْحَلَالَ بَيْنَ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ

جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

(۵۱۳) نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کر دی اور جو ان میں مبتلا ہو گیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر

(۵۱۳) * حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا اس نے دین دار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انہیں نکتہ چینی کرنے کا حق دے دیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لیے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لیے اتقاء عن الشبهات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ تورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لا شریک لہ کی محبت کے سوا کسی غیر کی محبت کی سائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لیے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق و شوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشات نفسانی کا گرفتار بنارہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح و فساد کا مدار بادشاہ کے صلاح و فساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح و فساد کا مدار قلب کی صلاح و فساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لیے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں ”لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ“ کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامت ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتٰی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر ہنگامہ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کر دی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر سے.....

لِدِينِهِ وَ عَرَضِهِ وَ مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ
فِي الْحَرَامِ. كَالرَّاعِي حَوْلَ الْحِمَى
يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَوْ إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ
حِمًى أَوْ إِنَّ اللَّهَ مَحَارِمُهُ أَوْ إِنَّ فِي
الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ
كُلُّهُ وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ
الْأَوْهَى الْقَلْبُ. (رواه البخاری و مسلم)

رہے گا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص)
جنگل کے ارد گرد چراتا رہے۔ قریب ہے کہ اس کے جانور اس کے اندر بھی
جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل رزرو اور مخصوص ہوتا ہے
اور اللہ تعالیٰ کے رزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے
جسم میں گوشت کا ایک ٹوٹھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور
اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا ٹوٹھڑا انسان کا دل ہے۔
(متفق علیہ)

اللہ..... کی خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک و صاف گزر جاتے کہ ان کے دامن اعتقاد میں شک و شبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں جھجتا۔
عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے
ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل
سے انہوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کر دیا: اِنْسِي وَ جَهْتُ وَ جِهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيفًا وَ مَا أَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام: ۷۹) ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب ماسوا اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کر چکا ہے
تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کا رہ ہو جائے گا جو ارجح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس و حرکت بن
جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے
والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر
ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن و حدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان و توضیح کے لحاظ سے
ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال و حرام تو ایسے ہیں جو خواص و عوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا
ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں
شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ بنیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا
سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ
ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں
طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی
طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہیے اس قسم کے مقامات پر اللہ.....

۱۔ Reserve - جس پر کسی دوسرے کا استحقاق نہ ہو۔

اطمینان النفس بالبر و ترددها

بالاثم

(۵۱۴) عَنْ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ. (رواه مسلم)

نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش

کا باقی رہنا

(۵۱۴) نَوَّاسُ بْنُ سَمْعَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ نیک صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

اللہ حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔ (۳) ہر چند کہ میدان شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ آپ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لیے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم) ادھر سے گزرے تو آپ نے ان کو ٹھہرا لیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کی بناء پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گزر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں رہتی اس لیے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گزرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلوم ص ۵۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ دراصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

(۵۱۵) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبُدٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِيمَانِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ الْبِرُّ مَا أَطْمَأْنَنْتَ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ (۵۱۵) وابصۃ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو جس بات پر دل ٹھک جائے وہ تو نیکی

(۵۱۵) * اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسہ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور برے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسہ فطرت بھی اوامر الہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بنا پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (الأنفال: ۲)
”سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیات الہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔“

(۲) ﴿الْأَبْذُكْرِ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸)
”سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔“

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرت انسانی کچھ خارجی اسباب کی بنا پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لیے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ ”و کسرهت ان یطلع علیہ الناس“ اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو کسی امر کے گناہ ہونیکی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ پس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ رحمہ اللہ.....

الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَافْتَوَكَ. (رواہ)

کی بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔

احمد و الدارمی فی مسندیہما باسناد حسن

(مسند احمد و دارمی)

الترک لما فیہ ریب و الاختیار لما لا ریب فیہ

جس جانب میں تردد ہوا سے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہوا سے اختیار کر لینا

(۵۱۶) عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ سِبْطِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِيحَانَتِهِ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ

(۵۱۶) حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کر

تے..... کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوم نمبر کی علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص ۱۸۴)

خلاصہ یہ کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ احکام میں بھی اسی معیار کو بدرجہ اولیٰ سمجھنا چاہیے۔ ﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ أَلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ (البقرة: ۴۵)

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لیے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتوؤں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بناء پر بعض صحابہ کرام نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آجائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتویٰ اور فطری نور اسی جگہ کارآمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آب آمد تیمم برخاست

حضرت شیخ مجد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”فتوحات مدنیہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ۔“ سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم دَعَا مَا یُرِیْکَ لَوْ جَسَ مِیْن تَمْهَیْن کُوْنِی کَهْکَا نَهْ-

(ترمذی و نسائی)

اِلَی مَا لَا یُرِیْکَ

(رواه النسائی و الترمذی و قال حسن صحیح قال ابن رجب و قد روی هذا الکلام موقوفا علی جملة من الصحابة منهم عمرو و ابن عمرو ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

ترک مالا باس به حذرًا لمابه باس (۵۱۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذْرًا لِمَابِهِ بَأْسٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

حرام میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا (۵۱۷) عبد اللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

(۵۱۷) * ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمر فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

وہا هنا امر ینبغی التفتن له و هو ان التدقیق فی التوقف عن الشبهات انما یصلح لمن استقامت احواله کلھا و تشابھت اعماله فی التقوی و الورع فاما من یقع فی انتها المحرمات الظاہرة ثم یرید ان یتورع عن شیء من دقائق الشبهه فانه لا یحتمل له ذلک بل ینکر علیہ کما قال ابن عمر لمن ساله عن دم البعوض من اهل العراق یسألوننی عن دم البعوض وقد قتلوا الحسینؑ. و سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول هما ریحانتای من الدنیا و سال رجل بشر بن الحارث عن رجل له زوجة و امه تأمره بطلاقها فقال ان کان برامه فی کل شیء و لم یبق من برها الا طلاق زوجته فلیفعل. (جامع العلوم ص ۷۸)

”یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کے لیے مناسب ہے جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقویٰ کا معیار بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو اس کے لیے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزاء دینی چاہیے۔ آپ نے فرمایا حضرت حسینؑ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر کے خون کا فتویٰ پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔ اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص لے....

المسرة بالحسنات و المساءة على السيئات

نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے
غمگین ہونا

(۵۱۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْإِيمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ.

(۵۱۸) ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بری معلوم ہو بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔

(الحاکم فی المستدرک)

(۵۱۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ كَيْفَ لِي أَنْ أَعْلَمَ إِذَا أَحْسَنْتُ وَإِذَا أَسَأْتُ

(۵۱۹) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ برا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں

اللہ... کی والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دے دے اب اسے کیا کرنا چاہیے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا کر چکا ہے اور اس کی فرمان برداری میں اس معاملہ کے سوا اور کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دے دینی چاہیے اور اگر ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہیے۔“

(۵۱۸) * یہ حدیث بھی انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا. کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے سامنے بھلے بنا دیئے گئے ہوں اور اس لیے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کی برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسہ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہیے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرابادین ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہیے اور اگر اس کے خلاف ہے تو یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہیے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقتہً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مؤمن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقتاً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم مادیت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اس کی روحانیت کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس یہ ہو تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہیے۔

(۵۱۹) * اس حدیث میں صرف حسن جوار کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لیے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقع کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور اساءت کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ مگر حسن جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل ہے....

قَالَ إِذَا سَمِعْتَ جِرَانَكَ يَقُولُونَ قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ قَدْ أَسَأْتُ فَقَدْ أَسَأْتُ

کی زبان ہے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برا کام کیا ہے تو (جان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام برا ہی کیا ہے۔ (احمد - ابن ماجہ - طبرانی)

(اخرجه احمد و ابن ماجه و الطبرانی فی الكبير قال العراقي اسناده جيد و اخرج ابن ماجه ايضا عن كلثوم الخزاعي قال المناوی فی الكبير رجال ابن ماجه رجال الصحيح الا شیخ محمد بن یحی فلم یخرج له مسلم و رواه ایضا البزار قال الهیثمی و رجاله رجال الصحيح)

(۵۲۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامِي فِيكُمْ فَقَالَ اسْتَوْصُوا بِأَصْحَابِي خَيْرًا ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَفْشُوا الْكَذِبَ حَتَّى أَنْ الرَّجُلَ يَبْدَأُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ بِهَا وَبِالْيَمِينِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَ لَهَا فَمَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ وَلَا يَخْلُونَ أَحَدُكُمْ بِأَمْرَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

(۵۲۰) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضرت حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لیے کھڑا ہوا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہؓ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائے گا اور نوبت یہاں تک آجائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لیے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لیے آمادہ ہوگا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہیے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہیے کیونکہ شیطان (آ کر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مؤمن ہے۔ (مشکل الآثار)

(اخرجه الطحاوی فی مشکل الآثار و عند

النسائی نحوه)

(۵۲۱) عَنْ أَبِي رَزِينِ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ

(۵۲۱) ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں یہ کیسے

..... روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرز خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرز خطاب کو بھی اپنے دور فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

(۵۲۱) * اس حدیث میں احساس حسنه اور احساس سدیہ کے ساتھ ایمان و ایقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگانا کتنا مناسب ہے۔

سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہو گیا، آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مؤمن ہے۔ (احمد-طبرانی)

(۵۲۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کر لے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ-دعوات کبیر)

احکام اسلامیہ کے لیے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا

(۵۲۳) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ الْخَيْرَ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ مِّنْهُ يَمَسُّهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَجْلِيَ صَدْرَهُ لِّلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِّلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النُّورَ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِّتِلْكَ مِنْ عِلْمٍ يُعْرِفُ بِهِ قَالَ نَعَمْ التَّجَافِي مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَ الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَ الْإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِهِ. (شعب الایمان)

یَا رَسُولَ اللّٰهِ کَیْفَ لِيْ بِأَنْ أَعْلَمَ أَنِّیْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَا مِنْ أُمَّتٍ عَبْدٌ یَعْمَلُ حَسَنَةً فِیَعْلَمُ أَنَّهَا حَسَنَةٌ وَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَازٍ بِهَ فِیْهَا خَیْرًا وَ لَا یَعْمَلُ سَیِّئَةً فِیَعْلَمُ أَنَّهَا سَیِّئَةٌ وَ یَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهَا وَ یَعْلَمُ أَنَّهُ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ إِلَّا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ. (اخرجه احمد و الطبرانی فی الاوسط)

(۵۲۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِينَ إِذَا أَحْسَنُوا اسْتَبَشَرُوا وَإِذَا أَسَاؤُوا اسْتَغْفَرُوا. (رواه ابن ماجه و البيهقي فی الدعوات الكبير)

شرح الصدر

(۵۲۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِّلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِّلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النُّورَ إِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِّتِلْكَ مِنْ عِلْمٍ يُعْرِفُ بِهِ قَالَ نَعَمْ التَّجَافِي مِنْ دَارِ الْغُرُورِ وَ الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ وَ الْإِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِهِ. (شعب الایمان)

(۵۲۲) * در اصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہیں اور ان کی امت کے لیے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کر کے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لیے دست بدعا رہتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

(۵۲۳) * دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دو کو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے ”ان رضیت احد اھما سخطت الاخری“ کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایک کی طرف میلان کے لیے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے دار غرور سے بیزاری اور انسابۃ الی اللہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لیے

(۵۲۴) ابو ہریرہؓ اور ابو خلد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم خنی کی صفت پیدا کر دی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آ کر بیٹھو کیونکہ (وقت آ گیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھادی جائے۔ (شعب الایمان)

(۵۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ أَبِي خَلَادٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلْقَى الْحِكْمَةَ. (شعب الایمان)

نمازوں کے لیے مسجد کی پابندی

(۵۲۵) ابو سعیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لیے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

تعاهد المسجد

(۵۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ. (الایة رواه الترمذی بسند حسن)

اللہ..... لیے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا نور ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ ارباب حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صِبْغَةُ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

دادیم تراز گنج مقصود نشان گرامر سیدیم تو شاید بری

(۵۲۴) * علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیت قرآنی وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ كَوِّرْهُنَّ تَوَّابًا کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو وحی کے طفیل میں اللہ تعالیٰ اپنے عباد صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القاء فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکات ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلمات حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صفت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آ بیٹھا ان کو برکات ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض۔

(۵۲۵) * جو آیت آپؐ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَغْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ...﴾ (التوبة: ۱۷) مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لیے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ...

(۵۲۶) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ غَدَا إِلَى الصَّلَاةِ الصُّبْحِ غَدَاً بِرَأْيَةِ الْإِيمَانِ وَمَنْ غَدَا إِلَى السُّوقِ غَدَاً بِرَأْيَةِ ابْنِئِيسَ. (رواه ابن ماجه)

(۵۲۶) سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لے کر گیا۔ (ابن ماجہ)

الحفاظة على الطهارة

(۵۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تَحْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ.

(۵۲۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مؤمن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

(رواه مالك و احمد و ابن ماجه و الدارمي)

(مالك - احمد - ابن ماجه - دارمي)

اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۳) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے۔ (یعنی وہ نمازیں جو پہلے تم نے بیت مقدس کی طرف پڑھیں) ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران: ۹۷) لوگوں کے ذمہ خدائے تعالیٰ کے بیت کا حج کرنا فرض ہے اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

(۵۲۶) * عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آگئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دکھتا ہوا نکلتا ہے۔

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سنا تا ہے
علی الصباح چو مردم بکار و بار روند بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

(۵۲۷) * نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان۔ اسی لیے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آئے گا اسی مناسبت سے یہاں مؤمن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا۔ استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ اور نماز کی استقامت میں جتنی وضو کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لیے یہ کام تو کسی کامل ہی مؤمن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی لہجہ....

الفرار من الفتن

(۵۲۸) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ. (متفق عليه)

(۵۲۹) عَنْ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ وَ لِمَنْ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهَا. (رواه ابوداؤد)

دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

(۵۲۸) ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جب کہ مسلمان کے لیے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنہیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔

(ابوداؤد)

..... نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی باوجود رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضوء وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کی غلط فہمی کی بنا پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

(۵۲۹) * فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین نا سمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دین دار ہیں وہ ان میں شرکت کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے منہ نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلاء ہو بھی جاتے تو کم از کم دین داروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دین داروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لیے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جہاد باللسان اور باللسان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جب کہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائے حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا التافساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کے لیے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ ﴿قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ (البقرة: ۱۹۳) کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انہوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لیے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ لہذا.....

صفات المؤمن

الحزم والاحتياط

(۵۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ.

(احمد، احمد و الشيخان و ابوداؤد و ابن ماجه)

مؤمن کی صفات

احتياط اور ہوشیاری

(۵۳۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی ایک سوراخ سے دوبار ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد - بخاری و مسلم وغیرہما)

الغرارة و الکرم

(۵۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غَرُّ كَرِيمٍ وَ

سادگی و شرافت
(۵۳۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان دار آدمی بھولا، سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے

اللہ.... اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کیے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لیے پہلے سامان مہیا کر لینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام مبنی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہو جاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔

(۵۳۰) * امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابو غرہ جمحی شاعر جب جنگ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لیے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کرنے لگا۔ تقدیر الہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لیے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقع میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے و سئل ابن وہب عن تفسیرہ

فَقَالَ الرَّجُلُ يَقَعُ فِي الشَّيْءِ يَكْرَهُهُ فَلَا يَعُودُ فِيهِ (المعتصر ص ۲۰۵)

(۵۳۱) * ملا علی قاری فرماتے ہیں ومعنی ”غر کریم ای لیس بذی مکر و هو ینخدع لا نقیادہ و لینہ موضوعات ص ۶۷ مؤمن مکار نہیں ہوتا ہاں اپنی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے دیدہ دانستہ دھوکا کھا لیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جنت و جہنم کے ایک طویل مکالمہ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جنت کہے گی فما لی لا یدخلنی الاضعفاء الناس و سقطهم و غرتهم۔ مجھ میں کیا کمی ہے کہ میرے اندر صرف وہی لوگ آئیں گے جو سب سے کمزور، گرے پڑے اور بھولے بھولے ہوں گے۔ اس حدیث میں غرارة مؤمن کی اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

صاحب مجمع البحار اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای من فی طبعہ الغرارة و قلة الفطنة للشیر و تراہ الخب عنہ و لیس ذاجہل بل کرم و حسن خلق۔ یعنی مؤمن طبعاً اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہے۔ یہ نہیں کہ وہ بیوقوف اور جاہل ہے....

الْمُنَافِقُ خَبٌ لِّئِيمٍ۔ اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (متدرک)

(رواہ الحاکم فی المستدرک و احمد و ابوداؤد و الترمذی قال المناوی اسنادہ جید۔ و فی الموضوعات الکبیر للمقاری قال الصغانی موضوع من احادیث المصابیح و لم یهب فقد رواہ احمد عن ابی ہریرۃ بہ مرفوعاً و لفظہ الفاجر بدل المنافق)

تہ ہوتا ہے اس کا بھولا پن اور سادگی اس کی طبیعت کی شرافت کا تقاضہ ہوتی ہے وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کے عیوب نکال نکال کر ان کے منہ پر مارتا رہے اسی کے قریب ایک اور حدیث ہے جو بایں الفاظ مروی ہے ”اکثر اهل الجنة بلہ“ اکثر اہل جنت بھولے اور سادہ لوگ ہیں حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں اس کے جملہ طرق نقل کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ و هو للبزار مضعفا و القرطبی مصححا۔ (المصنوع)

حسب الانصاف اگرچہ حدیث مذکور بالفاظہ ضعیف سہی لیکن بڑے بڑے علماء و محدثین کا اس کی شرح کے درپے رہنا اس کی دلیل ہے کہ محض بے اصل بھی نہیں۔

حافظ سخاوی تسری سے نقل کرتے ہیں۔ ہم الذین و لہت قلوبہم و شغلت باللہ عزوجل۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب ذکر اللہ میں فنا ہو کر ماسوا سے غافل ہو چکے ہیں۔

۱۔ ابو عثمان فرماتے ہیں ہو الابلہ فی دنیاہ الفقیہ فی دینہ۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا کے معاملہ میں ناسمجھ اور آخرت کے معاملہ میں سمجھدار ہے۔
۲۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں۔ ہو الاعمی عن الشر البصیر بالخير۔ (البیہقی فی الشعب) یہ وہ شخص ہے جو بری باتوں کے لیے نابینا اور بھلی باتوں کے لیے بینا ہے۔ (المقاصد الحسنہ)

۳۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ وجاء فی الحدیث اکثر اهل الجنة البله یراد الذی سلمت صدورہم للناس و غلبت علیہم الغفلہ و قال معاذ بن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب الاخفاء الا تقیاء الا بریاء الذین اذا غابو الم یفتقدو او اذا حفر و الم یعرفوا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص ۳۸۱) یعنی ابلہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کے سینے لوگوں کی طرف سے صاف ہوں اور مخلوق کی عیب جوئی کی عادت سے وہ اتنے دور ہوں گویا غافل نظر آئیں ان ہی لوگوں کی شان میں معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند کرتا ہے جو گناہ پر ہیزگار اور لوگوں کے حقوق سے بری ہوں اگر مجلس میں نظر نہ آئیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں کوئی شناخت نہ کرے کہ یہ کون صاحب ہیں۔ اسی مضمون کو صاحب مجمع البحار نے اور واضح الفاظ میں ادا کیا ہے۔

۴۔ امام طحاوی نقل فرماتے ہیں۔ وقیل المراد بالبلہ عن محارم اللہ هو الذی لا یخطر المحارم علی قلبہ لا شغلہم بعبادۃ اللہ و قد روی عن رجل من اهل العلم انه قال هذا علی التشاغل بالذات و هو تاویل حسن۔ (المختصر ص ۴۲۳) یہ وہ شخص ہے جس کے قلب میں عبادت الہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے محارم کا خطرہ بھی نہیں گذرتا۔

۵۔ صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں۔ هو الغافل عن الشر المطبوع علی الخير و قیل من غلبت علیہم سلامة الصدر و حسن الظن بالناس لانہم اغفلوا امر دنیاہم فجہلوا حذق التصرف فیہا و اقبلوا علی اخرتہم فاما الابلہ و هو من لا عقل نہ فغیر مراد۔ (مجمع البحار ج ۱ ص ۱۱۶) یہاں ابلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاف سینہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف ہمیشہ نیک ہی گمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے کی وجہ سے وہ دنیا کے ایچ پیچ سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ تہ

دانائی اور مردم شناسی

الفراسة

(۵۳۲) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّ

(۵۳۲) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مؤمن کی فراست اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ

اللہ صاحب فہم نہیں ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے المؤمن لین تخالہ من اللین احمق۔ (کنوز الحقائق للمناوی) ایمان دار آدمی نرم خو ہوتا ہے مگر تم اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کو احمق تصور کر لیتے ہو۔

صاحب مقاصد حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں۔ المؤمن کیس، فطن، حذر، وقاف لا یعجل۔ (الدیلمی والقضائی) ایمان دار آدمی ہوشیار، سمجھ دار، انجام بین اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والا ہوتا ہے جلد بازی نہیں کیا کرتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ احادیث اگرچہ بلحاظ اسانید ضعیف ہوں مگر حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

(۵۳۲) * حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مؤمن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

”اماتشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند بایں وجہ تو اوند بود کہ سے را از امت محدث و ملہم کنند و ایں معنی بدو طریق تو اوند بود دوم آنکہ فراست صادقہ اور انصیب کنند و عقل اور اذہنظرہ القدس تائید دہند کہ غالباً اصابہ کند در مجتہدات خود و از لوازم ایں معنی است کہ وحی بر حسب رائے او نازل شود۔“

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث و ملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ مؤمن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمرؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوت عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے فراست کی حسب ذیل تشریح فرمائی ہے۔

”اما فراست پس عبارت است از مردم شناسی کہ از قرائن حالیہ و مقالیہ و از رفتار و گفتار صادق را از منافق ممتاز فہم و خیر خواہ را از بد خواہ و طماع را از مخلص و خائن را از امین و پست ہمت و تنگ حوصلہ را از بلند ہمت و فراخ حوصلہ و عقل و کیاست ہر کس را بمیزان فراست خود بسنجد کہ کدام کس لائق کدام خدمت است و کدام کس لائق کدام منصب۔“ (منصب امامت ص ۴۷ و ۴۸) زیر تقسیم سیاست ایمانی و سیاست ملی۔

یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کر لیتا ہے اور بد خواہ لالچی اور مخلص و خائن اور پست ہمت و بلند ہمت کا امتیاز کر لیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل و فہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔ اللہ

فِي ذَالِكَ لَايَةٌ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ. ذَالِكُ الْخِ اس میں بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کیلئے۔ (ترمذی شریف)

(رواہ الترمذی فی تفسیر سورة الحجر) و قال هذا حديث غريب و قال الحافظ السخاوی روی من طرق کلها ضعیفہ و فی بعضها ما هو متماسک لا یلیق مع وجودہ الحکم علی الحدیث بالوضع لا سیما و للبخاری و الطبرانی و غیرہما کابی نعیم فی الطب بسند حسن عن انس رفعہ ان للہ عباد یعرفون الناس بالتوسم. و نحوه قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمران بن حصین و قد انجذ بطرف عمامتہ من و رائہ و اعلم ان اللہ یحب الناظر الناقد عند مجئ الشبہات. (المقاصد الحسنہ)

لہ..... غرض ان تمام حدیثوں سے مؤمن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہم ہونے کی حقیقت واضح ہو گئی لہذا کسی صالح مؤمن کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کا سد کو آخرت کی بے بہادولت پر قربان کر دیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی یہی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ اس سطحی ذہنیت سے نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جاسکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانش مند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دے دیا تھا۔

﴿وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۳)

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔“

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنہوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانش مندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کی فہم تھی کیا یہی کہ وہ اپنی دورخی پالیسی سے دوطرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لیے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آ جاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانش مندوں کو سفیہ قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِّنَ النَّاسِ مَا وَ لَهُمْ عَنۢ قِبَلَتِهِمُ اللّٰتِیۡ كَانُوْا عَلَیْہَا﴾ (البقرہ: ۱۴۲)

”جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے ان کے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی۔“

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتداء ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آ رہا ہے اور تعجب کیا ہے جب کہ رسولوں کے حصہ میں مجنون و ساحر کا لقب رہا ہو مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بنا پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنتے۔

(۵۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَجُلًا يَسْرِقُ فَقَالَ لَهُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ (عَلَيْهِمَا السَّلَام) سَرَقْتَ قَالَ كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَقَالَ عِيسَى اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَذَّبْتُ نَفْسِي. (رواه مسلم)

(۵۳۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تو نے چوری کی ہے وہ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھی بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

مؤمن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

المؤمن لا ینجس

(۵۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ كَهْتَبُ هِي كَهْ اِيك مَرْتَبَه (رَاسْتَه مِي) رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَے مِي رِي مَلَاَقَاتِ هُوْگِي اِس وَقْتِ مِي جَنَابَتِ كِي حَالَتِ مِي تَهَا اَپْ نَے مِي رَا تَه اَپْ نَے لِيَا مِي اَپْ كَے سَا تَه سَا تَه چَلتا رِہا يہاں تِك كَے جَب اَپ

(۵۳۳) * معلوم نہیں کہ خدا کے اس بولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آ جانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آ سکتا کہ وہ اس کا واسطہ دے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لیے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو، بہر حال خدائے تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آ جائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشہ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہیے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑ جاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے غمہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

(۵۳۴) * ابو ہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بسالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مؤمن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لیے آپ نے مؤمن کی اس خصوصی شان کو واضح فرمادیا گویا قرآنی نظر میں مؤمن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست و غیر نجاست میں نجاست سے جتنا دور رہنا ...

فَأَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَاهِرِيرَةَ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ.

(رواہ البخاری)

(۵۳۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجَّسُوا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا.

(رواہ الدارقطنی)

آ کر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا ابو ہریرہ کہاں گئے تھے۔ میں نے اصل ماجرا عرض کر دیا آپ نے ازراہ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے۔ (بخاری)

(۵۳۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔

(دارقطنی)

نرم مزاجی اور ہر دل عزیز

(۵۳۶) مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

(۵۳۷) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہیں اور آتش دوزخ ان پر

الھون و اللین و التألف

(۵۳۶) عَنْ مَكْحُولٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ هَيُّونَ لَيُّونَ كَالْجَمَلِ الْأَنْفِ إِنْ قِيدَ انْقَادَ وَإِنْ أُتِيخَ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَنَاحَ. (رواہ الترمذی مرسلًا)

(۵۳۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا

لہ... ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہو کر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک و صاف ہو کر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

(۵۳۵) * اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دے دیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لیے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

(۵۳۶) * امام احمد نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولاً۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ابو خلف ہے اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (الفرقان: ۶۳) اور خدائے رحمن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کر کے الگ ہو جائیں۔

(۵۳۷) * حافظ نور الدین نے اس کے قریب المعنی الفاظ حضرت ابو امامہ سے بھی روایت کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیحین کے راوی ہیں۔

أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لِّينٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ .
 حرام ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نہایت فرمان بردار، نرم خو، ہر دل عزیز اور بااخلاق ہوں۔ (احمد-ترمذی)

(رواہ احمد و الترمذی و قال هذا حدیث حسن غریب)

(۵۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ مَالِفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَالِفُ وَلَا يُؤَلِّفُ .
 (۵۳۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکر محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بوجہ نہیں۔ (احمد-حاکم-بیہقی)

(رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان و الحاکم فی المستدرک و قال علی شرطہما و لا اعرف لہ علة و قال الذہبی فیہ انقطاع و فصلہ فی المقاصد بان ابا حازم ہو المدینی لا الاشجعی و ہو لم یلق ابا ہریرہ و لا لقیہ و ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر و بجانبہ علامۃ الصحۃ)

(۵۳۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهَبٍ رَوَيْتُ كَرْتِیْ هِیْ كَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِیْفٍ مُّتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَا بَرَّةَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ غُتْلٍ جَوَاطِ مُسْتَكْبِرٍ . (متفق علیہ)
 (۵۳۹) حارثہ بن وہب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتا دوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو! کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش، منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

(۵۴۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَسَّ عَبْدُ الدِّينَارِ وَ عَبْدُ الدَّرْهَمِ وَ عَبْدُ الْخَمِصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَ إِنْ لَمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعَسَّ وَ انْتَكَسَ وَ إِذَا شَيْكَ فَلَا انْتَقَشَ طُوبَى بَعْدِ اخِذٍ بِعَنَانٍ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ
 (۵۴۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کاٹنا چھبے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لیے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ

(۵۳۹) * ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شدت طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدِ الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسرِ منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دے دیتے۔ بہر حال مومن کا وجود صفحہ عالم پر قدرت کی صنائی کا وہ عجیب تر مجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت شدت و لین، سادگی و فہم، زینت و بذاذت اور فصاحت و کم خنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گزشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گزر چکی ہے۔

مُغْبِرَةً قَدَمَاهُ إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي
الْحِرَاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي
السَّاقَةِ إِنْ اسْتَاذَنْ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ
يُشَفَّعْ. (رواه البخاری)

(۵۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ
أَفْنَدَتْهُمْ مِثْلُ أَفْنَدَةِ الطَّيْرِ. (رواه مسلم)

(۵۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوا الْكِرَمَ فَإِنَّ الْكِرَمَ
قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (رواه مسلم و فی روایة و لكن
قولوا العنب و الحنطة)

اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ
میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو
پچھلے حصہ میں ڈال دیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض
نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) (بخاری شریف)
(۵۴۱) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت
پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

(۵۴۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مؤمن کے قلب کا نام ہے
(انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ
ہے) (مسلم)

سلامۃ الصدر

(۵۴۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيلَ (۵۴۳) عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو بَيَانُ كَرْتِے هِے كَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَع

(۵۴۱) * علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر
کو نسبت جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گزار دیتے ہیں روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاش رزق
میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آ گئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفیتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

(۵۴۲) * نہایت میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت و کرم کی محرک ہوتی ہے
اس لیے وہ انگور کو کرم کہہ دیتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مؤمن کا
قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہہ دیا گیا ہے۔ جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہہ دیا جائے۔ زمخشری
اس کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ
جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ :

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات : ۱۳)

تو اس کا حق ہونا چاہیے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سوا کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کا لجر ہو
جائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں
صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُومٍ الْقَلْبِ صَدُوقُ اللِّسَانِ قَالُوا صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ النَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ. (رواه ابن

ماجہ و البیہقی فی شعب الایمان)

(۵۴۴) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ سَلِيمَ الصَّدْرِ. (رواه ابو داؤد)

تَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لَاهِلِ الْإِيمَانِ

(۵۴۵) عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحِمِهِمْ وَتَوَادِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمَى. (متفق عليه)

(۵۴۶) وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُونَ كَرُجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ وَإِنْ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ. (رواه مسلم)

دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو ”مخموں القلب“ اور زبان کا سچا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا؛ صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموں القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرمادیں۔ فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور خدا ترس انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو نہ ظلم تعدی کا بار نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد۔ (ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

(۵۴۴) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ (ابوداؤد)

مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کے برابر احساس کرنا

(۵۴۵) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان داروں کو باہم رحم دل، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۴۶) نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۵۴۴) * نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لیے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لیے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لیے ایمانی ضعف کا موجب ہو سکتی ہے اعود من غضب اللہ و غضب رسولہ و غضب اولیاءہ۔ حدیث میں ارشاد ہے من عادى لى و لیا فقد اذنتہ بالحرب۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری نزاہتوں اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں لے.....

(۵۴۷) ابو موسیٰ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لیے فرمایا کہ اس طرح) (متفق علیہ)

(۵۴۸) سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مؤمنوں کی جماعت میں ایمان دار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہیے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان دار آدمی کو بھی اور مؤمنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

(۵۴۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا مؤمن ہے جو اپنا تو پیٹ بھر لے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

(۵۴۷) عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.

(متفق علیہ)

(۵۴۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ فِي أَهْلِ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ يَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِأَهْلِ الْإِيمَانِ كَمَا يَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِي الرَّأْسِ. (رواه احمد)

(۵۴۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

لہ..... کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

(۵۴۹) * بے حسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے برا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہیے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لیے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت واجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب وتشقت کی۔ اسی لیے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت وتحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان بتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی ایسی وحدت و اخوت کہ اگرچہ ان کے قابلوں کے مابین مشرق ومغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چمک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

﴿وَإِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) لہ.....

الخوف من المعاصی

گناہوں سے ڈرنا

(۵۵۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هَكَذَا. أَيْ بِيَدِهِ فَلَذَبَهُ عَنْهُ. (رواه البخاری و ذکر معہ الحدیث الاخر المرفوع ایضاً)

(۵۵۰) حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں مؤمن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس سے گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑادی۔ (بخاری شریف)

حفاظة عزة النفس

اپنی عزت نفس کی حفاظت کرنا

(۵۵۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

(۵۵۱) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”یاد کرو اللہ تعالیٰ کے انعام کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔“
دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد و اتفاق کی حقیقت اس طرح واضح فرمادی:

﴿تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى﴾ (الحشر: ۱۴)

”آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پر اگندہ ہیں۔“

اس کے بعد اب آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہی اخوت ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت و وحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق و تشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللہم الف بین قلوبنا و اصلح ذات بیننا۔
یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہو گا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتہ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کیونکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتہ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿لَوْ أَنْفَقْتُ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا آَلَفْتُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آَلَفَ بَيْنَهُمْ﴾ (الانفال: ۶۳)

”اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈال دی ہے۔“

(۵۵۱) * صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آ سکی وہ فطرۃ ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے آ کر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں“

مؤمن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہؓ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کر سکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھالینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔)

(ترمذی - ابن ماجہ - شعب الایمان)

ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

(۵۵۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مؤمن بندہ سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسا گھوڑا اپنے کھونٹے کا

(۵۵۳) ابوسعید خدریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مؤمن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو وہ ادھر ادھر پھر پھر آ کر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آ جاتا ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوا وَ كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ. (رواه الترمذی)

و ابن ماجه و البيهقي في شعب الایمان

لزوم التوبه

(۵۵۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفْتَنَ التَّوَّابَ. (رواه احمد)

تقیدہ بشرائع الاسلام مثل تقید

الفرس باخيته

(۵۵۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلَى اخِيَّتِهِ يَجُولُ ثُمَّ يَرْجِعُ

..... پھنسا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مؤمن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق یہود کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور غرور سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۵۵۲) * جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہیے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کی فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ واستغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ واستغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادام و شرمسار ہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدائے تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوش خبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے معصیت کا ختم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

(۵۵۳) * یعنی مؤمن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسا گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جاسکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو و نسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا ادھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں۔

عاشقی چیست؟ بگو بندہ جانناں بودن دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

عَلَىٰ اخِيَّتِهِ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَسْهُو ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى الْإِيمَانِ. (رواہ احمد و سندہ جید و جاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔) (احمد)

اخرجه ايضاً الضياء المقدسي في المختاره و حسنه الحافظ السيوطي

از سر تا قدم خیر خواہی اور نفع محض بن جانا

كونه نصحا خالصا و نفعاً محضاً

(۵۵۴) عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مؤمن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مؤمن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

(۵۵۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغْيَرْ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّخْلَةِ أَكَلَتْ طَيِّبًا وَوَضَعَتْ طَيِّبًا وَوَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَلَمْ تَضُرَّ.

(رواہ احمد ذکرہ السيوطي في الجامع الصغير و قال المناوي اسناد احمد صحيح)

(۵۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور یہی درخت ہے جو مؤمن کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کون سا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَانْهَامُ مِثْلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوا فِي مَا هِيَ فَوْقَ النَّاسِ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللَّهِ فَوْقَ فِي نَفْسِ انْهَامِ النَّخْلَةِ فَاسْتَحْيَيْتُمْ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ. (متفق علیہ)

(۵۵۴) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مومن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا جتنا اس کو آ زماؤ اتنا ہی وہ اور کھرا نکلتا ہے وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

(۵۵۵) * عرب کی سر زمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پر از منافع نہیں ہوتا۔ یہ اپنی پوری دور زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جزء ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ اس کی گھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے لئے

الحمد و الشکر لله عزوجل فی الاحوال کلها

(۵۵۶) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ حَمِدَ اللَّهَ وَشَكَرَ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ حَمِدَ اللَّهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ يُوجَرُ فِي كُلِّ أَمْرٍ حَتَّى فِي اللَّقْمَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى فِيهِ أَمْرًا تَه. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(۵۵۷) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنْ أَمْرُهُ كُلُّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ. (رواه مسلم)

رقة القلب

(۵۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ

ہر حالت میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار رہنا

(۵۵۶) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابلِ تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آ جاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۵۵۷) صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آ جائے تو وہ شکر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

نرم دلی

(۵۵۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آ گئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں

اللہ کام آتی ہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز اور سایہ دار رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تناچھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو سر سے لے کر قدم تک دور طفولیت سے لے کر پیری تک سرتا سر نفع ہوتا ہے۔

(۵۵۶) * فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہیے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد و شکر بجالانا جانیں۔

(۵۵۸) * صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بدقسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوائیے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آنکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم اللہ

أَرْقُ أَفْنِدَةً الْإِيْمَانِ يَمَانٍ وَ الْفِقْهُ يَمَانٍ وَ
الْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ. (رواه مسلم)

ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔
(مسلم شریف)

نزاهة اللسان

(۵۵۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ
وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيّ.

(۵۵۹) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لیے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا
رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی - بیہقی)

(رواه الترمذی و البيهقي في شعب الايمان و في اخرى له و لا الفاحش البذي و قال الترمذی هذا حديث غريب و في
رواية لا ينبغي للمومن ان يكون لعانا)

اللہ.... نے تو بشارت قبول نہ کی تو تم اسے قبول کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے سر و چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا ”جنسنا لتفقه
فی الدین“ ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں، الخ.... اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں
دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انہیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انہوں نے قبول کر لی اور
اپنے آنے کا جو زریں مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس
طرح بے چون و چرا بشارت نبویہ کو لپک لے جانے سے بہت محفوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھ کر فرمایا کہ ایمان اور
فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقت قلب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بالمقابل قلبی قساوت ہے وہ یہ کہ نصیحت
کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا
لَمَا يَشَقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۷۴)

”پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعض ایسے بھی ہوتے ہیں
کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی
ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔“

آیت بالا میں قلوب کی قساوت اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری
اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے دین کی فہم کے لیے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیت الہی سے وہ یکسر خالی ہو جائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے
ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار
تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔ اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت ولین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں
رہتی۔ بلکہ اس کے اعضاء و جوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم، خنرم، مزاج، شیریں طبیعت، صاحب محبت و مروت اور ہر کس و نا کس کی بات
سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو ﴿أَشَدُّاءُ عَلَى
الْكَفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹) میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت ولین کے اثرات کا ذکر ہے۔

(۵۶۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایان شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

(۵۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کے پاس سے گزرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپؐ کے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(۵۶۲) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم شریف)

(۵۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَنْبَغِي لِصَدِّيقٍ أَنْ يَكُونَ لَعَانًا. (رواه مسلم)

(۵۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي بَكْرٍ وَهُوَ يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيقِهِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَقَالَ لَعَانَيْنِ وَصِدِّيقَيْنِ كَلَّا وَرَبُّ الْكَعْبَةِ فَاعْتَقَ أَبُو بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيقِهِ ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا أَعُوذُ. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(۵۶۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّعَانَيْنِ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه مسلم)

(۵۶۲) * لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہو سکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہو سکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدائے تعالیٰ کی رحمت سے دور کر کے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء و صالحین کی شفاعت کا۔ صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لیے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لیے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لیے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں آپؐ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لیے شریعت اپنی نظر حقیقت کے مطابق ان اسباب و اثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہیں۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لیے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراک عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا بنایا ہوا فلسفہ بلا تعب و مشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

راست گو امانت دار اور وفا شعار ہونا

الصدق ووفاء العهد واداء الامانة

(۵۶۳) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ.

(۵۶۳) ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کی فطرت میں تمام عادتیں ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہو سکتی۔ (احمد-بیہقی)

(رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان عن سعد بن ابی وقاص)

(۵۶۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِيمٍ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيلَ لَهُ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا.

(۵۶۴) صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا جی نہیں۔

(مالک-شعب الایمان)

(رواہ مالک و البیہقی فی شعب الایمان مرسلًا)

(۵۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ.

(۵۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۵۶۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَوَادٍ قَالَ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۵۶۶) عبد اللہ بن جواد روایت کرتے ہیں کہ ابو الدرداء نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مؤمن جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت

(۵۶۳) * واضح رہے کہ اتفاقیہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مؤمن سے بھی سرزد ہو سکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں یہ عادت بد پیدا ہو گئی ہے تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہو چکا ہے۔ رہ گئی خیانت تو وہ تو امانت و ایمان کی ضد ہے یہ صفات ذمہ بھی اس میں پیدا شئی نہیں ہو سکتیں۔ عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کر رہی ہے۔

(۵۶۴) * حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لیے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات سہی مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لیے اگر ایک مؤمن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہو سکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لیے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دروغ گوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رخی کا طالب ہے اس لیے دور خاپن اسلام و ایمان کے ساتھ بھ نہیں سکتا۔ اس لیے مؤمن نہ خیانت کا عادی ہو سکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

(۵۶۶) * اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لیے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

(۵۶۷) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمائیے کہ یہ رتبہ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا؟ انہوں نے جواب دیا۔ راست گوئی۔ اداء امانت۔ اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطا)

(۵۶۸) عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلم بند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف و خطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

(۵۶۹) ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

هَلْ يَكْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ. (الجامع الكبير)
(۵۶۷) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّهُ قِيلَ لِلْقَمَانِ الْحَكِيمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى يَعْنِي الْفَضْلُ قَالَ صَدَقَ الْحَدِيثُ وَادَاءُ الْأَمَانَةِ وَتَرَكَ مَا لَا يَعْنِينِي. (رواه في الموطأ)

(۵۶۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَتَهَنَّنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرَّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْ مَا بِأَصْبَعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ أَكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ. (رواه ابوداؤد)

(۵۶۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ

(۵۶۷) * لا یعنی اور بیکار باتوں کی شرح حدیث من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیہ کے ضمن میں مفصل گزر چکی ہے۔ ترجمان السنۃ جلد اول میں ملاحظہ کر لی جائے۔

(۵۶۸) * انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق بھی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مذاق اور غصہ کی بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی ہیں جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لیے مقام صدق و صفا کی اس منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۹) * آپ نے اس مختصر جواب میں یہ مسئلہ حل کر دیا کہ نبی فرشتہ نہیں ہوتا وہ بشر کے تمام خواص اپنے اندر رکھتا ہے مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی تربیت نظر ربوبیت کے تحت ہوتی ہے اس لیے وہ رضاء و غضب اور جد و مزاح کے تمام حالات میں کہیں لغزش نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کسی حکمت الہیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ خوش طبعی اگر لا یعنی اور خلاف واقع یا خفیف حرکات پر مشتمل ہو تو بے لگہ.....

سے تعجب کے طور پر سوال کیا۔ آپ بھی ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا مگر میں کوئی کلمہ حق کے سوا زبان سے نہیں نکالتا۔ (ترمذی)

(۵۷۰) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایمان دار ہو جاتا ہے اور جب ایمان دار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(۵۷۱) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑ جاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تَدَا عِبْنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا. (رواه الترمذی)

(۵۷۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ قَالَ الصَّدْقُ وَإِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَآمَنَ فَإِذَا آمَنَ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكِذْبُ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَّ وَإِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَإِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِي النَّارَ. (رواه احمد)

(۵۷۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصَّدْقِ فَإِنَّ الصَّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصَّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا وَ إِيَّاكُمْ وَ الْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا. (متفق علیہ)

۱۔ شک وہ نقصان کا موجب ہے لیکن اگر کوئی اس غفلت کی حالت میں بھی وقار و متانت اور صدق و حقانیت سے سرمیو ادھر ادھر نہیں ہوتا تو یہی انسان کامل کا زیور بھی ہے۔ اب تم میرے اور اپنے مزاح کا موازنہ کر کے دیکھو تمہارا تعجب جاتا رہے گا۔

(۵۷۱) * یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلہ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلہ شر کے آخر میں دوزخ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آ جاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہیے نہ کسی شر کو معمولی ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آ جاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آ جاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ ۱۔

(۵۷۲) عَنْ أُمِّ كَلْثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا. (متفق عليه)

(۵۷۲) حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمہ خیر زبان سے کہہ دے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

وزاد مسلم قالت و لم أسمعہ تعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرخص فی شیء مما یقول الناس انہ کذب الا فی ثلاث الحرب. و الاصلاح بین الناس و حدیث الرجل امرأته و حدیث المرأة زوجها.

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں۔ لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لیے۔ اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضامندی کے لیے۔

(رووی احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثله)

(مسند احمد)

اللہ..... کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آجائے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۹) اور اس سے ڈرنا چاہیے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ (آل عمران: ۶۱) اور یہ اس لیے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷۲) * صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لیے ایسی ذومعین بات کہہ دینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ سچ ہو اس کا نام تو یہ ہے۔ پس تو یہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انه کذب کے لفظ میں غالباً اسی طرح اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں ہی صرف تین مقامات کا استثناء کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں (اس کی تفصیل جنگ کے بیان میں آئے گی) اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لیے مشہور ہے۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نووی نے امام غزالیؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لیے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہو گا اس لیے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو یہ جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لیے جھوٹ بول دیا جائے یہ اس وقت ہے جب کہ تو یہ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ تو یہ کر لے۔ (مختصر کتاب الاذکار ص ۱۶۶) ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث میں اس کی خوب تفصیل کی ہے۔ (دیکھو ص ۴۳)

(۵۷۳) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أُسَيْدٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَبُرَتْ خِيَانَةٌ أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ. (۵۷۳) سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی دو معنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

(رواہ ابوداؤد و سکت علیہ قال النووی و فی اسنادہ ضعف)

مجبوری میں تور یہ کر لینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح

ان فی المعارض لمندوحة عن

طریقہ ہے

الکذب

(۵۷۴) عَنْ سُؤَيْدِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِيدُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ (۵۷۴) سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی

(۵۷۳) * نووی فرماتے ہیں کہ تور یہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنی مراد لے لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لیے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر تور یہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تور یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے حاجت بات ہے اس لیے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لیے ہو تو مباح ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

ابن قتیبہ نے تور یہ کی چند مثالیں سلف کے درمیان بھی پیش کی ہیں قابل مراجعت ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (دیکھو از ص ۴۴ تا ۴۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آ سکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقع پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (دیکھو کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضاء کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا زبان کی خیانت واقع کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے آیت ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ﴾ (المؤمن: ۱۹) میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر رگ رگ میں امانت سما جاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مؤمن کی رگ و پے میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مؤمن نہیں کہلاتا اسی لیے حدیث میں ہے۔ لا ایمان لمن لا امانة له۔

(۵۷۴) * ایک موقع پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں ”انہا اختی“ کا کلمہ حق نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس و آبرو کی خاطر تھا اور بلاشبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح لیت نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوت اسلامی کی بنا پر لکھ.....

تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے وہ نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

مَعَنَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ فَأَخَذَهُ عَدُوُّهُ فَتَحَرَّجَ الْقَوْمُ أَنْ يَحْلِفُوا وَحَلَفْتُ أَنَّهُ أَخِي فَحَلَّى سَبِيلَهُ فَاتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوا أَنْ يَحْلِفُوا وَحَلَفْتُ أَنَّهُ أَخِي فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُخَذِّلُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ.

(رواہ ابوداؤد و اخرجہ احمد الشیخان و عن ابن عمر)

(۵۷۵) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بچہ بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا اس وقت یہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ ان کی بی بی نے جب دیکھا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کو نہلا دھلا کر مکان کے ایک گوشہ میں رکھ دیا۔ (شب میں) جب ابوطلحہ آئے تو انہوں نے پوچھا بچہ کی طبیعت کیسی ہے؟ یہ بولیں وہ خاموش ہو گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب اسے بالکل آرام ہوگا۔ ابوطلحہ نے اپنی فہم کے مطابق یہ خیال کیا کہ بچہ صحت یاب ہو گیا ہوگا۔ (حالانکہ ان کا مقصد کچھ اور

(۵۷۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اشْتَكَى ابْنُ لَابِي طَلْحَةَ قَالَ فَمَاتَ وَابْنُ طَلْحَةَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَأَتْ أُمُّهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ هَيَّأَتْ شَيْئًا وَنَحَّتُهُ فِي جَانِبِ الْبَيْتِ فَلَمَّا جَاءَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ كَيْفَ الْغُلَامُ قَالَ هَذَا نَفْسُهُ وَارْجُوا أَنْ يَكُونَ قَدْ اسْتَرَاخَ وَظَنَّ أَبُو طَلْحَةَ أَنَّهَا صَادِقَةٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا أَصْبَحَ

لہ..... یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہا دیا گیا ہوتا اسی لیے مفسدہ اور مصلحت کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دین دار بیوقوف کے پلے پڑ جائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون کر ڈالے اور بے دین سمجھ دار کے ہاتھ آ جائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی بساط الٹ دے۔

یہاں امام بخاریؒ نے بھی باب فی المعارض لمندوحة عن الکذب رکھ کر اسی تحقیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کے تحت میں حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے جو ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں اس کی بہت سی امثلہ ذکر فرمائی ہیں۔ (دیکھو از ص ۴۳ تا ۴۷)

(۵۷۵) * صحیح مسلم میں اس واقعہ کی اتنی تفصیل اور مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا ابوطلحہ بتاؤ اگر کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریت رکھی ہو پھر وہ اسے مانگ لے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے انہوں نے کہا نہیں وہ بولیں تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی اس نے لے لی ہے) اس پر انہیں غصہ آیا اور فرمایا مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں میں ہم بستی نہ کرتا۔ اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعۃً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نامناسب سمجھی اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا اس لیے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہہ دیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لیے اس میں کسی اور معنی سمجھنے کی گنجائش بھی نہ تھی۔

5 تھا) اور مطمئن ہو کر اپنی بی بی کے ساتھ ہم بستری کی جب صبح ہوئی تو غسل فرمایا جب باہر جانے لگے تو بی بی نے صاف بات کہہ دی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اس کے بعد ان کی بی بی کے واقعہ کی آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ (اس کی حسن نیت) کی بدولت اس شب میں جو حمل اس کے استقرار پا گیا ہے امید ہے کہ اس میں بڑی برکت ہو۔ سفیان راوی حدیث کہتا ہے کہ ایک انصاری شخص نے بیان کیا کہ میں نے ان کی نو^(۹) اولاد دیکھی ہیں سب کی سب حافظ تھیں۔ (بخاری شریف)

اِغْتَسَلَ فَلَمَّا ارَادَ اَنْ يَخْرُجَ اَعْلَمَتْهُ اَنَّهُ قَدِمَات فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانَ مِنْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللَّهَ اَنْ يُبَارِكَ لَهُمَا فِي لَيْلَتِهِمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَرَأَيْتُ تِسْعَةَ اَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرُّوا الْقُرْآنَ. (رواه البخاری)

(۵۷۶) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدائے تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں۔ ایک ان کا قول اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بَلْ فَعَلْتُهُ کَیْرُهُمْ (یہ کام اس نے کیا ہے جو ان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جب کہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارہ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گزر رہا تھا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسینہ ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

(۵۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) اِلَّا ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُ فِیْ ذَاتِ اللَّهِ قَوْلُهُ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَقَوْلُهُ بَلْ فَعَلْتُهُ کَیْرُهُمْ هَذَا . وَ قَالَ بَيْنَا هُوَ ذَاتَ یَوْمٍ وَ سَارَةٌ اِذْ اَتٰنِیْ عَلٰی جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ هٰهٰنَا رَجُلًا مَعَهُ اِمْرَءَةٌ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ

(۵۷۶) * حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کواکب پرستی کا زور تھا ایک دن ان کی قوم نے عید منانے کے لیے باہر جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں انہوں نے پہلے سے اپنے دل میں بتوں کے خلاف ایک اسکیم تیار کر رکھی تھی جب چلتے وقت انہوں نے اصرار کیا تو انہوں نے ان کے دستور کے مطابق پہلے تو ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا گویا انہیں بھی علم نجوم میں بڑا دخل تھا پھر ادھر ادھر دیکھ کر فرمایا کہ ”اِنِّیْ سَقِیْمٌ“ میں تو بیمار پڑنے والا ہوں۔ اب بھلا ایسا انسان کون سا ہے جو کبھی بیمار نہ پڑے۔ بات تو بالکل صاف اور سچی تھی لیکن وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے یہ بات ستاروں کو دیکھ کر سمجھی ہے جب وہ چلے گئے تو ان کے پیچھے انہوں نے بتوں کو توڑتاڑ برابر کیا واپس آ کر جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اس وقت ان کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا اس لیے ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی سادگی سے فرمایا کہ یہ کام تو اس کا معلوم ہوتا ہے جو ان سب میں بڑا ہے۔ یہ بات بھی بالکل صاف تھی کہ ”میرا“ ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو پتھر پر یوں بھی قدرتی بزرگی حاصل ہے مگر ایسا لفظ استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ یہ سب سے بڑے بت کا کام ہے ان سے پوچھ دیکھو اس طریقہ سے ان کو قائل کرنا منظور تھا کہ جو بت نہ اپنے آپ کو بچا سکیں اور نہ دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں اور نہ ایک حرف بول سکیں ان کی عبادت کرنی کتنی ناتواں بات ہے یہ دو واقعہ تو وہ تھے جو خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے....

فَسَأَلَ لَهُ مِنْ هَذِهِ قَالَ أُخْتِي فَاتِي سَارَةَ فَقَالَ
لَهَا إِنَّ هَذَا الْجَبَّارَ إِنْ يَعْلَمُ أَنَّكَ أَمْرًا تُنِي
يَعْلَبُنِي عَلَيْكَ فَإِنَّ سَأَلَكَ فَأَخْبِرِيهِ أَنَّكَ
أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ لَيْسَ عَلَيَّ وَجْهِ الْأَرْضِ
مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكَ فَارْسَلِ إِلَيْهَا فَاتِي
بِهَا قَامَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّي فَلَمَّا
دُخِلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَا وَلَهَا بِيَدِهِ فَأَخَذَ وَ
يُرَوِّى فَعَطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ فَقَالَ أَدْعِي
اللَّهَ لِي وَلَا أَضْرُكَ فَدَعَتِ اللَّهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ
تَنَا وَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأَخَذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ
أَدْعِي اللَّهَ لِي وَلَا أَضْرُكَ فَدَعَتِ اللَّهَ
فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَاجَتِهِ فَقَالَ إِنَّكَ لَمْ
تَأْتِنِي بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتَنِي بِشَيْطَانٍ فَأَخَذَهَا
هَاجِرَ فَاتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ

پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں انہوں نے فرمادیا میری
بہن۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے
بادشاہ کو یہ علم ہو گیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہذا اگر وہ
تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے
اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مؤمن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا
وہ حاضر کر دی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہو گئے جب
وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بد بخت نے بدنیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ
بڑھایا فوراً اس کا گلہ پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہاں تک کہ وہ
اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کر میں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا۔ حضرت
سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا بد بخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی
طرح پھر اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ وہ پھر چیخا میرے لیے دعا
کر میں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہو گیا۔
اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو میرے پاس کوئی انسان نہیں
لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت کے وقت حضرت سارہ کی خدمت میں حضرت

ﷺ پیش آئے۔ تیسرا واقعہ بھی خالص دینی ہی معاملہ تھا۔ عصمت ایک شرعی حق ہے اور اس کا بچانا بھی شرعی فرض ہے لیکن اس کا ایک
گونہ تعلق خود ان کے ساتھ بھی تھا۔ یہ تینوں واقعات دینی اور دنیوی نظر سے جتنے اہم تھے اس کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان
کے لیے جو توریہ کے الفاظ استعمال فرمائے وہ ثناء ہی ثناء کے قابل تھے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی بلند نظر میں یہ توریہ بھی
ایک جھوٹ نظر آ رہا ہو اور وہ اس پر بھی اتنے نادم ہوں کہ مارے شرم کے محشر میں نظر بھی اونچی نہ کر سکیں اور جب اہل محشر ان کی خدمت میں
شفاعت کے لیے حاضر ہوں تو وہ یہ عذر کر دیں کہ مجھ سے دنیا میں تین جھوٹ سرزد ہو چکے ہیں آج بھلا میں اس قابل کہاں۔ بہر حال جب
اس پیکر حق و صداقت کی نظروں میں اس توریہ کو کذب سمجھا گیا تو ان کے سب سے لائق فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا
کہ وہ دنیا میں تشریف لا کر اپنے والد بزرگوار کی اس عظمت کو ظاہر کر دیں کہ جن کو وہ روز محشر کذب تصور فرمائیں گے اول تو وہ خالص اللہ
تعالیٰ کی راہ میں تھے پھر ان کی حقیقت بھی اتنی تھی اس لیے حدیث میں اس توریہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لفظوں میں کذب ہی سے تعبیر
کیا گیا ہے۔ بعض علماء کو یہ مشکل پیش آ گئی ہے کہ جب ان کی حقیقت صرف توریہ تھی تو پھر حدیث میں ان پر کذب کا اطلاق کیوں ہوا۔ اور
ذرا سے اس عقلی شبہ کی بنیاد پر انہوں نے ایک متفق علیہ حدیث کا انکار کر دیا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے خود اپنے شان کے نامناسب سمجھ کر اپنے حق میں ان کو کذب شمار کیا تھا تو حدیث میں بھی اس نقطہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ صفائی
جرم سے قبل فرد جرم معلوم ہو جائے اس کے بعد یہ واضح کر دیا جائے کہ جن واقعات کی حقیقت صرف ایک مستحسن توریہ ہو وہ بھی بانی ﷺ۔

مَهْمِمْ قَالَتْ رَدَّ اللَّهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِي نَحْرِهِ
فَأَخَذَ مَا جَرَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمَّكُمْ
يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ.

(متفق علیہ)

(۵۷۷) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قُرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ
أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوُضُوئِهِ فَقَالَ لَهُمُ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ
عَلَى هَذَا قَالُوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ
يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبَّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
فَلْيُصْدُقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ إِذَا
أُتِمِّنَ وَلْيُحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ.

(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

(۵۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ
كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (رواه مسلم)

ہاجرہ کو پیش کیا۔ جب سارہ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول
تھے اشارہ سے پوچھا کہو کیا حال رہا انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بدعتی
کا نتیجہ اس کو دکھا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں
اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہ تھیں تمہاری ماں۔ (متفق علیہ)

(۵۷۷) عبد الرحمن بن قراذ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرامؓ آپ کے وضو کا پانی لے لے کر اپنے
جسموں پر ملنے لگے۔ آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انہوں
نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں
اس پر آپ نے فرمایا۔ اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک
خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا
رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہیے کہ جب بات کیا کرے تو
سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا
ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کا پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا
ہی معاملہ کیا کرے۔ (شعب الایمان)

(۵۷۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ
جو سن پائے اسی کو (قبل تحقیق) دوسروں سے نقل کر دے۔ (مسلم)

لہ ملت حنفیہ کی نظر میں کتنی اہمیت اختیار کر گئے تھے حتیٰ کہ محشر میں بھی ان کی نظریں نیچی تھیں ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میں سے جس جس
نے بھی اپنی تقصیرات کا ذکر کر کے شفاعت سے انکار کیا ہے کیا وہ سب اسی درجہ کی تقصیرات تھیں کہ اگر ان حضرات کے سوا کسی اور بشر سے سرزد ہوتیں
تو وہ ان کو اپنے حسنات کے دفتر میں ایک درخشندہ حسنہ شمار کرتا اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ و للعاقل تکفیه الاشارہ۔

(۵۷۷) * حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے مجددین راہ محبت کو سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبہ محبت بے
شک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذب سے طے نہیں ہوگی۔ اس کے لیے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے
ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے۔ دوسری صفت امانت داری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ
ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آ جائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری
ہمدردیوں کا مرکز بن جائے۔ ان تین صفتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مومن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں جیسا کہ نفاق کے باب میں
آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

(۵۷۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَتَمَثَّلُ فِي صُورَةِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيثِ مِنَ الْكُذْبِ فَيَتَفَرَّقُونَ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا أَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا أَدْرِي مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ. (رواه مسلم)

(۵۸۰) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَوْ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَأَبِي مَسْعُودٍ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي زَعْمُوا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ.

(رواه ابو داؤد قال ان ابا عبد الله حذيفة)

الكف عن الفتك

(۵۸۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ قَيْدُ الْفُتْكِ لَا يَفُتِّكُ مُؤْمِنٌ. (رواه ابو داؤد)

(۵۷۹) ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اور ان سے ایک جھوٹی بات کہہ دیتا ہے جب وہ اس مجلس سے ادھر ادھر جاتے ہیں تو ان میں کا کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کر سکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا۔ (مسلم)

(۵۸۰) ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا۔ (راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا) ابو مسعود نے حذیفہ سے یا حذیفہ نے ابو مسعود سے کہ آپ نے کلمہ زَعَمُوا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت برا ذریعہ ہے۔ (ابوداؤد)

اچانک قتل کرنے سے بچنا

(۵۸۱) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں مؤمن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مؤمن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

(۵۷۹) * حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاص کر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حدیث بیان کرے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کر لینی چاہیے وہ کون ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے۔ اب رہا شیطان کا تمثیل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لا حاصل ہے۔

(۵۸۰) * ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغ غلوئی سے رہا کرنے کے لیے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کر کے بیان کر دینا کافی نہیں۔ شریعت کی نظر میں یہ بھی قابل مواخذہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کذب اور اشاعت کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے۔

(۵۸۱) * قتل کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر کی کوئی تمیز نہ ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مؤمن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا۔ بعض مرتبہ حالت جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سراڑ اڑے اگرچہ وہ ایک ہزار بار بھی کلمہ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آ کر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالت جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بے باک ہو سکتی ہے صحابہ کرامؓ کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں پاتی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوگئی تو وہی تلواریں نکالے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جواب دہی کے لیے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

لا یفرک مؤمن مؤمنة

(۵۸۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرُكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ.

(رواہ مسلم)

لا یروع مسلماً لاعباً او جاداً

(۵۸۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ رَجَالٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يَسْرُونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ إِلَى حَبْلِ مَعَهُ فَآخَذَهُ فَفَزَعَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا.

(اخرجه الامام احمد و ابوداؤد و الطبرانی قال الزین العراقي حديث حسن و رمز السيوطی لصحته)

(۵۸۴) عَنْ الْوَاقِدِيِّ قَالَ أَوَّلُ مَشْهَدٍ شَهِدَهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ عَشْرَةَ سَنَةً وَكَانَ مِمَّنْ يَنْقُلُ التُّرَابَ يَوْمَئِذٍ مَعَ الْمُسْلِمِينَ وَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ يَوْمَئِذٍ فَرَقَدَ فَجَاءَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ فَآخَذَ سَلَاحَتَهُ وَهُوَ لَا

مؤمن مرد کا مؤمنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

(۵۸۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مؤمن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مؤمنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔

(مسلم شریف)

کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

(۵۸۳) عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ متعدد صحابہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر (سورہا) تھا اٹھالی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد - ابوداؤد)

(۵۸۴) واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ غزوہ جس میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک ہوئے۔ غزوہ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انہیں نیند آ گئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ادھر) آ نکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لیے۔ (جب وہ بیدار ہوئے تو

(۵۸۲) * حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتیٰ کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دے دیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مؤمن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لیے یہ مؤثر اور مختصر اصول بتا دیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لیے یہ امر قابل تسلی ہونا چاہیے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مؤمنہ کا مصداق رہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

آپ کی خدمت میں آ کر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں میں نے لے لیے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمادی کہ (آئندہ) کسی مؤمن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔
(ابن عساکر)

مسلمانوں کے حقوق

(۵۸۵) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں ظالم ہونے کی صورت میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپؐ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۶) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لیے آئینہ کی مثل ہونا چاہیے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کا ازالہ کر دے (ترمذی و ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔) (ابوداؤد)

يَشْعُرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَهُ عِلْمٌ بِسَلَاكِ هَذَا الْغُلَامِ فَقَالَ عُمَارَةُ بْنُ حَزْمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَخَذْتُهُ فَرَدَّهٗ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرَوَّعَ الْمُؤْمِنُ أَوْ أَنْ يُؤْخَذَ مَتَاعُهُ لَا لِعَبَا وَلَا جَدًّا. (اخرجه ابن عساکر)

حقوق المسلم

(۵۸۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَلِكَ نَصْرُكَ
آيَاہ. (متفق علیہ)

(۵۸۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرَاةَ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَى بِهِ أَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ وَفِي رَوَايَةٍ لَهُ وَ لَا بِي دَاوُدَ الْمُؤْمِنُ مِرَاةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكْفُ عَنْهُ ضِيْعَتُهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ.

(۵۸۶) * بعض علماء نے اسی حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صديقی مرآة امیط بها الاذى و غضب حسام ان منعت حقوقی

”میرے لیے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جب کہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔“

و ان ضاق امرًا او المت ملمة لجات اليه دون كل شقيق

”اگر کوئی اڑا وقت آجائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لیے ہونا چاہیے۔

(۵۸۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبَاتٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق عليه)

(۵۸۷) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَإِنْ مَرَّتْ بِهِ ثَلَاثٌ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدْ اشْتَرَكَ فِي الْآخِرِ وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْإِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهَجْرَةِ. (رواه ابو داؤد)

(۵۸۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مؤمن بھائی سے بات چیت کرنا بند کر دے اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہیے کہ قصد اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۵۸۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُودُهُ إِذَا مَرَضَ وَيَشْهَدُهُ إِذَا مَاتَ وَيُحْبِبُّهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُسَمِّتُهُ إِذَا اعْطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ إِذَا غَابَ أَوْ شَهِدَ. (ذكره صاحب المشكوة برواية النسائي)

(۵۸۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، مر جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے، اگر بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور حاضر و غائب یکساں اس کی خیر خواہی کرتا رہے۔ (نسائی)

توقیر المسلم

مسلمانوں کا اکرام

(۵۹۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

(۵۹۰) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۵۸۷) * حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی ابھی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں سورۃ بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزاء بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دی جاتی ہے۔ (۵۹۰) * اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو وہ ایک عام اسلامی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے۔

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔
(رواہ ترمذی)

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ لَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (رواہ الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۵۹۱) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی ایسا شخص مقدر فرمادیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

(۵۹۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ سِنِّهِ مَنْ يُكْرِمُهُ. (رواہ الترمذی)

(۵۹۲) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔
(ابوداؤد۔ بیہقی)

(۵۹۲) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَجْلَالِ اللَّهِ أَكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْعَالِي فِيهِ وَ لَا الْجَافِي عَنْهُ وَ أَكْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (رواہ ابوداؤد و البيهقي في شعب الإيمان)

(۵۹۳) اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آیا تھا (میں نے کیا دیکھا) کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں پھر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا فلاں کام پہلے کر لیا فلاں بعد میں کر لیا ہے (تو اب مجھے

(۵۹۳) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُونَهُ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوفَ أَوْ أَخَرْتُ

(۵۹۲) * وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل و انصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدائے تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدائے تعالیٰ کی فرمان برداری میں بوڑھا ہو گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لیے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطرۃ پس و پیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا ہاں اس کو کچھ تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدائے تعالیٰ کے خلیفہ عدل کا اکرام ہے۔ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں ایک خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور نیت کی گنجائش ہی نہیں اس تعلیم میں ایک بڑی گہری حکمت یہ ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم و معزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ذلت کی ابتداء ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے وہ جو حرکت بھی کرتا ہے اسی کے لیے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

شَيْنًا أَوْ قَدَمْتُ شَيْنًا فَكَانَ يَقُولُ لَا حَرَجَ إِلَّا عَلَى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذَلِكَ الَّذِي حَرَجَ وَهَلَكَ.

(رواہ ابو داؤد)

(۵۹۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُخَذِّلُهُ وَلَا يُحَقِّرُهُ. التَّقْوَى هَهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرَأٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُحَقِّرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ.

(رواہ مسلم)

کیا کرنا چاہیے) آپؐ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے۔ یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہو گیا۔ (بخاری شریف)

(۵۹۴) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کر سکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہو سکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کر سکتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا (کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لیے دل کا حال بھی دیکھنا چاہیے) برائی کے لیے بس اتنی ہی بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھے (یاد رکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (مسلم)

(۵۹۴) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی نظر میں عزت و احترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے مال کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتیٰ کہ ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فناء ہو جانا بھی معمولی بات ہے۔ ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی و ذلت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں نرمی و تواضع اور تکبر و ذلت کے مابین فرق نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی فرقہ کے طرز عمل سے تم کو یہ شبہ ہو گیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی سربراہ آوردہ قوم کی نظروں میں عزت شمار ہو جائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق و ملکات ہیں جو انسان کی علمی و عملی قوت کے ثمرات ہو سکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر و باطن کو عزت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی متغلب قوم کے آداب و معاشرت اختیار کر لینے کا نام عزت نہیں ہے۔ سوچو کہ قومی سر بلندی کے لیے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہو سکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت دفعہ قرار دے دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں کبھی معزز نہیں ہو سکتی اس لیے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تا کہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ۔ رہبانیت کا دور ختم ہوا یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہو جانے چاہئیں۔ خود با عزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تا کہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے۔

- (۵۹۵) عَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحَّزَحَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لِحَقًّا إِذَا رَأَاهُ أَخُوهُ أَنْ يَتَزَحَّزَحَ لَهُ.
- (۵۹۶) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرَّبْوِ الْإِسْطِطَالَةَ فِي عَرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ. (رواه ابوداؤد والبيهقي في شعب الإيمان)
- (۵۹۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتَّى يَعْمَلَهُ يَعْنِي مَنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ.
- (رواه الترمذی و قال هذا حديث غریب و لیس اسنادہ بمتصل لان خالد لم يدرك معاذ بن جبل)
- (۵۹۵) وائِلَةُ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول اللہ (آپ تکلیف نہ فرمائیے) صف میں کافی گنجائش ہے۔ آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے۔ (بیہقی)
- (۵۹۶) سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے۔ (ابوداؤد و بیہقی)
- (۵۹۷) خالد بن معدان، معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے۔ راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جسے وہ غلطی سے کر گذرا تھا اور اس پر اظہارِ ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوتِ اسلامی کے خلاف ہے)۔ (ترمذی)

- (۵۹۵) * انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ ہے کہ اکرامِ مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے اب بادشاہ و رعایا والد و مولود بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور و طریق کیا ہیں اس کے لیے مفصل ابواب کو دیکھنا چاہیے۔
- (۵۹۶) * اس اسلوب بیان میں ایک طرف مسلمان کی آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر و باہر مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبروریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ گویا دین میں یہ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہو تو اس سے ممانعت کے لیے جو سب سے قابل نفرت مثال ہو سکتی ہے وہ سود کی ہے۔
- (۵۹۷) * حضرت یوسفؑ کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا ﴿لَا تَشْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ﴾ (یوسف: ۹۳) خدا تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولای شرب) اب اس کو ملامت نہ کرو اس حدیث کی شرح اور طرح بھی کی گئی ہے۔

(۵۹۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَعَ مَنَافِقَ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيدُ بِهِ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللَّهُ عَلَى جَسَرِ جَهَنَّمَ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواه ابوداؤد)

(۵۹۸) معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچالیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لیے کوئی تہمت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے نہیں دے گا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا نہ بھگت لے۔ (ابوداؤد)

(۵۹۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفِضْ الْإِيمَانَ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ. (رواه الترمذی)

(۵۹۹) ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو ان کو عار نہ دلاؤ اور ان کے عیب جوئی کے درپے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا درپے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا ہمیں کیا حق ہے جب کہ صاحب حق ہی اس سے درگزر کر چکا پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرنا ہے اور اپنے حق میں بدخلقی کا ثبوت ہے شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عار دلا کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بد اخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

(۵۹۸) * احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو سزا اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لیے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی اہل جنت کو بھی باہم قلوب کی رنجشیں یہاں صاف کر لینی ہوں گی اسی لیے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اسی عیب کو پھر ساتھ لے کر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (طہ: ۱۲۳)

(۵۹۹) * انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون بشر ہے جس کے احوال کا تفقد کیا جائے تو اس میں کوئی نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لیے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے پس اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہیے لیکن اگر کوئی بد طینت دن دھاڑے بے حیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لیے سنت ستر نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہیے تاکہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے حدیث کے لفظ ”اتباع عورت“ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کے لیے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے مجرم کسی حرم مستحق نہیں۔

(۶۰۰) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ أَمْرًا مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيهِ حُرْمَتُهُ وَ يُنْتَقَصُ فِيهِ مِنْ عَرَضِهِ إِلَّا خَذَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نَصْرَتَهُ وَمَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِي مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ مِنْ عَرَضِهِ وَ يُنْتَهَكُ فِيهِ مِنْ حُرْمَتِهِ إِلَّا نَصَرَهُ اللَّهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيهِ نَصْرَتَهُ.

(رواہ ابوداؤد)

(۶۰۱) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عَرَضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّهُ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلَاهُ هَذِهِ الْآيَةَ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ.

(رواہ فی شرح السنہ)

(۶۰۰) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقع پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (نازک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کر دیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لیے کھڑا ہو جاتا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لیے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جا رہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔ جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کر دیتا۔ (ابوداؤد)

(۶۰۱) ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لیے جواب دہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتش دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

(۶۰۱) * ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران بن رہے جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیمات اسلامی پر صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔



الاشراک باللہ تعالیٰ و اقسامہ

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام

دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے اور ان بدیہی مسلمات میں کسی ایک بات کے انکار کا نام کفر ہے پس ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات قلب و زبان سے مان لیے جائیں اور کفر کی صورتیں بہت ہیں۔ لیکن دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود رہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے اس کی مثال ترازو کے دو پلوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے اور اختلاف کی بہت عجب نہیں کہ عالم میں مؤمنوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کا ایک راز یہ بھی ہو ورنہ بظاہر عالم میں مؤمنوں کی تعداد کافروں سے زیادہ ہونی مناسب تھی۔ پھر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بعض افعال بھی موجب کفر ہو سکتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال انسان کے قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے گئے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہاء ایسے افعال کے صدور سے بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی گو صریح دلیل تو نہیں ہوتے مگر وہ صریح کافروں کے افعال سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے افعال پر فقیہ تو کفر کا حکم نہیں لگاتا مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام احادیث کا اسلوب بیان صرف وہ نہیں جو ایک آئینی کتاب کا ہوتا ہے بلکہ ان میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کا مجموعہ بھی ہیں اس لیے ان کا اسلوب بیان بھی وہی ہے جو عام گفتگو کا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ترغیب و ترہیب کے موقع پر تمام شروط و قیود کا استیفاء نہیں ہوتا بلکہ ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو متکلم کے مقصد پر عمل پیرا ہونے کے لیے زیادہ سے زیادہ محرک ہوں۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ نے انبیاء علیہم السلام کے اظہار دعوت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ قابل قدر تحقیق ہے۔ اس میں نبی کی طرز دعوت کی بڑی تفصیل کی ہے اور خوب سمجھایا ہے کہ ان کے کلام کا اسلوب بیان کیا ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔ (دیکھو منصب امامت ص ۳۰)

حدیث و قرآن میں کفر کا اطلاق کچھ لغت کے قریب قریب ہے۔ کفر لغت میں حق ناشناسی کو کہتے ہیں اس لیے جہاں جہاں حق شناسی کی زیادہ ضرورت ہے اگر وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو حدیث ایسی حق ناشناسی کو کفر کہہ دیتی ہے۔ مثلاً ایک بی بی اگر اپنے شوہر کے احسانات کا حق نہیں پہچانتی تو وہ بھی بے شبہ بڑی حق ناشناسی کی مرتکب ہے اس لیے اس کو بھی حدیث میں کفر کہا گیا ہے اسی طرح ایک غلام اگر اپنے آقا سے منہ موڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس کی حق ناشناسی بھی کفر سے تعبیر کی گئی ہے اور سب سے بڑی حق ناشناسی یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ حقیقی سے منہ پھیر کر بھاگ جائے۔ بارش وہ برسائے یہ ستاروں کا شکر گزار ہو تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مرکز تو اس کی ذات ہو اور یہ دوسروں کی جہہ سائی میں مستغرق ہو ان کی ناموں کی قسمیں اٹھائے اور ان کے ناموں کے جانور ذبح کرے۔ تمام نفع و نقصان کا مالک تو وہ ہو اور یہ مصیبتوں میں اس کی بنائی ہوئی مخلوق کو

پکارے ان ہی سے مرادیں مانگے اور اپنی رغبت و رہبت کا اصل رشتہ ان ہی کے ساتھ قائم رکھے۔ اس قسم کی تمام باتیں حدیث و قرآن میں کفر کے ذیل میں آ جاتی ہیں خواہ ان میں نیت کچھ رہے اس تحقیق کی بنا پر کفر کی بہت سی اقسام اسلام و ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے فقہاء صرف اسی قسم کے کفر سے بحث کرتے ہیں جس سے ایک انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی قسم قابل اجتماع نہیں۔

اس کے علاوہ حدیثوں میں ایسے افعال جو کافروں میں بہ نیت شرک و کفر کیے جاتے تھے مطلقاً کفر ہی کے افعال سمجھے گئے ہیں خواہ ان میں اس درجہ کی فاسد نیت نہ ہو۔ جن افعال کا قالب اتنا خطرناک ہو کہ ان میں صریح کفر کی اتنی قریب استعداد موجود ہو کہ ذرا غفلت کرنے سے وہ کھلا کفر و شرک بن جائیں۔ شریعت ان میں منطقی تحلیل کرنی پسند نہیں کرتی بلکہ ان کو بھی کفر ہی کے ذیل میں شمار کر لیتی ہے۔ اس اختلاف نظر اور اختلاف اسلوب کی وجہ سے فقیہ مزاج اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں تاویل کرتا نظر آتا ہے۔ ناواقف یہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہاں درحقیقت مسئلہ کا کوئی اختلاف ہوگا، حالانکہ یہاں مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف اختلاف نظر اور طریقہ تعبیر کا اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ محدث جو ایک ناشکر بی بی کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا یہ عورت دائرۃ اسلام سے خارج ہو گئی تو اس کے جواب میں وہ آپ کو ٹھیک ایک فقیہ کے ہم آہنگ نظر آئے گا اور جواب نفی ہی میں دے گا۔ اسی طرح محدث کے نزدیک ایک مسلمان میں کفر کی باتیں پائی جا سکتی ہیں مگر اس کے باوجود اس کو کافر نہ کہا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس مسلمان میں یہ خصلت کفر کی ہے اسی طرح ایک کافر میں اسلام کے شعبے پائے جاسکتے ہیں مگر صرف ان شعبوں کی وجہ سے اس کو مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ اس کافر کے بہت سے کام اسلام کے ہیں۔ محدث کے نزدیک اسلام اور کفر علیحدہ علیحدہ عقائد اور اعمال کا ایک ایک مجموعہ ہیں۔ اس مجموعہ میں بہت سے اجزاء ہیں اور یہ اجزاء بیش و کم ہوتے رہتے ہیں بلکہ کبھی اسلام کے اجزاء کافر میں اور کفر کے مسلمان میں بھی پائے جاتے ہیں مگر نہ صرف ان اجزاء کے ہونے سے ایک کافر مسلمان بنتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کافر۔ ہاں ان کی یہ دو زندگیاں ضرور کافریا مسلمان کی زندگیوں کے مشابہ بن جاتی ہیں۔ البتہ جب ان اجزاء میں اشتراک ہوتے ہوتے عقائد میں بھی اشتراک کی نوبت آ جاتی ہے۔ تو اس مرحلہ پر پہنچ کر اسلام و کفر کی سرحدیں پھٹ جاتی ہیں اب یا کافر ٹھیک مسلمان کہلانے لگتا ہے اور یا مسلمان پر صاف ارتداد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ فقیہ کے زیر بحث کفر و اسلام کا صرف وہی ایک نقطہ ہوتا ہے جس میں کفر و اسلام کے مابین اشتراک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جس جزء کے لحاظ سے احکام دنیا میں فرق پیدا ہوتا ہے وہ یہی ایک نقطہ ہوتا ہے۔ بقیہ اجزاء اگر مسلمان یا کافر میں کم و بیش ہوتے رہیں تو ان سے احکام دنیا میں کوئی تفاوت نہیں پڑتا یعنی مسلمان پر اسلام کے اور کافر پر کفر ہی کے احکام چلتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں محدث کی نظر میں صرف دنیوی احکام نہیں ہوتے وہ بارگاہ خداوندی کی پسندیدگی، ناپسندیدگی اور جنت کے مراتب پر بھی حاوی ہوتی ہے۔ اس لیے جن اجزاء سے اس بارے کوئی تفاوت پیدا ہو سکتا ہے وہ بھی دنیوی احکام کی طرح اس کے زاویہ نظر میں داخل رہتے ہیں۔

اس کی نظر میں مسلمان و کافر کی دو زندگیاں بالکل جداگانہ ہیں۔ عبادات ہی میں نہیں بلکہ باہم معاشرت کے ایک ایک جزء

میں بھی۔ اس لیے وہ کبھی ایک مسلمان میں کافر کی زندگی کے مشابہت دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا خواہ دنیوی احکام کے لحاظ سے اس کا حکم کچھ بھی رہے۔ اگر فقیہ بھی ان حدیثوں کو محدثانہ نقطہ نظر سے دیکھے تو وہ بھی ان میں کبھی تاویل نہیں کرے گا اور اگر یہاں ایک محدث فقیہ کی جگہ آجائے تو وہ بھی وہی رنگ اختیار کر لے گا جو یہاں ایک فقیہ اختیار کرتا پس ان دونوں فرقوں کے مابین مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں، ان میں اختلاف صرف تعبیرات اور اپنے اپنے موضوع فن کا ہے۔

اس تحقیق کے بعد اب یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہیے کہ فلاں کافر سے جب کہ بہت سے نیک کام سرزد ہوتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ ایسے اچھے اچھے کام صادر ہوتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی صادر نہیں ہوتے تو پھر ایسے انسان کو کافر کیسے کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں بلاشبہ وہ اچھے ہی کام ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ اسلام کے شعبے بھی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے بغیر کیا صرف ان شعبوں کے وجود سے کسی پر اسلام کا حکم لگایا جاسکتا ہے اس کے برعکس بعض مسلمانوں میں کافروں سے بدتر زشت کاریاں نظر آتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ مرحلہ بھی آ گیا ہے جس کے بعد ایک شخص حرم اسلام سے حتمی طور پر باہر ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان تمام زشت کاریوں کے باوصف اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ اگرچہ اس کا یہ اسلام کتنا ہی ناقص ہو مگر اس کو ہرگز کافر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اختلاف نظر تو وہ تھا جو علمی دائرہ میں داخل تھا۔ اس سے آگے چل کر اختلاف جذبات و مذاق کا نمبر آتا ہے۔ ایک دور وہ تھا جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا بلند تھا کہ حظلہ جیسے صحابی کو اپنے نفس کے متعلق نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا اور ان کو اتنا مضطرب بنا دیتا تھا کہ اس کی شکایت دربار نبوت تک میں پیش کرنے کی نوبت آ جاتی تھی اور ایک دور انحطاط یہ ہے جب کہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا گر چکا ہے کہ اس میں عقائد کی کوئی بحث ہی باقی نہیں رہی ایک شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خواہ کتنا ہی گندا ہو اس کی ذات و صفات سے وہ کتنا ہی جاہل ہو رسول کے مقام رفیع سے وہ کتنا ہی ناواقف ہو عالم غیب اور اس کے ایک ایک جزء کا وہ کتنا ہی منکر ہو اور اعمال شرعیہ کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی مقصر ہو نماز کے قریب نہ جاتا ہو ساغرے مے منہ سے جدا نہ کرتا ہو مگر منصف ہو ہمدرد ہو متواضع ہو ایثار پیشہ ہو اور نوع انسانی کا خادم کہلاتا ہو وہ ایک پکا مسلمان کہلا سکتا ہے بلکہ اس کا یہ اسلام ایک پکے مسلمان سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھا جاسکتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

و یقال للرجل ما اعقله و ما اظرفه و ما
اجلده و ما فی قلبه حبة خردل من
ایمان .

یعنی ایک زمانہ آئے گا جب کہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل، کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا۔

یہ اسی دور انحطاط کی طرف اشارہ ہے اس لیے جو حدیثیں صحابہؓ کے ارفع و اعلیٰ مذاق پر آئی ہیں وہ بھی ہمارے دور میں قابل تاویل نظر آنے لگی ہیں ان کی تاویل کرنی بھی غلط ہے۔ اگر آج ہمارا مذاق پھر اتنا ہی بلند ہو جائے تو ہم بھی وہی تعبیرات اختیار کر لیں گے جو صحابہؓ نے کیں تھیں۔ خلاصہ یہ کہ محدثین و فقہاء کے اختلاف نظریا ہمارے اور سلف کے اختلاف مذاق کی وجہ سے جو حدیثیں زیر بحث آ گئی ہیں ان میں اصل مقصد کا اختلاف نہیں ہے وہ سب ایک ہی اصول کے ماتحت ہیں۔ ان میں کسی قسم کا

اختلاف سمجھنا خلاف واقع ہے۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے لیے سب سے بدنام داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اس کی عبادت اور اس کی حدود و عظمت میں کسی اور کو شریک بنالینا قرآن و حدیث اس کا اعلان کرتے ہیں کہ قدرت نے ہر انسان کی فطرت شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف بنائی ہے اس کو اس قسم کی نجاستوں سے ملوث کرنے کا مجرم یا تو وہ خود ہے یا اس کے والدین ہیں۔ پروردگار عالم نے تخلیق عالم سے پہلے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش قابل معافی ہو سکتی ہے مگر کفر و شرک کا جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا اس کو ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائے تعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

(۱) إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ. (النساء: ۱۱۶)
بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا۔
(۲) إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ.
بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ رہے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ (سورۃ المائدہ: ۷۲)

قرآن کریم کہتا ہے کہ شرک خدائے تعالیٰ پر سب سے بڑا افتراء سب سے بڑھ کر بے دلیل بات اور نفس انسانی کے لیے ایک ابدی موت ہے جو روح قالب انسانی جیسے اشرف قالب میں بھی شرک کرنے سے نہیں بھرمائی وہ اس قابل نہیں ہے کہ قفس عنصری سے آزادی کے بعد اس کو کوئی عروج میسر ہو۔ اب وہ ذلتوں کی تار یک گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گرتی ہی چلی جائے گی۔ اسی لیے قرآن عزیز میں شرک کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ. (الحج: ۳۱)
اور جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے تو اس کا حال ایسا ہے جیسا وہ آسمان پر سے گرا پھریا تو اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ لے جا کر ڈال دے۔

'شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم جڑ سے فنا کر دیتا ہے اور اس کی روحانی ترقی کی تمام استعدادیں باطل کر دیتا ہے شدہ شدہ اس کی فطرت کا یہ استعدادی فقدان اس کے حواس ظاہرہ کو بھی اتنا متاثر کر دیتا ہے کہ وہ پوری صحت و سلامتی کے باوجود اپنے فطری احساس سے بھی یکسر معری اور معطل ہو کر رہ جاتے ہیں اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا فرمایا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا
ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔
یہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے

(الاعراف: ۱۷۹) ہوئے۔

چونکہ ان کے حواس ظاہرہ کا یہ تعطل ان کے قلبی استعداد کے فقدان سے شروع ہوتا ہے اسی لیے آیت بالا میں سب سے پہلے ان کی قلبی موت اور قلبی بے حسی کو ذکر کیا گیا ہے۔ جب کسی کے ظاہری اور باطنی حواس اس طور پر معطل ہو جاتے ہیں تو اب اس سے عالم قدس کی طرف طیران کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی اسی کو ختم اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حقیقت کو ذیل کی آیت میں ادا فرمایا گیا ہے۔

صُمُّ بُكْمٌ عُمِّي فُهِمٌ لَا يَرْجِعُونَ. (البقرہ: ۱۸) وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اور اندھے ہیں سو وہ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر تحریر فرماتے ہیں اگر راہ گیر کے کان ہوں تو وہ کسی کے بتائے سے راستہ پر آ سکتا ہے اگر منہ میں زبان ہو تو وہ از خود پوچھ سکتا ہے۔ اور اگر اس کی آنکھیں ہوں تو خود راستہ دیکھ بھی سکتا ہے لیکن جس کے یہ تمام حواس بیکار ہو چکے ہوں اس کے لیے راہ یاب ہونے کی کیا صورت ہے اس کے لیے تو یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اسفل السافلین میں جا پڑے اور ان حیوانات سے بھی نیچے کے طبقے میں چلا جائے جن کے حواس اپنے آقا کی شناخت میں اس درجہ تو معطل نہیں ہوتے۔ حافظ ابن قیمؒ نے شرک پر ایک بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی اصل حقیقت کسی مخلوق کو خالق کے مشابہ بنادینا یا اپنے نفس کو خالق کے مشابہ سمجھ لینا ہے۔ یہ مشابہت ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو خدائے قدوس کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نفع و نقصان اور عطاء و منع کا مالک وہی ہے۔ اس خصوصیت کو قرآن کریم میں جگہ جگہ نمایاں کیا گیا ہے اور مشرکین کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب تمہارے معبود اس خصوصیت کے حامل نہیں تو تم نے کیوں کر ان کو خدا کا شریک تسلیم کر لیا ہے۔

قُلْ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا. (مائدہ: ۷۶) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے برے کا مالک ہو نہ نفع کا۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفِ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا. (بنی اسرائیل: ۵۶) آپ کہہ دیجئے جن کو تم اللہ کی ذات پاک کے سوا معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تو سہی وہ نہ تو تمہاری کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ. (یونس: ۱۰۶) اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔

قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ مُشْرِكُونَ. (الانعام: ۶۴) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی سے بچاتا ہے اس پر بھی تم شرک کرتے ہو۔

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے خوف ورجا کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رکھا جائے اور اسی کی ایک ذات وحدہ لا شریک پر بھروسہ کیا جائے۔

خدائے تعالیٰ کی ایک اور خصوصی صفت اس کے سامنے اظہار بندگی بھی ہے۔ عبودیت اور بندگی کی حقیقت دو چیزیں ہیں

انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو سجدہ کیا جائے، اسی کے نام کی قسم کھائی جائے اور اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جو ہر پہلو سے کامل ہی کامل ہو اور اس میں عیب و نقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو اس لیے انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز بھی اسی کا حق ہو سکتا ہے اسی کا نام عبادت ہے۔ نہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک ہے نہ عبادت میں اس کا کوئی اور شریک ہونا چاہیے۔ اب اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور میں کسی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہ اس میں اس کی الوہیت کی صفت بھی تسلیم کرتا ہے۔ شرک کی یہ صورت تو مخلوق کو خالق کے ساتھ مشابہ بنانے کی تھی۔ اب خود خالق کے مشابہ بننے کی صورت یہ ہے کہ غرور و تکبر کی وجہ سے لوگوں سے اپنی مدح سرائی کا طلبگار رہے اس کا خواہش مند ہو کہ وہ اس سے خوف کھائیں اس سے امیدیں وابستہ رکھیں اور اسی کو مشکلات میں اپنا مرجع و ماویٰ سمجھیں۔ یہ تو خاص الوہیت کی خصوصیات میں تشبیہ یا تشبہ کی صورتیں تھیں۔ خدائے قدوس کی بارگاہ بلند میں تو رسمی تشبہ کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اسی بنا پر حدیثوں میں ملک الاملاک (شاہان شاہ) نام رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۸۲ تا ۱۸۴)

شرک کی انواع و اقسام اور عالم کے مختلف فرقوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہمارا مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لیے ہم یہاں صرف اس مختصر بیان پر کفایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عالم کے مشہور فرقے یہ ہیں۔

ثنویہ: یہ دو خالق مانتا تھا ایک خیر کا خالق دوسرا شر کا۔ اس کے سوا کوئی فرقہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کا قائل نہ تھا۔ البتہ شرک کی اور بہت سی مختلف صورتوں میں گرفتار تھا۔

صابیہ: ان کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی خاص صفات جیسے صفت و جوب، قدرت اور علم و حکمت میں اگرچہ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں مگر چونکہ اسی نے عالم کا نظم و نسق ارواح کو اکب کے حوالہ کر دیا ہے اس لیے تعظیم و تکریم اور عبودیت و نیاز کے جتنے آداب ہیں وہ سب ان ہی کے سامنے ادا کرنے چاہئیں۔ اس فرقے کی مفصل تحقیق ابو بکر رازیؒ نے جن کو بھصاص بھی کہا جاتا ہے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے صابین اور اہل اسلام کی عبادت میں ایک اہم فرق پر تنبیہ کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گروہ کو اکب اور ملائکہ کی عبادت میں مبتلا تھا اور ان کا نام عقول اور نفوس رکھا کرتا تھا اور خالق و مخلوق کے مابین ان کو ایک واسطہ تصور کرتا تھا ان کے مقابلہ میں ملت حنیفیہ تھی۔ جب ملت حنیفیہ نے ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو انہوں نے الزام کے طور پر کہا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ تم بشر کا واسطہ مانتے ہو یعنی رسول کا اور ہم روحانیات کا۔ اس لیے ہم تم سے افضل رہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل و نحل میں ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روحانیات کی نسبت سے بشر ہی کو واسطہ بنانا افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے اس معارضہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرستانی کو بھی دین حنیف کی پوری حقیقت منکشف نہیں ہو سکی حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف میں خدائے تعالیٰ کی عبادت

میں واسطہ کسی کو بھی نہیں بنایا جاتا نہ کسی ملک کو نہ کسی بشر کو اور نہ کسی روحانیت کو۔ یہاں اگر رسولوں کا واسطہ ہوتا ہے تو صرف خدا تعالیٰ کے امر و نہی پہنچانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کے لیے۔ رسول کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نماز کے امام کی یا حاجی کے ساتھ مسئلہ بتانے والے معلم کی جیسا معلم حاجی کو صرف احکام حج بتاتا چلتا ہے ایسا ہی رسول بھی صرف خدائے تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرتا ہے۔ حاجی کا معلم ہو یا نماز کا امام دونوں خدائے تعالیٰ کی عبادت میں قطعاً واسطہ نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بھی اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بلا واسطہ عبادت کرنے میں شریک ہوتے ہیں اس کے برعکس صابین عبادت ہی میں روحانیت کا واسطہ تعلیم کرتے ہیں۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۳۰۲)

حافظ ابن تیمیہ کی یہ تحقیق نہایت قابل قدر ہے اور اس سے اسلام کی توحید کی پاکیزگی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ آج مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فرقے صابین کی طرح انبیاء اور اولیاء کو خدائے تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اسی کو اپنی عبادت کی قبولیت کا معیار سمجھتے ہیں بلکہ ان کا شرک صابین سے بھی زیادہ عبرتناک ہے ان کا حال ان مشرکین سے بہت ہی مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ
رُفْقَى. (الزمر: ۳)

ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ذرا قریب کر دیں۔

ہنود: ان میں جو فرقہ ذرا ترقی یافتہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مدبر عالم درحقیقت حسین و جمیل روحانیت ہیں چونکہ وہ ہمیں آنکھوں سے نظر تو آتی نہیں اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نام کے سونے اور چاندی کے خوبصورت خوبصورت بت تراش کر ان کے سامنے آدابِ عبودیت بجالائیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو اور وہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے کاموں میں ہماری مدد کیا کریں۔

دوسرا فرقہ جو ان میں ذرا جاہل ہے اس کا خیال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک خود تو اپنی برتری و تجرد کی وجہ سے ہماری عبادت سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ اب اس کی عبادت کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہم اپنا قبلہ توجہ بنالیں لہذا حیوانات، نباتات اور جمادات میں جو بھی انہیں آثارِ عجیبہ اور خواصِ غریبہ کا حامل نظر آ یا اسی کو انہوں نے اپنی عبادت کا قبلہ توجہ مقرر کر لیا جیسے دریاء گنگا، یا تلسی کا درخت یا طاؤس وغیرہ۔

ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے مقدس و بزرگ بندے ریاضات و مجاہدات کے بعد جب منازلِ قرب طے کر لیتے ہیں تو وفات کے بعد ان کی روحوں کو ایسی وسعت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر بن جاتے ہیں اور عالم میں پورے پورے تصرف کے مالک ہو جاتے ہیں اس لیے وفات کے بعد ان کی خوشنودی کے لیے ان کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیے اور ان کو سجدہ کرنا چاہیے تاکہ وہ ہم سے خوش رہیں اور دین و دنیا میں ہماری امداد کریں۔ ان سب فرقوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کی ذات میں تعدد کے قائل تھے بلکہ توحید کے قائل ہو کر خدائی تصرفات اور خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَلَسِنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ. (العنكبوت: ۶۱)
اگر آپ ان سے پوچھیں بولو کس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا اور کس نے
سورج اور چاند کو کام میں لگایا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔
وَلَسِنُ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ
الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ. (العنكبوت: ۶۳)
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اسی سے
زمین کو زندہ کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں متعدد جگہ موجود ہیں ان میں کفار کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب خالق کی اصل صفات
تمہارے نزدیک بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہیں تو پھر تم الوہیت اور خالقیت کے حقوق میں دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔
قرآن کریم میں جو بات بہت صاف صاف اور بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا نفع و نقصان پہنچانے
کی طاقت اور کسی میں نہیں اس کی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے یہ طاقت نہ کسی دوسرے میں بالذات موجود ہے اور
نہ اپنی جانب سے خدائے تعالیٰ نے کسی اور مخلوق کے حوالہ کی ہے حتیٰ کہ دنیا میں سب سے بزرگ ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی
ہیں پھر ان میں سب سے بزرگ تر ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہ طاقت و قدرت آپ کو اپنے جان و مال کے بارے
میں بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس بارے میں اپنے عجز کا دنیا کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیں تاکہ
عجائب پرست دنیا نہ تو آپ سے اس قسم کے تصرفات کی فرمائش کرے آپ کو تنگ کرے اور نہ آپ کی زندگی میں حوادث کا
مشاہدہ کرے آپ کی رسالت میں شکوک و شبہات نکالے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کی شکست میں ایک بڑی حکمت ان کے اسی عجز کا
اظہار بھی ہو۔ اسی لیے فتح و ظفر کے عظیم الشان مظاہرے اور ہزیمت و شکست کے حوصلہ شکن مواقع پر ہمیشہ یہی بات دہرائی جاتی تھی
کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۲۶) اترانے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اگر کامیابی ہو تو یہ مت سمجھو کہ
تمہاری طاقت کے بل بوتے پر ہوئی ہے اور اگر ناکامی ہو تو بھی یہ گمان مت کرو کہ فتح کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ فتح
و نصرت کا تمام معاملہ صرف اسی کی ذات پر منحصر ہے وہ چاہے تو تیرے کو ڈبا دے اور چاہے تو ڈو بے کو ترادے۔ اور یہ خوب سمجھ لو
کہ جو تھوڑی بہت قدرت تم کو عطا ہوئی ہے وہ صرف تمہارے کام چلانے کے لیے عطا ہوئی ہے وہ اتنی نہیں کہ تم دنیا کے تمام
فائدوں کو حاصل کر سکو یا اس کے نقصانات سے اپنی کمزور جان کو بچا سکو۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا
شَاءَ اللَّهُ. (الاعراف: ۱۸۸)
آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں
مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے صرف اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی واشگاف کر دیا گیا کہ جن کے متعلق تمہارا یہ خیال خام ہو وہ بھی اس کے مالک نہیں بلکہ خود
اللہ خوف و ہراس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا
يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تَحْوِيلًا. أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ
کہہ دو (ذرا ان کو) پکارو جن کو تم نے اس کے سوا (خدا) سمجھ رکھا ہے وہ
اس کا اختیار نہیں رکھتے کہ تم سے تکلیف کو دور کر دیں اور نہ اس کا کہ اس
کو بدل کر کسی دوسرے پر ڈال دیں یا اس کو ہلکا ہی کر دیں جن کو یہ

إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا. (بنی اسرائیل: ۵۶ و ۵۷) اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے پروردگار تک وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے اور یہ اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے اس پر یہ آیت اتری یا یوں کہا جائے کہ جن فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود پکارتے ہو وہ نہ مستقل کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ تمہارے نفع نقصان پہنچانے کی ان میں قدرت ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے تقرب کی تلاش میں لیل و نہار سرگرداں ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے لئے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنائیں جو خود اپنی فکر میں ہیں وہ تمہارے تفکرات بھلا کیا دور کر سکتے ہیں وہ تو خود ہی رجاء و بیم کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدائے تعالیٰ کی غیب درغیب ذات کی طرف اگر کوئی میلان و انجذاب پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اسی لئے کہ اس کے نزدیک اس کے نفع و نقصان کا رشتہ اسی کی قادر و توانا ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس کے اس اعتقاد میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ میلان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندہ خدا ہونے کے بجائے بندہ اسباب بن جاتا ہے۔ اس کی زبان پر اگر ذکر ہوتا ہے تو اسباب کا اس کے قلب میں اگر محبت ہوتی ہے تو ان ہی کی خوف ہوتا ہے تو ان ہی سے۔ حتیٰ کہ اس کے جملہ عواطف و میلانات کا مرکز یہی اسباب بن جاتے ہیں اور شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفع و نقصان کے اصلی مالک سے اس کو ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ اس کے تذکرہ سے بھی اسے کوئی لگاؤ نہیں رہتا بلکہ انقباض ہونے لگتا ہے جو کیف اور جو ذوق و شوق اس کو یا رسول اللہ اور یا غوث کے نعروں میں میسر آتا ہے وہ نعرہ یا اللہ میں نصیب نہیں ہوتا جس محبت سے وہ بزرگوں کی نذر و نیاز کرتا ہے اس کے عشر عشر سے خدا کی واجب کردہ قربانی ادا نہیں کرتا یہ تو حید کا عمق نہیں بلکہ مبادی کفر و شرک ہیں۔ ذیل کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ. (البقرة: ۱۶۵)

انسانوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو بتوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی خدا تعالیٰ کی ذات سے مگر جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْتَمَزَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ 'الْخ. (الزمر: ۴۵)

اور جب نام لیا جاتا ہے ایک اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل رک جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا نام لیا جائے تو خوش ہونے لگتے ہیں۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا

اور وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں اس کے نام کا ایک حصہ رکھتے ہیں پھر اپنے خیال کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ (نیاز) تو

فَمَا لَشُرِّكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ. (الانعام: ۱۳۶) ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسفل السالفین اسی وادی شرک کا نام ہے جو ضلالت کی اس کھائی میں جا پڑا۔ سمجھ لو کہ وہ مخلوقات کے سب سے نیچے طبقے میں جا پہنچا۔ اب وہ اشرف المخلوقات نہیں رہا بلکہ سب سے رذیل تر مخلوق بن گیا۔ سورہ والتین میں انسان کے اس سوء انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عالم ایسے نادان فرقتے بہت ہی شاذ و نادر گذرے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں شرکت کے قائل ہوں۔ اکثر فرقتے عبادت ہی میں شرک کیا کرتے تھے اور اس ضلالت میں یہاں تک تجاوز کر گئے تھے کہ ان کے نزدیک معبود حقیقی کا نمبر باطل معبودوں سے بھی نیچے گر گیا تھا۔ اس تمام گمراہی کی بنیاد صرف یہی تھی کہ ان کے عقیدے میں ان کے نفع و نقصان کا رشتہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مرکز بھی شرک فی العبادت کی تردید ٹھہر گیا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ. (الانبیاء: ۲۵) یعنی اس جہان میں جو رسول بھی آیا وہ یہی ایک سبق لے کر آیا کہ جب اللہ ایک ہی ہے اور اس کا شریک کوئی نہیں تو پھر تم صرف اسی ایک ہی کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور اس میں دوسروں کو کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ تو حید الوہیت کا اصل منشا تو حید فی العبادۃ ہی کی تعلیم تھی۔ الوہیت کی تو حید امر مسلم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک تمہیدی چیز سمجھی گئی تھی۔ مشرکین عرب اگرچہ بہت سے خدا تسلیم کرتے تھے مگر صاحب تصرف ایک ہی کو مانتے تھے بقیہ سب کو اس کا ماتحت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا بتاؤ کفر کے زمانہ میں تم کتنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا سات خداؤں کی چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا اچھا تو امید و بیم کے مواقع پر کس کو یاد کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اس کو جو آسمان میں ہے۔

وَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ. (العنکبوت: ۶۵) جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو نجات پاتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب کبھی کفار کسی نزعے میں پھنس جاتے تو اس وقت سب کو بھول کر اللہ ہی کی ذات پاک کو یاد کرتے۔

ہمارا منشا یہ نہیں کہ قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شرک فی الذات کی تردید شامل ہی نہ تھی بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے کلام میں جس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا وہ شرک فی العبادت کی تردید تھی۔ اسلام کے جملہ ابواب میں اور ہر بات کے جملہ

فصول میں جس نکتہ کی ہر ہر جگہ رعایت ملحوظ رہی ہے وہ بھی شرک فی العبادۃ ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے اصل مقصد توحید فی العبادۃ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات: ۵۶) ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے۔

اس لیے شیطانی طاقتیں ہمیشہ اسی مقصد میں خلل اندازی کی فکر میں رہتی ہیں اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اسی کے مقابلہ کے لیے آنے چاہئیں۔ اور ان کی بساط شریعت بھی اتنی صاف ہونی چاہیے کہ اس میں شرک فی العبادۃ کی کوئی ادنیٰ سی شکن بھی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے۔ اسی لیے شرائع سماویہ میں سب سے کامل شریعت وہی ہونی چاہیے جس کے حدود تو حید سب سے زیادہ مستحکم ہوں۔ اسی نکتہ کے پیر نظر اسلام نے ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے جس میں کفر و شرک کی ادنیٰ رمق بھی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرنے کی بدولت شرک میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ذات کے متعلق اطراء اور مبالغہ آمیز کلمات سے ہی نہیں روک دیا بلکہ عام توقیر و تعظیم کی بھی ایسی حد بندی فرما دی کہ پھر اس راستہ سے کفر و شرک کا کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اسلام میں الوہیت کا تخیل صرف مجرد ہی مجرد نہ تھا اس میں خوف و طمع کے دونوں جذبات بھی شامل تھے۔ اس لیے یہاں بھی ایسے مضبوط بند لگا دیئے کہ اب نفع و نقصان اور خوف و طمع کے لیے ایک مسلم کی نظر میں کوئی دوسری چوکھٹ ہی باقی نہ رہی مگر اس کو یہ نہیں سکھایا کہ وہ کسی سے محبت نہ کرے کسی کا خوف نہ رکھے بلکہ یہ سکھایا کہ محبت کرے تو خدا کی خاطر اور ڈرے تو اسی ایک خدا کی خاطر۔ اس نے غیر اللہ سے نفع و نقصان کے تمام رشتے توڑ ڈالے اور صرف مالک حقیقی مے بیم و رجاء کا ایک رشتہ اس کے قلب میں راسخ فرما دیا اس کے دماغ کو صرف صریح شرک و کفر کی نجاستوں ہی سے پاک و صاف نہیں کیا بلکہ اس کو ایسا نازک بنا دیا کہ اگر اس کے گرد و پیش میں کہیں کفر و شکوک کا احتمال بھی ہو تو مارے تعفن کے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ اپنا نام غلام غوث اور عبد النبی رکھنے میں وہی ناگواری محسوس کرنے لگا جو عبد المطلب یا عبد شمس یا عبد مناف یا عبد العزیٰ جیسے نام رکھنے میں محسوس کرتا۔ اس کی نظر میں سب سے پیارا نام وہ بن گیا جس میں اس کی نسبت عبدیت اسی ذات کی طرف ہو جس کا وہ درحقیقت عبد تھا یعنی عبد اللہ اور عبد الرحمن۔ اسے جان آفریں کے سوا کسی اور کے نام پر جان قربان کرنے میں غیرت آنے لگی۔ وہ خدا کے گھر کی طرح اپنے گھروں کو لباس پہنانے سے شرماتے لگا بتوں کی طرح اینٹوں اور پتھروں پر غلاف چڑھانے سے نفرت کرنے لگا جب اس کے کان میں ہو الباری المصور کی آواز آئی تو مصوّر حقیقی کی نقالی کرنے سے اس کی آنکھیں نیچی ہو گئیں اس کے ہاتھوں میں ریشہ پیدا ہو گیا اور اس کا قلم تصویر ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

اسلامی توحید کی ان نزاکتوں کا اندازہ آپ کو ذیل کی احادیث سے ہوگا۔ نسائی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ لفظ کہا ماشاء اللہ و شئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے فوراً اس کو منع کیا اور ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔ جعلتہنسی للہ ندأ تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا "قل ماشاء اللہ وحده" (بس یوں کہہ جو صرف ایک اللہ چاہے)۔

امام احمد ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حدیفہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تقولوا ماشاء

اللہ و شاء فلان قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان - یعنی اگر سب حقیقی کے ساتھ تم کسی وقت سب ظاہری کا بھی ذکر کرنا چاہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بالکل برابر اس شخص کا نام ذکر کرو جو ظاہر میں اس کا سبب بنا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادب یہ ہے کہ پہلے تم صرف اللہ تعالیٰ کا نام لو اس کے بعد پھر دوسرے نمبر میں اس شخص کا نام بھی لے سکتے ہو۔ حدیث شریف میں تین آدمیوں کے امتحان کا ایک طویل قصہ مذکور ہے ان میں ایک مبروص (مرض برص والا) تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ ان کا امتحان یوں مقدر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بصورت آدمی ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آیا اور ان سے اپنی حاجت ان الفاظ میں ظاہر کی فلا بلاغ لی اليوم الا باللہ ثم بک۔ آج کے دن میری حاجت روائی کے لیے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا پھر اس کے بعد ظاہری اسباب میں آپ کی ذات نظر آتی ہے۔ پس جب اسلامی توحید کی نزاکت اتنا بھی برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی مخلوق کے نام کی صرف عبارت اور لفظی مساوات بھی گوارا کی جائے تو اس کے حقوق میں کسی کی مساوات کب برداشت کر سکتی ہے۔ اسلام نے توحید صرف علمی دائرہ میں نہیں سکھائی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تاکید کی ہے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کس طرح اس کا نقش انسان کے قلب و دماغ پر جم سکتا ہے اس لیے اس نے عام گفتگو میں بھی کسی کو یہ آزادی نہیں دی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوسرے ناموں کی طرح جس طرح جی چاہے زبان پر لے آئے بلکہ یہ تنبیہ کی ہے کہ اس کی ہستی کا نقش عظمت اس کے قلب میں اتنا گہرا ہونا چاہیے کہ جنب کبھی بات کرتے کرتے وہ اس کے باعظمت نام پر جا پہنچے تو یہاں پہنچ کر اس کی زبان لکنت کر جائے اور وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے نام کے ساتھ اس کی تعبیری مساوات بھی گوارا نہ کر سکے یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان کے ایک ایک عمل سے توحید اس طرح نہ ٹپکنے لگے اس وقت تک اس کی توحید بھی صرف ایک دماغی فلسفہ کہلائے گی، عملی دائرہ میں اس کو شرک سے کیا امتیاز ہوگا۔

ایک سطحی نظر کا شخص تو حدیث مذکور کو صرف ایک تعبیری اصلاح سمجھے گا مگر ایک علم النفس کا ماہر اس کا پورا ادراک کر لے گا کہ فطری طور پر کسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی اس سے زیادہ موثر کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی۔ اگر آپ کو کتاب الایمان میں احسان کی بحث فراموش نہیں ہوئی تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس مقام پر احسان کا ایک اور سبق دیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مؤمن کے قلب و دماغ پر حق تعالیٰ کی ذات قدسی صفات کی محبت کا اس درجہ استحضار اور غلبہ ہو جانا چاہیے کہ کچھ عبادات ہی میں نہیں بلکہ عام بات چیت میں بھی اس کی غیرت۔ اس کی عظمت و توحید کے خلاف کوئی ادنیٰ ٹھیس برداشت نہ کر سکے۔ بقول شخصے۔

شرکت غم میں نہیں چاہتی غیرت میری غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

جب تک ایک مؤمن کا قلب خدائے تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے پر اسی درجہ غیور نہ ہو جائے وہ مقام محبت سے آشنا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس وادی سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک ذوق احسان سے بھی آشنا نہیں ہوتا۔ جب اس تصور کے ساتھ آپ اپنی زبان سے ماشاء اللہ و شاء فلاں کا فقرہ ادا کریں گے تو اس وقت اس معمولی سے کلمہ کی تلخی آپ کی زبان محسوس کر لے گی اور اسی وقت حدیث کی اس تعبیری گرفت کی حکمت بھی آپ پر روشن ہو سکے گی۔ اسی قسم کے ضمنی مقامات سے ایک فہیم شخص کو یہ اندازہ لگانا

چاہیے کہ اس نبی عظیم الشان کی معرفت کا عالم کیا ہوگا جس کی شریعت میں تو حیدر بانی کا ایک عام ادب یہ ہو کہ سرسری بول چال میں بھی خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شرکت و مساوات قائم کرنا حقیقی شرک کی برابر مکروہ سمجھا جاتا ہو۔ اسلام کی تو حید سمجھنے کے لیے آپ کھلی کھلی آیات اور واضح احادیث کی طرف مت جائیے یہ تو اس کے ابتدائی اسباق ہیں بلکہ ان عملی گوشوں کو بڑے غور سے ملاحظہ کیجئے جن کی سطح میں بظاہر تو حید کا کوئی سبق نظر نہیں آتا مگر جب ذرا غور کیجئے تو اس کے عمق میں اصل مقصد وہی ایک درس تو حید ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مسلسل ایک نوع کا عمل نہیں کر سکتا اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے اس لیے شریعت نے اس کے لیے مختلف لذتوں کی مختلف عبادتیں مقرر فرمادی ہیں لیکن ان سب کا اصل مقصد وہی ایک نشہ تو حید پیدا کرنا ہے اب آپ ذرا جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجئے وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لیے ہوتی ہے جس کے لیے اور فرض نمازیں پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اگر آپ غور سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک جسد میت کو سامنے رکھ کر اس کی طرف رکوع و سجود کرنا شاید اسلام کی تو حید برداشت نہیں کرتی۔ خیر یہ تو ایک انسان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کر بھی لیتی ہیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لیے سامنے گاڑ دی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ بھی ٹھیک سامنے نہ ہونی چاہیے بلکہ ذرا دائیں بائیں سمت مائل ہونی چاہیے تاکہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عبادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاد دہانی میں ذرا بھی مدد و معاون ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل کے پار لے کر اتر آئے تو یہاں ان کی قوم نے دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بڑے حسرت کے انداز میں وہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔
 قَالُوا يَمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْهَتَّةُ وہ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کے لیے بھی ایسا ہی ایک بت بنا
 قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ دیجئے جیسے بت ان کے ہیں انہوں نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل

(اعراف: ۱۳۸) ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر صحبت تربیت یافتہ صحابہ اتنے تو نہیں گرے لیکن ایک موقع پر جب انہوں نے دیکھا کہ مشرکین نے ایک درخت مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو ذات انواط کہا کرتے ہیں تو وہ بھی بے ساختہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی درخت مقرر فرما دیجئے ہم بھی اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کریں گے ذرا سوچئے اس میں شرک کی کیا بات تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو بھی نہایت اہمیت دی اور بہت تشدید آمیز لہجہ میں اس طرح تنبیہ کی کہ تمہاری یہ فرمائش ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی وہ فرمائش تھی اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ الْهَتَّةُ۔ یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب معاملات میں جہاں آپ کی کوئی خاص شریعت نازل نہ ہوتی مشرکین عرب کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے۔ پس اسلام نے ہر ہر موقع پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہو سکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی

ہے۔ ہمارے فقہاء اس حقیقت کو خوب سمجھے تھے اور اسی لیے انہوں نے فرمایا کہ جو حیوان کبھی کسی قوم کا معبود رہ چکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جو کبھی معبود غیر اللہ بن چکی ہو اس کو بھی سترہ نہ بنانا چاہیے اور اس کی طرف بھی نماز نہ ادا کرنی چاہیے۔ اسی طرح طلوع و غروب میں نماز سے ممانعت کی حکمت بھی یہی ہے کہ یہ اوقات بھی مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ہماری عبادت جہاں ان سے مقصد نیت اور اپنی ترتیب و صورت میں ممتاز ہے اسی طرح وقت میں بھی ممتاز رہنی چاہیے یہ کوئی تنگ نظری نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کی بعید سے بعید رشتوں کے قطع کرنے کی سب سے بہتر صورت ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے لَا تَأْتُوا الصَّلَاةَ وَ أَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَأَتُوْهَا وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ الخ نماز کے لیے دوڑتے بھاگتے نہ آیا کرو بلکہ اس طور پر وقار کے ساتھ آیا کرو گویا تم سرتاپا سکون و وقار ہو۔

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مخصوص ادب میں جو بڑی حقیقت پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لیے جب ایک مخصوص مکان مقرر کر دیا گیا اس کے لیے ایک اعلان بھی کیا گیا اور اس کے بعد یہ نظر آنے لگا کہ مختلف سمتوں سے مختلف جماعتیں کسی ایک مقصد کے لیے کسی ایک جگہ جمع ہونے جا رہی ہیں اگر وہ بہت زیادہ بھاگ بھاگ کر جائیں گی تو دیکھنے والوں کے دماغ میں یہ نقشہ آ سکتا ہے کہ جس طرح اور مذاہب کو ان کے معبود کسی ایک جگہ رکھے ہوئے مل جاتے ہیں شاید ان کو بھی اپنا معبود کسی مسجد وغیرہ میں رکھا ہوا مل گیا ہے جس کی طرف یہ ایسے والہانہ انداز میں بھاگے جا رہے ہیں اس لیے فرمایا کہ تم بھاگ مت کرو بلکہ اس طرح جایا کرو کہ ہر دیکھنے والا سمجھ جائے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں کچھ بھی نہیں ہے تم کسی ایسے معبود کی تلاش میں ہو جو اس مکان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔ شیخ اکبرؒ کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ شدت شوق میں کسی سفر میں چیخ چیخ کر نعرہ بٹے تسبیح و تہلیل لگا رہے تھے آپ نے ان کو اتنے چیخنے سے منع فرمایا اور کہا کہ تمہاری اس حرکت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب شاید تمہارے پاس نہیں کہیں غائب ہے یا اگر موجود ہے تو سنتا نہیں ہے اس کو آہستہ پکارو کیونکہ وہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی تمہارے قریب ہے اونٹ پر سواری کے وقت جو چیز سوار کو سب سے قریب نظر آتی ہے وہ اس کی گردن ہی ہوتی ہے اس لیے نفسیاتی طور پر اس کے قرب کا نقشہ جمانے کے لیے یہی سب سے عمدہ مثال تھی فرمایا انکم لا تدعون اصم و لا غائبا۔ تم تو اس کو پکارتے ہو جو ہمہ وقت سنتا ہے اور جواب دیتا ہے پس اسلامی توحید تو اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ تمہارے کسی عمل سے خدائے تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے متعلق کوئی ایسا موہوم سے موہوم نقش بھی پیدا ہو سکے جو اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہو۔ چہ جائیکہ اس میں شرک کے آثار صاف صاف نمایاں ہو رہے ہوں۔ کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع و سجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے۔

یہی حقیقت مشرکین کے لباس، وضع و قطع اور معاشی و معاشرتی مخالفت میں بھی پنہاں ہے اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ توحید و شرک کا امتیاز صرف علمی مرتبہ میں نہ رہے بلکہ ایک موحد و مسلم کی رگ رگ سے بھی ٹپکنے لگے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جو حق تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقہ عبادت ہو اگر مشرکین بھی اسے اختیار کر لیں تو ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہمارا خود

کوئی اصل مرکز اور مقام ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راہِ مستقیم کے ہم مالک ہیں اگر اس میں دوسرے لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں تو یہ ان کے شرک میں اسلامی تعلیم کا ایک عکس ہوگا اگر اس میں کچھ ناگواری کی بات ہو تو ان کے لیے ہونی چاہیے نہ یہ کہ ہمیں اپنا مقام چھوڑ کر اس سے ہٹ جانا چاہیے۔ اسی لیے مشرکین کی مخالفت میں اسلام نے ملتِ حنیفیہ کی اتباع ترک نہیں کی بلکہ الٹا ان کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اس میں تم ہمارے تابع ہو اگر تم اس کی اتباع کرتے ہو تو اس وجہ سے ہم اپنے اصل حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَ هَذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِينَ آمَنُوا. (آل عمران: ۶۸) ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور مسلمان (جو ایمان لائے)۔ یہ فرق اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ تم ملتِ حنیفیہ کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہو اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آؤ دیکھیں ملتِ حنیفیہ کی صحیح اتباع کیا ہے۔

وَقَالُوا أَكُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (بقرہ: ۱۳۵) کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہِ یاب ہو گئے آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے حضرت ابراہیم کی راہ اختیار کی جو ایک ہی طرف کے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ تم تو صرف مدعی ہو مگر ان کے تابع ہم ہیں بلکہ ان کی اتباع کا بڑا حق ہمارا ہے اس لیے ہم کسی حالت میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جو نعرہٴ مستانہ حضرت خلیلؑ اپنی ذریت میں بطور یادگار چھوڑ گئے وہ تو یہ ہے۔

قُلْ إِنْ صَلَوَتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. (الانعام: ۱۶۲) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادات، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے فرمان برداروں میں پہلا فرمان بردار ہوں۔

(حضرت) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی لیکن حنیف تھے یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم کے بڑے فرمان بردار اور مشرک نہ تھے۔

ان عمیق اور حقیقت سے لبریز کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی توحید کا پورا پورا نقشہ صرف زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے سے عیاں نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ انسانی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے گوشے سے بھی ظاہر نہ ہونے لگے اور اس کا ہر ہر عمل اسی ایک ذاتِ پاک کے لیے اس طرح خالص ہو کر نہ رہ جائے کہ اس میں اللہ اور لاشریک لہ کے مثبت اور منفی ہر دو پہلو جدا جدا ممتاز نظر نہ آنے لگیں یعنی اس کا اللہ ہونا بھی نمایاں ہو جائے اور شرک کے خلاف ہونا بھی اسی درجہ پر نمایاں ہو جائے۔ توحید کے دعوے کے ساتھ جہاں پہنچ کر مداخلت کی ادنیٰ سی ادنیٰ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے وہ اس کا یہی منفی پہلو ہے اور اسی پہلو کے نمایاں ہو جانے

سے اسلام و کفر میں کھلا ہوا امتیاز ہو جاتا ہے۔ شرک کی عام فضاؤں میں جب کبھی خدا کے برگزیدہ نبی آئے تو ان کا مقصد صرف توحید کا پرچم لہرا دینے سے پورا نہیں ہوا جب تک کہ انہوں نے علم کفر کو سرنگوں بھی نہیں کر دیا۔ اس لیے ان کے دعووں میں کبھی کوئی ایسا خلخل نہیں ہوا جس کے بعد کفر کو ان سے اپنے ساتھ سازگاری کی کوئی ادنیٰ سی طمع بھی باقی رہ گئی ہو۔ وہ ہمیشہ ایک ٹھوس اور علیحدہ جماعت بنانے کا پروگرام لے کر دنیا میں آئے اور جب تک ان کا یہ مقصد پورا نہ ہو لیا روز و شب اسی کے لیے سرگرم عمل رہے ان کی اس پالیسی سے اگر کسی فرد یا جماعت نے اتفاق نہ کیا اور دونوں طرف لگے رہنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کو منافق کا لقب دے کر اپنی جماعت سے ہمیشہ ایک علیحدہ جماعت سمجھا۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے مرحلے پر جتنا اس کا مثبت پہلو اہم ہوتا ہے اتنا ہی اہم اس کا منفی پہلو ہو جاتا ہے اگر آپ اتنی بات سمجھ گئے ہیں تو اب سورۃ قل یا ایہا الکافرون میں ایک ہی مضمون کو دو دو پہلوؤں سے ادا کرنے کا راز بھی سمجھ گئے ہوں گے یعنی کفر و اسلام کے دو راستوں کی واضح علیحدگی کے لیے یہی ایک تعبیر تھی جس کے بعد ان کے مابین سازگاری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ سکتی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام و کفر کے درمیان کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا جس جگہ کفر ہے وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں کفر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کے ساتھ ساتھ کفر کی کسی ایک ادا کو بھی نبھایا نہیں جاسکتا اسی لیے قرآن کریم نے ایمان پر امن مرتب ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس میں شرک کا کوئی میل نہ ہونا چاہیے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ

(سورۃ انعام : ۸۲) ہیں۔

ایک نصرانی شخص صرف کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا بھی صاف و صریح اقرار نہ کر لے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ ہی تھے یہ اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ توحید الہی کے ساتھ لاشریک لہ کا مظاہرہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک جملہ شرکاء پر لا کی شمشیر نہیں چلائی جاتی اس وقت تک صحیح طور پر نعرہ توحید بلند نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں ظاہری افعال شرک سے منع کیا ہے اسی طرح ان باریک باریک فروگزاشتوں سے بھی روکا ہے جن سے ایک موجد کا اچھا خاصہ عمل مشرک کے عمل کے مشابہ بن جاتا ہے مثلاً ریاء و شہرت پسندی جو عمل خواہ وہ اپنی شکل و صورت میں کتنا ہی توحید کا عمل سمجھا جائے لیکن اگر وہ ریاء و شہرت پسندی سے آلودہ ہو جائے تو اسلامی نظر میں وہ بھی ایک قسم کا شرکیہ عمل سمجھا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے عمل کے صالح ہونے کے لیے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ شرک کی اس قسم سے بھی پاک و صاف ہونا چاہیے اور ایسے ہی عمل کا نتیجہ لقاء رب ہو سکتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

تو جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو تو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ

(الکھف : ۱۱۰) کرے۔

یہاں ”لایشرک“ کی تفسیر لایرائی سے کی گئی ہے یعنی جس شخص کے پیش نظر لقاء رب جیسا اہم مقصد ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک عمل کیا کرے اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بنایا کرے۔ اس آیت میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس امر پر یہاں زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وہی خدائے تعالیٰ کی عبادت میں شرکت کی ممانعت ہے۔ ذاتی شرکت کا مسئلہ بھی گو کم اہمیت نہیں رکھتا وہ بھی ایک بدترین کفر ہے لیکن شرک کی جس خطرناک جھاڑی میں ایک مدعی توحید بھی الجھ سکتا ہے وہ صرف شرک فی العبادۃ ہے اور اس کی ایک نہایت دقیق اور باریک قسم ریاء و شہرت پسندی ہے قرآن کریم نے شرک میں عام ابتلاء کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف : ۱۰۶)

اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔

یعنی ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں۔ غرض قرآن عزیز یہ اعلان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی کے متلاشی کہاں مارے مارے پھرتے ہیں ان کے لیے اس کی ملاقات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ نیک عمل کریں یہ تو اس کا مثبت پہلو ہوا اور اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اس کی عبادت میں شرک کی کسی نوع کی آلودگی بھی پیدا نہ ہونے دیں یہ منفی پہلو اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات نیک عمل میں بھی شرک خفی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ایسا عمل گو نیک نظر آئے مگر درحقیقت نیک نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح خدائے تعالیٰ کی توحید بھی اس وقت تک خالص توحید نہیں کہلاتی جب تک کہ اس کے ساتھ لا شریک لہ اور ما انا من المشرکین کا اعلان بھی صاف صاف نہیں کر دیا جاتا۔ آج بھی اگر آپ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں تو اس میں بھی آپ کو توحید کا مثبت پہلو جتنا صاف اور واضح نظر آئے گا اتنا واضح اس کا دوسرا منفی پہلو نظر نہیں آئے گا خوب یاد رکھئے جب تک کہ اس کا یہ پہلو بھی اتنا ہی واضح نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی توحید کا نقشہ بھی نامکمل رہے گا۔ مشکل دعویٰ توحید نہیں اس میں تو اکثر تو میں آپ کی ہم آہنگ ہیں جو مرحلہ مشکل ہے وہ تمام شرکاء اور باریک سے باریک شریکوں سے بیزاری ہے اور اس سے بڑھ کر اس بیزاری کا اعلان ہے اسی لیے کلمہ لا الہ الا اللہ میں مثبت پہلو کی بنیاد منفی پہلو پر قائم کی گئی ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد غالباً اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلامی توحید کو اور مذاہب کی توحید سے کتنا امتیاز ہے ان کی توحید تو ابدیت اور تثلیث کے عقیدہ کے باوجود قائم رہ سکتی ہے مگر اسلام کی توحید ریاء و شہرت پسندی کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی پس جس شرک سے ایک مسلمان کو بچنا ہے وہ صرف خدا کی ذات میں شرک نہیں اس کی عبادت میں شرک بھی نہیں بلکہ شرک کی وہ نوع بھی ہے جو اس کے خالص سے خالص عمل میں بھی خفیہ طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مسلم کو بھی اس سے رستگاری نصیب نہیں ہوتی۔

برایہی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے

ہوں چھپ چھپ کے سینہ میں بنا لیتی ہے تصویریں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک فی الذات شرک فی الصفات (یعنی خدا تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھنا) اور

شرک فی العبادت تو حقیقی شرک کے اقسام تھے۔ شرک فی القمیہ، شرک خفی (یعنی ریا، و شہرت پسندی) اور عقیدہ توحید کے ساتھ بعض اور نازیبا طریقے جو اگرچہ شرک نہ ہوں مگر عملاً شرک حقیقی کے مشابہ ہوں یہ سب شرک اور قابل ترک ہی سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ ان کی سرحدیں حقیقی شرک کے ساتھ اتنی ملی جلی ہوتی ہیں کہ ان میں ذرا سی لغزش سے حقیقی شرک میں جا پڑنے کا ہر وقت احتمال ہوتا ہے اس لیے مذہب کی صحیح اتباع یہ نہیں کہ ایسے افعال کو تاویل کر کے کیا جائے اور خوب اصرار کے ساتھ کیا جائے صحیح اتباع یہ ہے کہ جن افعال سے کفر کی بو بھی آئے ان کو بھی کفر کی طرح ترک کر دیا جائے تاکہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِ کین کا پہلو اپنی پوری حقیقت کے ساتھ نمایاں ہو جائے اور کُفْرَہُ اَلِیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوقُ وَ الْعِصْیَانِ کا پورا پورا نقشہ سامنے آ جائے۔ اس کے بعد یہاں شرک کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف عام نظریں نہیں پہنچیں اس پر محقق امت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم شرک فی الطاعت بھی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی اطاعت کرنی ایسی اطاعت کہ اس میں خدائے تعالیٰ کے رسول اور اس کے مبلغ ہونے کی حیثیت بھی ملحوظ نہ رہے حتیٰ کہ اگر اس کا حکم خداوندی حکم کے خلاف بھی ہو جب بھی اسی کی اطاعت کی جائے اس کا نام مستقل اطاعت ہے یہ صرف ایک خدائے وحدہ لا شریکؑ کا حق ہے اس لیے اس میں بھی کسی کو شریک بنانا ایک قسم کا شرک ہی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اہل کتاب کی اس نوع کی اطاعت کو شرک ہی سے تعبیر کیا ہے۔

اتَّخِذُوا اٰحْبَارَهُمْ وَ رُہْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ. (توبہ : ۳۱)

ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے) عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔

آیت بالا کی تفسیر میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل کتاب نے تو اپنے احبار و علماء کو کبھی ارباب نہیں بنایا تھا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا انہوں نے اپنے احبار کو مستقل مطاع کی حیثیت نہیں دی کیا جس کو انہوں نے حلال کہہ دیا انہوں نے اس کو حلال نہیں سمجھ لیا اور جس کو حرام بنا دیا اس کو حرام نہیں سمجھ لیا۔ اطاعت کا یہ منصب صرف ایک رب العزت کے لیے زیبا تھا جب انہوں نے یہ منصب اٹھا کر اپنے احبار کے سپرد کر دیا تو یہی اتخاذا رباب اور شرک ہے۔ اس مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ استنباط فرمایا کہ قرآنی نظر میں اس درجہ کی اطاعت بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو مستقل اطاعت کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کی اطاعت کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ. (الانعام: ۱۲۲) اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے۔

رہی غیر مستقل اطاعت جس میں مطاع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اطاعت رب العزت کے حکم کے ماتحت ہوتی ہے جیسے رسول، مجتہدین امت، سلاطین و امراء، شوہر، والدین اور غلام کی اپنے مالک کی اطاعت اس لیے یہ شرک بھی نہیں بلکہ بعض مرتبہ فرض اور واجب بھی ہوتی ہے۔ عبادت اور اطاعت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت غایت تذلل اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار ہے۔ یہ اسی کے لیے مناسب ہے جس میں غایت درجہ عظمت موجود ہو ایسی عظمت کہ اس سے

برتر وہم و گمان میں نہ آ سکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات میں منحصر ہے اس لیے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی کی شرکت کے لیے گنجائش نہیں اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے۔ اور اطاعت کے لیے صرف حکمرانی کی لیاقت درکار ہے یہ بطریق نیابت مخلوق میں بھی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے نیابت غیر اللہ کی اطاعت شرک نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امت کے چند فریق افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں ایک تو تاویل کر کے غیر اللہ کی عبادت جائز سمجھنے لگا اور دوسرا اطاعت مجتہدین کو شرک سمجھنے لگا اور کوئی اطاعت رسول کو بھی شرک کا ایک شعبہ قرار دے بیٹھا۔ یہ تمام راہیں حقیقت سے نا آشنا ہونے کی دلیل ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے پورے طور پر صاف کر دیا ہے۔ علمی لحاظ سے تو اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت سمجھنا ہی غلط ہے اس لیے وہ شرک کیسے ہو سکتی ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. (النساء: ۸۰) جس نے رسول کا کہا مانا اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔

اور عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جاسکتی ہے اور عملی دائرہ میں رسول کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کو خود قرآن کریم ہی نے فرض و واجب قرار دے دیا پھر اس کو شرک کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس عبادت میں کسی کی شرکت کو کسی نہج سے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ سی ریاء کی نیت کو بھی شرک سے تعبیر فرما دیا اور فوز و فلاح کے لیے اس سے بھی احتراز کرنا شرط اول قرار دے دیا پس جتنی بات قرآن کریم سے کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر سمجھی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ اشخاص یا جماعتوں کی اطاعت تو جائز ہے اور عبادت میں اس کا حکم ہی یہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک بھی نہ کیا جائے۔

أَمْرًا أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ. (یوسف: ۴۰) اللہ نے اس بات کا حکم دیدیا ہے کہ عبادت بجز اسکے اور کسی کی نہ کی جائے۔

پس مسئلہ تو اتنا صاف اور واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے لیکن تاویل کا دروازہ کب بند ہوا اس کو عبادت لغير اللہ کے مشتاق اور اطاعت رسول سے بیزار دونوں جماعتیں کھڑی کھٹکھٹا رہی ہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو صحیح فہم مرحمت فرمائے اطاعت رسول کے متعلق ہم حجیت حدیث کے ذیل میں زیادہ بسط کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے۔



الاشراک باللہ تعالیٰ ممالم یفطر علیہ الانسان

شرک انسان کی فطرت نہیں

(۶۰۲) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ
يَوْمٍ فِي خُطْبَةٍ أَلَّا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ
أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هَذَا
كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ
عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَأَنَّهُمْ أَتَتْهُمْ
الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَمَتْ
عَلَيْهِمْ مَا أَحَلَّتْ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ
يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَإِنَّ اللَّهَ
نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَّتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَ
عَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ
إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لَا بُتْلِيكَ وَابْتَلَى بِكَ وَ
أَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ
نَائِمًا وَ يَقْظَانِ وَأَنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أُحْرِقَ
قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذَا يَتَلَعَّوْا رَأْسِي فَيَدْعُوهُ
خُبْرَةٌ قَالِ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوكَ وَ
اغْزِهِمْ نُغْرَكَ وَ انْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَ
ابْعَثْ جَيْشًا نَبْعْتُ خُمْسَهُ مِثْلَهُ وَ قَاتِلْ
بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ.

(رواہ مسلم)

(۶۰۲) عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لیے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر ابھارا کہ میرا شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لیے بھیجا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لیے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اور اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انہوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم ان کی کچلی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لے کر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

(۶۰۲) * عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کیے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک و کفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس سے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی ...

(۶۰۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّ أَبَا سَلَامٍ حَدَّثَهُ أَنَّ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَأَنَّهُ كَادَ أَنْ يُطَيَّ بِهَا قَالَ عِيسَى إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَمَا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِنَّمَا أَنْ أَمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْيَى أَخْشَى أَنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخَسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسُ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَاُمْتَلَأُوا وَقَعَدُوا عَلَى الشَّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَأَأْمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ أَوْ لَهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنْ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصٍ مَا لَهُ بِذَهَبٍ أَوْ وَرَقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَإِذَا إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَأَنَّ اللَّهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لَوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ

(۶۰۳) زید بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو سلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہہ دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لیے کہہ دیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہہ دیجئے یا پھر میں ان سے کہہ دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لیے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کر دوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلا شرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتادے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دے دیا کرنا۔ یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دے دیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہذا جب تک نماز میں رہو ادھر ادھر دیکھنا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ

ﷺ خدا کے شریک ٹھہرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطاعة کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبدِ رحمن نہیں اسی کا بندہ ہے۔ جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔

(۶۰۳) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ نماز روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ و صدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ ان کی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم ﷺ

مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَ أَمَرَكُمْ بِالصَّيَامِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عَصَابَةٍ مَعَهُ صِرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ وَ كُلُّهُمْ يُعْجِبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا إِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ طَيِّبٌ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَ أَمَرَكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسْرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَ قَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَ الْكَثِيرِ فَفَدَا نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَ أَمَرَكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا أَمَرَكُمْ بِخُمْسِ اللَّهِ أَمَرَنِي بِهِنَّ السَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ وَ الْجِهَادُ وَ الْهَجْرَةُ وَ الْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَيْدٌ شَبِيرٌ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يُرَاجَعَ وَ مَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَ إِنْ صَلَّى وَ صَامَ فَقَالَ وَ إِنْ صَلَّى وَ صَامَ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّذِي سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادًا لِلَّهِ

(رواه الترمذی و قال هذا حدیث حسن

صحیح غریب)

رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لیے اس کو لیے جا رہے ہوں۔ یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آ رہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آ جائے اور اس میں آ کر اپنی جان کو دشمن سے بچا لے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدائے تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اسی کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانہ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس و خاشاک میں داخل ہوا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگر چہ وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ فرمایا اگر چہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ اس لیے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مؤمن رکھ دیا ہے۔ (ترمذی شریف)

لے... و نسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام و امیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لیے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جاسکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لیے مکمل ہے۔

الاشراک باللہ اقبح الاشياء عند اللہ

(۶۰۴) عَنْ عُمَرُو بْنِ شَرْحِبِيلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الذُّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ ثُمَّ قَالَ أَيُّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشِيَةً أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ ثُمَّ قَالَ أَيُّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَأَنْزَلَ تَصْدِيقُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ. (بخاری شریف)

(۶۰۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الذُّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ قُلْتُ لَهُ إِنَّ ذَلِكَ لِعَظِيمٌ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ. رواه مسلم وفي طريق آخر فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَهَا (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَذْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا).

(۶۰۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْ صَانِي حَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُطِعَتْ وَحُرِّقَتْ وَلَا تَتْرُكْ صَلَاةَ مَكْتُوبَةٍ مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الْأُمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواد ابن ماجہ)

شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

(۶۰۴) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھہرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد فرمایا کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے اس نے کہا پھر اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہو گئی۔ والذین لا يدعون... الخ۔ (بخاری شریف)

(۶۰۵) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھہرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بے شک یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ (بڑا ہو کر) کھانے میں تیرا شریک ہوگا۔ میں نے عرض کیا پھر فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرے۔ صحیح مسلم کے دوسرے طریقے میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔ (وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا).

(۶۰۶) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کر دی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۶۰۷) ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائے، نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔ (متدرک)

(۶۰۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اور اس کے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا۔ صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آجائے۔ (کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مر جائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادے گا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔ (ایضاً)

(۶۱۰) ابویوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک و صاف مر جائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (احمد و شیخین)

(۶۱۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخش دوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنہ)

(۶۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

(۶۰۷) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَيُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ فَسَأَلُوهُ مَا الْكَبَائِرُ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَقَتْلُ النَّفْسِ. (رواه الحاكم في المستدرک)

(۶۰۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهِ مَا لَمْ يَقْعِ الْحِجَابُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ أَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ. (رواه البيهقي في كتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَعْدِلُ بِهِ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ جِبَالِ ذُنُوبٍ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ. (ایضاً)

(۶۱۰) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه احمد و الشيخان)

(۶۱۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ عَلِمَ أَنِّي ذُو قُدْرَةٍ عَلَى مَغْفِرَةِ الذُّنُوبِ غَفَرْتُ لَهُ وَمَا أَبَالِي مَا لَمْ يُشْرِكْ بِي شَيْئًا.

(رواه في شرح السنه)

(۶۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے ”خداے تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔“ دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لیے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگزر فرمادے۔ (شعب الایمان)

(۶۱۳) معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا بھی حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وباء پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا (اور بھاگنا مت) (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے رہنا۔ (۹) بنظر ادب اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹانا (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے بھی رہنا۔ (احمد)

(۶۱۴) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابوطالب کو ہو

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِينَ ثَلَاثَةَ دِيَوَانَ لَا يَغْفِرُ اللَّهُ إِلَّا شِرَاكَ بِاللَّهِ يَقُولُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ دِيَوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللَّهُ ظَلَمَ الْعِبَادَ فِيمَا بَيْنَهُمْ حَتَّى يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَ دِيَوَانٌ لَا يَغْبَادُ اللَّهُ بِهِ ظَلَمَ الْعِبَادَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اللَّهِ فَذَاكَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَذْبَةٌ وَ إِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

(۶۱۳) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَ إِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ وَ لَا تَعْقَنْ وَ الدِّيكَ وَ إِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَ مَالِكَ وَ لَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوبَةً فَإِنْ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَ لَا تَشْرِبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَ إِيَّاكَ وَ الْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطِ اللَّهِ وَ إِيَّاكَ وَ الْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَ إِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَ إِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ وَ أَنْتَ فِيهِمْ فَاثْبُتْ وَ أَنْفِقْ عَلَى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَ لَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدْبًا وَ أَخْفَهُمْ فِي اللَّهِ. (رواه احمد)

(۶۱۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا

(۶۱۴) * اگر شرک کے متعلق حتمی وعید میں قدرت کوئی استثناء گوارا کرتی تو شاید ان سے بڑھ کر اس کا کوئی اور محل نہ ہوتا مگر یہاں بھی صحیح حدیثوں میں خدا کی وعید میں کوئی استثناء ثابت نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں جو تفصیلات مذکور ہیں وہ حدیثوں کو نہیں پہنچتیں۔ یہ حدیث بالفاظ مختلفہ وارد ہوئی ہے ہم نے اس کے مختلف الفاظ سے مختلف فوائد اخذ کیے ہیں اس لیے اس کو کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر ہر جگہ لفظ نئے ہیں۔

گا وہ صرف آگ کے دو چیل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ) (بخاری شریف)

أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ. (رواہ البخاری)

(۶۱۵) ابو موسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ - احمد)

(۶۱۵) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لَجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا الْمُشْرِكِ أَوْ مُشَاحِنٍ.

(رواہ ابن ماجہ و رواہ احمد عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص و فی روايته لاثني مشاحن و قاتل نفس)

(۶۱۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ان میں تمام ان بندوں کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے بجز ان کے جن کے دل میں اپنے بھائی کا کینہ ہو۔ ایسے دو شخصوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان کا معاملہ ملتوی رکھوتا آنکہ وہ دونوں صلح کر لیں۔ (مسلم)

(۶۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيَغْفِرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحَاءٌ فَيُقَالُ دَعُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا. (رواہ مسلم)

شُرک و کفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سودمند نہیں

لا يَنْفَعُ الْإِيمَانُ مَعَ الْإِشْرَاكِ بِاللَّهِ

(۶۱۷) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت الَّذِينَ آمَنُوا... الخ (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا الخ) نازل ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔

(۶۱۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا لَمَّا يَظْلِمُ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ

(۶۱۶) * آسمانوں میں دروازے ہیں وہ کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کیے جاتے ہیں یہ سب عالم غیب کے حقائق ہیں ان میں جگہ جگہ نہ الجھئے اگر کلی طور پر آپ کو عالم غیب کا وجود مسلم ہو چکا ہے تو یہ سب اسی کی معمولی جزئیات ہیں اور اگر ابھی اس کے وجود ہی میں کچھ تردد ہے تو پہلے اسی کو طے کر لیجئے یہاں مقصد یہ ہے کہ ارحم الراحمین کی مہربانیوں کی ایسی ایسی ساعات میں بھی شرک کرنے والا محروم ہی رہتا ہے اپنے ایک مسلمان بھائی سے بغض رکھنے والا شخص بھی کتنا بد نصیب ہے جو محرومی میں ایک مشرک کا شریک بن رہا ہے۔

(۶۱۷) * ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ ہو اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان تلہ....

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہاں ظلم سے پہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انہوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز! دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۱۸) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انہوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو۔ (بخاری شریف)

مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

(۶۱۹) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس

إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكَ أَلَمْ تَسْمَعُوا قَوْلَ لُقْمَانَ لَا بُنِيَ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ وَفِي رَوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّونَ إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لَا بُنِيَ. (متفق علیہ)

(۶۱۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتَبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلَكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرَدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيثَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِلِ الْحَدِيثَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقًا. (رواه البخاری)

لا تقبل الشفاعۃ فی المشرک

(۶۱۹) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي ابْنُ مِنْ عِنْدِ

اللہ... میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہو گا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن و اطمینان نصیب ہو گا۔ ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جب کہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتیٰ کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کا اعدام ہو جائے گا۔

(۶۱۸) * ثابت بن قیس پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے ملتا نہ تھا جب دل نہیں ملتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانت دار تھیں کہ اپنی مقصد براری کے لیے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کر دیتی ہیں کتنی دین دار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لیے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ جس انس و محبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بہ صورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدائے تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بدنام کر دیتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے۔ اسی وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔

(۶۱۹) * یعنی آپ کی شفاعت کے لیے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیتہً اجتناب رہے کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کے لیے بھی حجاب ہو گا۔

رَبِّي فَخَيْرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي
الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَ
هِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا

(رواه الترمذی و ابن ماجہ)

(۶۲۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَلْقَى
إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ أَرْزَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ عَلَى وَجْهِ أَرْزَ
قَتْرَةً وَ غَبْرَةً فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ
لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ لَهُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا
أَعْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَ
عَدَّتْنِي إِلَّا تُخْزِنِي يَوْمَ يُنْعَثُونَ فَأَيُّ خَزِيَ
أَخْزَى مِنْ أَبِي إِلَّا بَعْدَ فَيَقُولُ اللَّهُ إِنِّي
حَرَمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ ثُمَّ يُقَالُ
لِإِبْرَاهِيمَ مَا تَحْتِ رِجْلِكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ
بِذِيخٍ مُتَلَطِّحٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي
النَّارِ (رواه البخاری)

(۶۲۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ

نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہو
جائے اور چاہوں تو امت کے لیے شفاعت اختیار کر لوں۔ میں نے شفاعت
کو پسند کر لیا ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہو کر رہے گی جو اس حالت پر مر
جائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

(۶۲۰) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی
کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں
نے آپ سے دنیا میں نہیں کہہ دیا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے وہ جواب دیں گے
اچھا اب نہیں کروں گا اس وقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (جوش محبت
میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ
کرے گا۔ آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری
رسوائی اور کیا ہوگی۔ ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کر چکا ہوں۔ اس کے
بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں
گے تو ایک کچڑ میرا کتھڑی ہوئی ہنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکروہ
صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پوری نکل جائے گی) پھر آزر
کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۶۲۱) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک

(۶۲۰) * یہ والد بزرگوار کے لیے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہو چکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاد دہانی ہے جو ان کی رسوائی سے حفاظت کے
متعلق کیا جا چکا تھا۔ قدرت نے اس کا یوں ایفاء کر دیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کر دیا تا کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ یہ کون ہیں اگرچہ اس یاد دہانی
میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی بو بھی آ رہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے بچ بچ
کر فرمایا: **إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** (المائدہ: ۱۸) یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ
بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتہ بندگی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دے دے اور چاہے تو بخش دے اسی
طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگار ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے
خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانہ بچا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچالے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے قدرت نے اپنے دونوں وعدے
پورے کر دیئے۔ کافر کو بخش نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ ولہ الحمد فی الاولی و الآخرہ۔

(۶۲۱) * اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دعاء مغفرت بھی نہ کرنی چاہیے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان ہے.....

والدین کے لیے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کے لیے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے۔ اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لیے مغفرت طلب نہ کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے۔ یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی اور مؤمنین کے لیے یہ شایان شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جب کہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں۔ رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدائے تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کر دی) ابراہیم مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کرنے والے نبی تھے۔ (حاکم)

لاَبْوِيَهُ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقُلْتُ لَا تَسْتَغْفِرُ لَابْوِيكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقَالَ اَلَيْسَ قَدْ اسْتَغْفَرُ اِبْرَاهِيْمُ لَابِيهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالدِّينِ اَمْنًا اَنْ يَسْتَغْفِرُ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوا اَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لَابِيهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَوَّاهٌ حَلِيْمٌ. (رواه الحاکم فی التفسیر و صححه الذہبی ایضاً و الحدیث یروی فی الصحاح)

(۶۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهِ فَبَكَى وَ اَبَاكَى مِنْ حَوْلِهِ فَقَالَ اسْتَاذَنْتُ رَبِّي فِي اَنْ اسْتَغْفِرَ لَهَا

(۶۲۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر لوں، تو مجھ کو دے دی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان

کر دیا گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابوطالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کی تخفیف کے لیے ہوگی اس کو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہر حال مغفرت کا دروازہ کافر کے لیے بند ہے۔

(۶۲۲) * اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسے باشد سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجئے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھا دے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخش دے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کر سکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی۔ و اللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حافظ ابن تیمیہ نے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی اہم خصوصیت پر حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے۔

واصل ضلال المشركين انهم ظنوا ان الشفاعة عند الله كالشفاعة عند غيره وهذا اصل ضلال النصارى ايضاً فمن ظن ان الشفاعة المعهودة من الخلق للخلق تنفع عند الله مثل ان يشفع الانسان عند من يرجوه المشفوع اليه او يخافه كما يشفع عند الملك ابنه او اخوه او اعوانه او نظرائه الذين يخافهم او يرجوهم فيجيب سؤلهم. لا جل رجائه و خوفه منهم. فيمن يشفعون فيه عنده و ان كان الملك لله....

فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِىْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرِهَا
 فَادِنْ لِّىْ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ
 الْمَوْتَ. (رواه مسلم)

کی مغفرت کے لیے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اس کی اجازت نہ دی۔ تم
 قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔
 (مسلم شریف)

(۶۲۳) عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ اَبَا
 طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ
 صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ ابُوْجَهْلٌ فَقَالَ
 اَيَّ عَمٍّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَكَ

(۶۲۳) ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو
 طالب کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف
 لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی موجود تھا آپ نے ان سے کہا چچا
 جان لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں

لہ او الا میرا وغیرہما یکرہ الشفاعة فیمن شفعا فیہ فیشفعہم فیہ علی کراہۃ منہ و یشفعون عندہ
 ایضا بغیر اذنہ فاللہ تعالیٰ ہو رب کل شیء و ملیکہ و خالقہ فلا یشفع احد عندہ الا باذنیہ و لا یشفع احد
 فی احد الا لمن اذن اللہ للشفیع ان یشفع فیہ فاذا اذن للشفیع شفع و ان لم یسأله الشفیع . و لو سأل
 الشفیع الشفاعة و لم یأذن اللہ لہ لم تنفع شفاعتہ کما لم تنفع شفاعة نوح فی ابنہ و لا ابراہیم فی ابیہ و لا
 مراجعة لوط فی قومہ و لا صلوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنافقین و استغفارہ لہم .

(الرد علی البکری ص ۶۰)

”یعنی مشرکین اور نصاریٰ کی گمراہی کی اصل حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کا معاملہ بھی مخلوق کی
 سفارش پر قیاس کر رکھا تھا جیسے یہاں ایک انسان اپنی سفارش کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے
 کہ اس کی سفارش کا اثر پڑ سکے گا یا تو اس لیے کہ اس کا اس سے کوئی تعلق ہے یا وہ اس سے ڈرتا ہے مثلاً بادشاہ کے سامنے اس کے
 بیٹے یا بھائی یا کسی اس کے مشیر کی سفارش لے جاتا ہے یا پھر اس کے کسی ایسے معاصر کی سفارش لے جاتا ہے جس سے بادشاہ کو کوئی
 خوف ہوتا ہے تو یہ سفارشیں بادشاہ کو بعض اوقات اپنی طبیعت کے خلاف بھی سنی پڑتی ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
 سفارش بھی اسی نوع کی سمجھی اس نے سخت غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار سب کا مالک اور خالق ہے اس کے سامنے اس
 کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہو سکتی ہے خواہ شفیع نے اپنی جانب
 سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو اگر شفیع ستر بار بھی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی جیسی حضرت
 نوح علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین
 کے بارے میں قبول نہ ہوئی۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و
 طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ
 پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثار ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو
 جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (التوبة : ۱۱۴)

بِهَا عِنْدَ اللَّهِ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ
 أُمِّيَّةَ يَا أَبَا طَالِبٍ أَتُرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ
 الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَلْ لَا يُكَلِّمَاهُ حَتَّى قَالَ آخِرَ
 شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
 فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سَتَغْفِرَنَّ
 لَكَ مَا لَمْ أُنَّ عَنْهُ فَتَزَلْتُ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ
 الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ
 كَانُوا أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ
 أَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَ نَزَلَتْ إِنَّكَ لَا تَهْدِي
 مَنْ أَحْبَبْتَ. (رواه البخاری)

آپ کے لیے کچھ گفت و شنید کا موقع مل جائے اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ
 فوراً بولے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دو گے اور اس سلسلہ
 میں وہ ابوطالب کو اتنا اور غلاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے جو سب سے
 آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہوں
 آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا
 تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری۔ نبی
 اور مومنوں کے لیے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں خواہ
 وہ ان کے قریب رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہو
 چکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں
 اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ (بخاری شریف)



الکافر یجازی بحسناته فی الحیوة الدنیا

کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کر دیا ہے کہ کافر کے اعمال آخرت میں سب اکارت ہو جائیں گے کیونکہ عمل صالح کی ہستی صرف ان کو عملی جامہ پہنا دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ روح ایمانی سے قائم ہوتی ہے روح ایمانی کے بغیر وہ صرف ایک بے جان قالب اور عمل صالح کا ایک خول رہتا ہے جس میں نہ تو کچھ حقیقت ہوتی ہے نہ وزن اسی کو قرآن میں جہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کے وہ اعمال جو دنیا میں بظاہر حسنات نظر آتے تھے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ وہ اس کی شامت کفر کی وجہ سے حسنات کا صرف ایک ڈھانچا تھے ان میں حقیقت کی کوئی روح نہ تھی اسی لیے ان اعمال پر وہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہ ہوں گے اور اسی لیے ان کو میران آخرت میں تو لا بھی نہیں جائے گا کیونکہ وزن ہمیشہ اسی چیز کا ہوا کرتا ہے جو ذی مقدار نہیں اس کا وزن کرنا بھی ممکن نہیں ہاں ان کے اعمال چونکہ حسنات کی صورت ضرور رکھتے ہیں اس لیے آئین رحمت کے ماتحت ان کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جائے گا اب وہ خواہ دنیوی وسعت کی شکل میں ہو یا عذاب اخروی کی تخفیف کی صورت میں بہر حال نجات ابدی جس کو قرآن کریم میں فوز عظیم کہا گیا ہے کافر کے اعمال پر کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ہاں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے اور یہ بھی ان کے اعمال کے صلہ میں نہیں بلکہ محض فضل ایزدی کے صدقہ میں اور وہ بھی ہر کس و ناکس کے لیے نہیں بلکہ اسی کے لیے جس کے حق میں مولائے کریم فضل کرنا چاہے۔ کافر و مؤمن کے درمیان اس تفریق کی وجہ بھی خود قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کر دی ہے۔ پہلے آپ ان آیات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اعمال کفار کی حیثیت اور ان کے جہ کے جہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے بعد وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں اس تفریق کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا (کیا) دنیا اور (کیا) آخرت دونوں میں اکارت ہو اور یہی ہیں دوزخی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

(۱) وَ مَنْ يَرْتَدِذْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. (البقرہ : ۶)

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِيْنَ . (آل عمران : ۲)

(۳) وَ مَنْ يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ . (المائدہ : ۷)

(۴) وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَهْلَآءُ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اِيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ .

(المائدہ : ۷)

(۵) ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰهُ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . (الانعام : ۹)

(۶) وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وَ لِقَاءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . (الاعراف : ۱۶)

(۷) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ .

(التوبة : ۲)

(۸) وَ عَدَّ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقَاتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے اور نیز ان لوگوں کو قتل کرتے جو انہیں انصاف کرنے کو کہتے ہیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے یہی ہیں جن کا سارا کیا دہرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور خدائے تعالیٰ (کے مقابلہ میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اور جو ایمان کی (ان باتوں کو) نہ مانے تو اس کا کیا دہرا اکارت ہوا اور آخرت میں بھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

اور مسلمان (کفار کے حال پر افسوس کر کے) کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے اور ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی تائید میں کوشش کرتے تھے) تو ان کا سارا کیا دہرا اکارت ہوا اور وہ سراسر نقصان میں آ گئے۔

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس طرح کی ہدایت دے اور اگر یہ پیغمبر شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دہرا ضائع ہو جاتا۔

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو نہ مانا ان کا کیا دہرا سب اکارت ہوا یہ سزا ان کو ان ہی اعمال بد کی دے جائے گی جو دنیا میں وہ کرتے تھے۔

مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں اور شرک کے افعال (واقوال) سے اپنے اوپر کفر کی شہادت بھی دیئے جائیں یہی لوگ ہیں جن کا کیا دہرا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے حق میں خدا نے دوزخ کی آگ کی قرارداد کر لی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور وہی ان کو بس کرتی ہے اور خدا نے ان کو پھٹکا دیا ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے یہی وہ لوگ تھے کہ دنیا اور آخرت دونوں

أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ.

میں ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی نقصان میں بھی رہے۔

(التوبة : ۷)

جن کا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی رونق ہوتی ہے ہم ان کے عملوں کا بدلہ یہیں دنیا میں ان کو پورا پورا بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں کسی طرح گھائے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو نیک عمل انہوں نے دنیا میں کیے وہ آخرت میں سب گئے گزرے ہوئے اور ان کا جو کیا دہرا تھا سب لغو تھا۔

(۹) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَ بَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

(هود : ۱)

جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو اور قیامت کے دن اس کے حضور میں حاضری کو نہ مانا تو ان کے عمل اکارت ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل (جو کچھ بھی کیے تھے) اکارت کر دیئے۔

(۱۰) أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا. (الكهف : ۱۱)

(۱۱) أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ. (الاحزاب : ۱)

اے پیغمبر بلاشبہ تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گزرے وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے عمل حبط ہو جائیں گے اور ضرورتاً تم گھائے میں آ جاؤ گے۔

(۱۲) وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (الزمر : ۱۱)

اور جو لوگ منکر اسلام ہیں ان کے اعمال نرے دھوکے کی ٹٹی ہیں جیسے چٹیل میدان میں چلتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور (پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور دیکھا تو خدائے تعالیٰ نے اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا۔

(۱۳) وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَ وَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ.

(النور : ۴)

دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی مثال ہے کہ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور کاشت کار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں منانے لگتا ہے پھر پک کر خشک ہو جاتی ہے تو اے مخاطب تو دیکھے گا کہ وہ پیلی پڑ گئی ہے پھر وہ آخر کار

(۱۴) كَمْثَلٍ غَيْثٍ أَغْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ.

(الحديد : ۲)

۱۔ سرکنڈوں کا بنا ہوا جال۔ شکار کو دھوکے میں رکھنے کے لیے آڑ۔ ۲۔ چمکدار، روشن

ان آیات میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کی سب نیکیاں آخرت میں اکارت ہو جائیں گی اور ان کے لیے ہرگز نجات بخش نہ ہوں گی ان کی امیدیں سب غلط ہیں ان کو نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قابل قبول اعمال کو بے وجہ یونہی رد کر دے گا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے مارکیٹ میں اس بے قدر متاع کو لانے میں خود انہوں نے غلطی کی ہے۔ سورہ محمد کی آیتوں میں کافروں کے اعمال کے نامقبول ہونے کی ذمہ داری خود ان ہی کے سر ڈالی گئی اور یہ کہا گیا ہے کہ جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نفرت سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رغبت کی نظر سے کیسے دیکھتا انہوں نے خدا کے احکام سے نفرت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال سے نفرت اختیار کی۔ جب انہوں نے اس کی نارضائی کو پسند کیا اور اس کی رضا جوئی کو مکروہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو مکروہ سمجھا اور ان کا اجر ضبط کر دیا۔

ان کے اس معاندانہ رویہ کی سزا تو یہ تھی کہ انہیں اور الٹا عذاب دیا جاتا مگر شانِ رحمت نے ان بے روح اعمال پر بھی علی الحساب دنیوی انعامات دے کر ان کا منہ بند کر دیا ہے تاکہ آخرت میں ان کو ثواب کے مطالبہ کا کوئی حق ہی باقی نہ رہے۔ اب حسب ذیل آیات پڑھیے اس کے بعد اس باب کی حدیثوں کو مطالعہ فرمائیے:

(۱۵) الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ. (محمد: ۱)

جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا، خدا نے ان کے کئے کرائے اعمال اکارت کر دیئے۔

(۱۶) ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ.

مؤمن کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کی نامقبولیت اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے سے انکار کیا وہ غلط راستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے ٹھیک راستے پر چلے۔

(۱۷) وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسَالَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَخْبَطَ أَعْمَالَهُمْ.

اور جو لوگ دین حق سے منکر ہیں ان کے لیے ہلاکت اور ان کا سارا کیا دھرا خدائے تعالیٰ برباد کر دے گا اور یہ اس سبب سے کہ خدا نے جو دین اتارا اس کو انہوں نے پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کے عمل اکارت کر دیئے۔

(۱۸) ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا اسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَخْبَطَ أَعْمَالَهُمْ.

یہ نوبت اس لیے آئی کہ جو بات خدا کی ناراضگی کی تھی یہ لوگ اسی کے پیچھے چلے اور اس کی رضا مندی کو ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ملیا میٹ کر دیئے۔

(محمد: ۲۸)

(۱۹) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَقَبَلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَ الصَّادِقُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ (الاحقاف: ۱۶، ۲۰)

یہ (مسلمان) لوگ ہیں کہ جنتیوں کے ساتھ ہم ان کے نیک عملوں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کریں گے۔ اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے دنیا میں کیا گیا تھا..... اس دن جب کہ کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا کی زندگی میں اپنے اعمال کے مزے لوٹ چکے اور ان کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کر چکے (اب ان کے بدلہ میں تمہارے لیے کیا رکھا ہے) تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس لیے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

(۶۲۴) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا جال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرے بوریے پر لیٹے ہوئے تھے آپؐ کے جسم مبارک اور بوریے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اس لیے بوریے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر ابھر آئے تھے۔ یہ سادیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپؐ کی امت پر بھی کچھ وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس و روم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں آپؐ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچیدگی میں پھنس رہے ہو ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دے دیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا رہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری و مسلم)

(۶۲۵) زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لیے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا۔ (رزین)

(۶۲۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدائے تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔ (مسلم)

(۶۲۷) سعد بن ابراہیمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا

(۶۲۴) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلَى رِمَالٍ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَكِنًا عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشَوَهَا لَيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ فَلْيُوسِّعْ عَلَيَّ أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وَسَّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَقَالَ أَوْ فِي هَذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولَئِكَ قَوْمٌ عَجَّلْتُ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي رَوَايَةٍ أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمْ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ. (متفق عليه)

(۶۲۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمٍ قَالَ اسْتَسْقَى يَوْمًا عُمَرُ فَجِئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ إِنَّهُ طَيِّبٌ لَكِنِّي أَسْمَعُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ نَعَى عَلَى قَوْمٍ شَهَرُوا بِهِمْ فَقَالَ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَخَافَ أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عَجَّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ.

(رواہ رزین)

(۶۲۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطِي بِهَا فِي الدُّنْيَا وَيُجْزِي بِهَا فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتٍ مَا عَمِلَ بِهَا لِلَّهِ فِي الدُّنْيَا حَتَّى إِذَا أَقْضِيَ إِلَى الْآخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَةٌ يُجْزَى بِهَا. (رواہ مسلم)

(۶۲۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ أَتَى بِطَعَامٍ وَكَانَ

صَائِمًا فَقَالَ قَتِيلٌ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ إِنْ غُطِيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِيَ رِجْلَاهُ بَدَارَأْسُهُ وَأَرَاهُ قَالَ وَقَتْلَ حَمْزَةٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي ثُمَّ بَسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بَسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِينَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِينَا وَلَقَدْ خَشِينَا أَنْ تَكُونَ حَسَنَاتُنَا عَجَلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِي حَتَّى تَرَكَ الطَّعَامَ. (رواه البخاری)

(۶۲۸) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَحْسَنَ مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا كَافِرٍ إِلَّا آثَابَهُ اللَّهُ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا آثَابُ الْكَافِرِ قَالَ إِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا أَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ أَوْ عَمِلَ حَسَنَةً آثَابَهُ اللَّهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَالصَّحَّةَ وَآثَابُ ذَالِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا آثَابُهُ فِي الْآخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُونَ الْعَذَابِ قَالَ وَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ.

(اخرجه الحاكم في التفسير ص ۲۵۳ ج ۲ و قال الذهبي فيه عتبه يقظان واه)

حسنات الكافر اذا اسلم

(۶۲۹) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ رَسُولِ اللَّهِ

گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کے لیے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لیے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جا رہا ہو یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا (اسی طرح) چھوڑ دیا۔ (بخاری)

(۶۲۸) حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال اولاد تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دے دیتا ہے ہم نے عرض کیا یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلہ کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ... الخ فرعونوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (متدرک)

اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانہ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہو سکتی ہیں؟

(۶۲۹) حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمائیے میرے وہ نیک کام جو میں زمانہ جاہلیت

(۶۲۸) * بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

(۶۲۹) * اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہو سکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہوگا یا نہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو زکوٰۃ، عتق، اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے اللہ.....

میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ غلام آزاد کرنا اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا
 کیا ان کا بھی مجھ کو ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کر چکے
 ہو ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو۔ (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا)
 (بخاری - مسلم - متدرک)

(رواہ البخاری و مسلم و الحاکم فی مستدرکہ فی مناقب حکیم)

اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اس کی نیکیاں سودمند ہیں

حسنات الکافر اذا لم یسلم

(۶۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ
 لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ
 عَمِّكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحْوِطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ
 قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْ لَا أَنَا
 لَكَانَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

(۶۳۰) عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم سے دریافت کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے چچا (ابوطالب) کو
 کیا نفع پہنچایا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ
 کی خاطر دوسروں سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں
 تک عذاب ہوگا۔ اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں
 ہوتے۔ (بخاری)

(رواہ البخاری فی قصة ابی طالب)

(۶۳۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ
 فِيهِ (۶۳۱) ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل
 میں آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر آیا تو انہوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ

لے..... اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کر کے ”ثم اسلم“ (یعنی پھر اسلام قبول کر لے) کی قید لگا دی ہے۔
 یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کر کے مسلمان ہو جائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے؟ حافظ ابن حجرؒ نے غالباً اسی لیے یہ
 تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کر لے جب تو اس کے زمانہ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک امام بخاری
 نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا
 خلاف احتیاط سمجھا ہے اور اس لیے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنادیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی
 ہو سکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سوا اس کے حق میں نجات ابدی کا تو کوئی
 تصور ہی نہیں ہو سکتا پوری بحث عن قریب آنے والی ہے۔

(۶۳۱) * ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہو سکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت
 ہوتا ہے کہ خاص موقع پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ
 ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے ”شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 لابی طالب و التخفيف عنه بسببه“ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابوطالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپؐ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا۔ لے.....

عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ
شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلَ فِي ضَحَضٍ
مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبِيهِ تَغْلِي مِنْهُ أُمَّ دِمَاعِهِ.

(رواہ البخاری)

(۶۳۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِي قَالَ
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ
وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ فَهَلْ لَهُ فِي ذَلِكَ يَغْنِي مِنْ
أَجْرِ قَالَ إِنَّ أَبَاكَ طَلَبَ أَمْرًا فَاصَابَهُ.

(رواہ احمد قال الہیثمی و رجالہ ثقات و
الطبرانی فی الکبیر)

(۶۳۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ

فرماتے سنا، قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دے دے اور
اس کی وجہ سے وہ تھیلی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک
رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔

(بخاری شریف)

(۶۳۲) عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے
تھے انہیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا؟ آپ نے جواب
دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انہیں حاصل ہوگی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ
اتنی ہوگئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہوگئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے
منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمایا)۔ (احمد و طبرانی)

(۶۳۳) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ ابن

ﷺ حافظ ابن تیمیہ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں:

الداعی انما ينتفع من وجهين اما بدعاء الرسول و اما بايمان الداعی به و طاعته و محبته فاذا كان الرسول لم يدع
له و هو لم يؤمن به لم ينتفع بالرسول صلى الله عليه وسلم فابو طالب مع كفره لما كان يحوط الرسول و يمنعه
شفع فيه حتى خفت عنه العذاب. (كتاب الرد على البكري ص ۶۲)

”کسی دعا کرنے والے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعا و سفارش
کرے یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں
دعا کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے
لیکن چونکہ وہ آپ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی) اس لیے ان کے حق میں آپ کی
سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔“

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی
تصریح یہ ہے کہ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ (المدثر: ۴۸) کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی۔
ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں:

المراد بها في الآية الاخراج من النار و في الحديث المنفعة بالتخفيف. (فتح الباری)

”آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور
ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔“

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ ابْنَ جُدْعَانَ كَانَ
بَقْرَى الضَّيْفِ وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَ
يَفْعَلُ أَيْنَعُهُ ذَلِكَ قَالَ لَا إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا
قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ

(رواه مسلم و ابن جریر و الحاکم و صححه)

(۶۳۴) عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُروَةُ بْنُ
الزُّبَيْرِ فِي قِصَّةِ أَنَّ ثَوْبَةَ مَوْلَاةَ لَابِي لَهَبٍ وَ
كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتْ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أَرِيَهُ
بَعْضُ أَهْلِهِ بَشَرَّ حَبِيبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ قَالَ
أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَ كُمْ غَيْرَ أَنِّي سَقِيتُ فِي
هَذِهِ بَعْتَا قِطِّي ثَوْبَةَ. (رواه البخاری)

(وفی الفتح ذکر السہیلی ان العباس قال لما
مات ابو لهب رأیتہ فی منامی بعد حول فی
شرح حال فقال ما لقیّت بعدکم راحة الا ان
العذاب یخفف عنی فی کل یوم اثین قال
وذلك ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم
الاثنین و كانت ثویبة بشرت ابالہب بمولده
فاعتقها.)

(۶۳۵) عَنْ عُمَرَو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
جَدِّهِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ
مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنَهُ هِشَامَ خَمْسِينَ رَقَبَةً
فَارَادَ ابْنُهُ عُمَرُو أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ
فَقَالَ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبِي أَوْصَى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ

جدعان بڑی مہمان نوازی بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے
کام کیا کرتا تھا کیا یہ کام اس کے لیے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا؟ نہیں اس
نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار قیامت میں
میری خطاؤں سے درگزر کرنا۔

(ابن جریر و حاکم و مسلم)

(۶۳۴) زہری سے روایت ہے کہ عروہ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی
تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس آزاد
شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مر گیا
تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے
پوچھا کہو کیا گزری؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل
سکی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لیے اس کے بدلہ میں
مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف)

فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباس کہتے ہیں جب ابولہب مر گیا تو
میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے
کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ صرف پیر کے
دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کردی جاتی ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ اس
کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے
دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس
نے خوشی میں آ کر اس کو آزاد کر دیا تھا۔

(۶۳۵) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے
ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو
غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد
کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمرو نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل
میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا
مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول
اللہ میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو

میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اور اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بے شک ان کو پہنچتا۔

(ابوداؤد)

رَقَبَةٌ وَإِنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً فَأَعْتَقَ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَّجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَلِكَ. (رواه ابو داؤد)

(۶۳۶) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَآخِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّنَا مُلْكَةً كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ هَلَكْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَلِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَإِنَّهَا كَانَتْ وَادَتْ أُخْتَنَا لَنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذَلِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَالْمَوْؤَدَةُ فِي النَّارِ إِلَّا أَنْ تُدْرِكَ الْوَائِدَةُ الْإِسْلَامَ فَيَعْفُو اللَّهُ عَنْهَا.

(۶۳۶) سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے (حاضر ہو کر) پوچھا یا رسول اللہ ہماری والدہ ملکہ بڑی (نیک اور پارسا بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں۔ کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا ہے کیا ان کے یہ اعمال انہیں کچھ سودمند ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انہوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مر جانے سے) کوئی فائدہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رسم بداد کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہو سکتی تھی۔ (احمد و طبرانی)

(رواہ احمد و الطبرانی قال الہیثمی رجال احمد رجال الصیحح و فی مشکل الآثار عن سلمة بن زید بدل یزید کما فی اسباب الورد ج ۲ ص ۲۹۷ و فیہ فہل ینفعہ عمل ان عملناہ عنہا الخ)

(۶۳۷) عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ أَوْ (۶۳۷) ابونعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک

(۶۳۶) * یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا قصہ مذکور ہے ”الوائدة و الموءدة فی النار“ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ سے اطفال مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو گیا کہ اس کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے لہذا موءدہ سے یہی خاص موءدہ مراد ہوگی۔ ابوداؤد میں حناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے والونید فی الجنة۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۵) مسئلہ کی تفصیل کتاب الجنائز میں کی جائے گی۔ آخرت میں اصل نفع چونکہ عذاب دوزخ سے نجات ہے اس لیے سائلین کے سوال پر آپؐ مجملاً نفع کی نفی فرماتے رہے۔ نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوة کے لیے ذرا موزوں بھی نہ تھا۔ آپؐ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کے لیے آئے تھے خدا کی رحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے۔

(۶۳۷) * یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہو سکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب ملے

شَيْخٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ فَنَزَلَ عَلَى مَسْرُوقٍ بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے) آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا۔ اس
فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ نے بیان کیا کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی

ﷺ دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہو تو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں۔
دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں
اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دونوں مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے۔
پہلے مسئلہ کے بارے میں محققین کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے:

و ذهب ابن بطلال وغيره من المحققين الى ان الكافر اذا اسلم و مات على الاسلام يثاب على ما فعله من
الخير في حال الكفر و استدلووا بحديث ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اسلم
الكافر فحسن اسلامه كتب الله له كل حسنة زلفها الخ ذكره الدار قطنى فى غريب حديث مالك و رواه عنه
من تسع طرق و ثبت فيها كلها ان الكافر اذا حسن اسلامه يكتب له فى الاسلام كل حسنة عملها فى
الشرك. (النووى ج ۱ ص ۷۷)

”ابن بطلال اور دوسرے محققین کا مختار یہ ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے اور اسی حالت پر اس کا انتقال ہو جائے تو جو نیک کام وہ
کفر کے زمانہ میں کر چکا ہے ان کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے اس کی دلیل ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جب کافر مسلمان ہو جائے اور خوب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو جو جو نیکیاں پہلے وہ کر چکا تھا اللہ تعالیٰ وہ سب نیکیاں لکھ
دیتا ہے۔ دارقطنی نے اس حدیث کو مالک کی غریب حدیثوں میں ذکر کیا ہے اور نو طریقوں سے صحیح طور پر یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جب
کافر سچے طور پر مسلمان ہو جاتا ہے تو تمام وہ نیکیاں جو شرک کے زمانہ میں وہ کر چکا تھا اسلام کے بعد لکھ دی جاتی ہیں۔“ (نووی)

قال الحافظ و الحق انه لا يلزم من كتابة الثواب للمسلم فى حال اسلامه تفضلا من الله و احسانا ان يكون
ذلك لكون عمله الصادر منه فى الكفر مقبولا و الحديث انما تضمن كتابة الثواب و لم يتعرض للقبول و
يحتمل ان يكون القبول يصير معلقا على اسلامه فيقبل و يثاب ان اسلم و الا غلا و هذا قوى.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کافر کے متعلق اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی نیکی کا ثواب لکھے جانے کا ذکر ہے اس
سے زمانہ کفر کے عمل کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے بعد یہ کتابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس پر ایک
انعام و احسان کی طور پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قبولیت کی بنا پر مگر یہ قبولیت اس کے اسلام لانے پر موقوف رہے اگر مسلمان ہو
گیا تو قبول ہو جائے ورنہ قبول نہ ہو اور یہی جواب زیادہ قوی ہے۔

قال ابن المنير المخالف للقواعد دعوى ان يكتب له ذلك فى حال كفره و اما ان الله يضيف الى حسناته فى
الاسلام ثواب ما كان صدر منه لا مما كان يظنه خيرا افلا مانع منه كما لو تفضل عليه ابتداء من غير عمل و
كما يتفضل على العاجز بثواب ما كان يعمل و هو قادر فاذا جازله ان يكتب له ثواب ما لم يعمل البتة جازله ان
يكتب له ثواب ما عمله غير موفى الشرط. (فتح الباری)

ابن منیر کہتے ہیں کہ جو بات قواعد شریعت کے خلاف ہے وہ صرف یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں کفر ہی کے زمانہ میں لکھی جائیں رہی ﷺ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا لَمْ تَضُرَّهُ مَعَهُ خَطِيئَةٌ وَ
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو
 شریک نہ کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا

۱۔۔۔۔۔ یہ بات کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں میں ان نیکیوں کے ثواب کا بھی اضافہ فرمادے جن کو وہ عہد کفر میں
 اچھے عمل سمجھ کر کر چکا ہے تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جب کہ اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کسی کو عمل کیے بغیر یونہی
 ابتداء ثواب دے دے یا عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے اعمال کے برابر ثواب بخش دے تو اس کے اسلام کے بعد
 زمانہ کفر کے کئے ہوئے اعمال پر ثواب دینے کی قدرت کیوں نہیں اگرچہ ان کی قبولیت کی شرط اس وقت موجود نہ تھی۔ (یعنی اسلام)۔
 (فتح الباری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اسلام کے بعد تو معتبر ہو سکتی ہیں لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔
 دوسرے مسئلہ میں امام نووی کی رائے یہ ہے کہ کافر کی عبادات طاعات اور قربات ہر قسم کی نیکیاں معتبر ہو سکتی ہیں۔ اس پر ان کو یہاں
 تک اصرار ہے کہ وہ فقہاء کے قول میں بھی تاویل کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔
 لَا تَصِحُّ عِبَادَةُ الْكَافِرِ وَلَوْ اسْلَمَ لَمْ يَعْتَدِبْهَا.
 کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر وہ مسلمان بھی ہو جائے جب بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا۔
 شیخ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں:

مرادهم انه لا يعتدله بها في احكام الدنيا وليس تعرض لثواب الاخرة.
 فقہاء کی مراد یہ ہے کہ احکام دنیا میں ان کا اعتبار نہ ہوگا آخرت کے ثواب کے متعلق ان کے قول میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔
 (گویا اسلام کے بعد کافر کی گذشتہ عبادات کا ثواب آخرت میں مل سکتا ہے)۔
 یہاں حضرت استاد مرحوم کا فیصلہ یہ ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں نفع بخش ہو سکتے ہیں گو اس کی صورت صرف تخفیف عذاب
 ہو۔ آخر ایک منصف اور ظالم کافر کے عذاب میں فرق بدیہی ہے۔ اس فرق کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ منصف کافر کا
 انصاف ہی اس کے حق میں تخفیف عذاب کا موجب ہو ورنہ اصل کفر میں تو دونوں برابر ہیں۔ پس حافظ ابن حجر کا حدیثوں کی ۱۔۔۔۔۔

۱۔ شیخ محی الدین نووی امام بیہقی سے نقل فرماتے ہیں:

قال البيهقي وقد يجوز ان يكون حديث ابن جعدان وما ورد بين الايات و الاخبار في بطلان خيرات الكافر اذا مات على الكفر
 ورد في انه لا يكون لها موقع التخلص من النار و ادخال الجنة و لكن يخفف عنه من عذابه الذي يستوجه على جنایات ارتكبها سوى
 الكفر بما فعل من الخيرات ۱ ھ (مجتہبی ص ۱۱۵) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن جعدان کی حدیث اور سب آیتیں اور حدیثیں جن میں
 کہ کافر کے بحالت کفر مر جانے کے بعد اس کی نیکیوں کے برباد ہو جانے کا ذکر آیا ہے وہ اس پر محمول ہوں کہ ان نیکیوں کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب دوزخ سے نجات اور
 جنت نہ ہو سکے گا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے کفر کے علاوہ اس کے اور برے افعال کی سزا میں ایک گونہ تخفیف کر دی جائے۔

امام بیہقی کی اس عبارت میں یہ اور وضاحت ہو گئی کہ تخفیف عذاب سے مراد بھی اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف ہے۔ کفر کے عذاب میں نہیں۔ گویا نیکیوں
 کا اثر کفر کے معاملہ میں کچھ نہیں ہوگا۔

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يُشْرِكُ بِهِ لَمْ تَنْفَعُهُ مَعَهُ
اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی نیکی اس کو سودمند نہیں ہو سکتی۔
(یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد و طبرانی)

(قال الهیثمی رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر و رجالہ رجال الصحیح ما خلا التابعی فانہ لم یسلم و رواہ الطبرانی فجعلہ من روایۃ مسروق و رواہ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کما فی رحمۃ المہدۃ)

لہ.... تاویل کرنا اور یہ فرمانا کہ کافر کے اعمال کا نفع ہو تو سکتا ہے مگر یہ نفع اسی وقت ظاہر ہوگا جب وہ مسلمان ہو جائے ظاہر کے خلاف ہے۔ ہاں شیخ محی الدین نووی کی اتنی تعلیم کر دینی کہ ان کی سب نیکیاں معتبر ہیں یہاں تک کہ عبادتیں بھی یہ بھی دلپذیر نہیں۔ متوسط فیصلہ یہ ہے کہ کافر کی عام نیکیاں تو معتبر ہو سکتی ہیں مگر اس کی عبادت کوئی معتبر نہیں ہو سکتی۔ عبادات اور دوسرے اچھے کاموں میں فرق یہ ہے کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ عبادت میں نیت اور صاحب حق کی معرفت بھی درکار ہے۔ کافر کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کی عبادت خدائے تعالیٰ کی عبادت ہی نہیں ہوتی وہ صرف اپنے ایک خیالی معبود کی عبادت ہوتی ہے۔ اور نیک کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کو انسان اپنی فطرت سے مذہب کی قید و بند کے بغیر بھی اچھا سمجھتا ہے ان میں نیت کرنا شرط نہیں۔ احادیث بالا میں اسی قسم کے اعمال کا ذکر ہے جیسے بنی نوع انسان کی ہمدردی، عدل و انصاف، صدقہ و خیرات، صلہ رحمی، مہمان نوازی، غلام آزاد کرنا، اور اسی قسم کے اور اعمال۔

ظاہر ہے کہ یہ کام ایک کافر کے بھی اسی طرح اچھے کہلاتے ہیں جس طرح ایک مسلمان کے، پس اس قسم کے کام تو کافر کے بھی معتبر ہو سکتے ہیں خواہ وہ اسلام لائے یا نہ لائے۔ ہاں عذاب دوزخ سے ابدی نجات صرف اسلام پر موقوف ہوگی۔ اسی طرح تمام عبادتوں کی قبولیت بھی بغیر اسلام کے نصیب نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ممکن ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں عذاب کی تخفیف کا فائدہ دے سکیں مگر یہ بھی مشیت الہیہ کے تابع ہے بشکل ضابطہ نہیں۔ اب رہ گئیں وہ آیات جن میں کفار کے حق میں تخفیف عذاب کی نفی مذکور ہے تو ان سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی رعایت کر کے جو عذاب ان کے لیے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی اور جو تخفیف ہم نے یہاں ذکر کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر کے پاس حسنات نہ ہوں تو جتنا عذاب اس کو اس وقت ہوتا ان حسنات کے ہوتے ہوئے اتنا عذاب نہیں ہوگا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ عذاب مقدر شروع ہو جانے کے بعد پھر اس میں کسی قسم کی تخفیف کی جائے گی۔ اس لیے جو تخفیف ہم نے ذکر کی ہے وہ صرف ایک ذہنی امر ہے خارج میں اس کا کوئی ثمرہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مشرک پر جس شدت کے ساتھ مغفرت کے دروازے بند ہیں شاید تخفیف عذاب کے دروازے اس شدت کے ساتھ بند نہیں۔ کسی کی سفارش یا کرشمہ رحمت کے صدقہ میں عذاب آخرت کے تخفیف کی گنجائش نکل سکتی ہے البتہ دنیوی فراوانی کو اس کے حق میں بھی ضابطہ کہا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مختصری بحث ترجمان السنہ جلد اول ص ۵۲ پر بھی گزر چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۔ شیخ محی الدین نووی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ و صرح فی هذا الحدیث بان یطعم فی الدنیا بما عملہ من الحسنات اما بما فعلہ متقربا بہ الی اللہ تعالیٰ ممالا یفتقر الی النیۃ کصلۃ الرحم و الصدقۃ و العتق و الضیافۃ و تسہیل الخیرات و نحوہا۔ (ج ۲ ص ۳۷۷)

یعنی جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ کافر کی نیکیوں کا بدلہ اس کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے اس میں اسی قسم کی نیکیوں کا ذکر ہے جن کو انسان ثواب کے لیے کیا کرتا ہے مگر ان میں نیت شرط نہیں ہوتی جیسے عزیزوں کے ساتھ سلوک، صدقہ، غلام آزاد کرنا اور مہمانی وغیرہ۔

العبادة لغير الله شرك و ان اعتقد

ان النفع والضرر بيد الله سبحانه

(۶۳۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ

تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَا بِيَّ حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلَهًا قَالَ

أَبِي سَبْعَةً سِتًّا فِي الْأَرْضِ وَ وَاحِدًا فِي

السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعْبُدُ لِرَغْبَتِكَ وَ

رَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا

حُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ

كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ

قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ

وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللَّهُمَّ الْهَمْنِي رُشْدِي وَ

اعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي.

(رواه الترمذی)

ان الله لا مكره له و لا يتعاضم عنده

شیء

(۶۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگرچہ عقیدہ میں نفع و نقصان کا
مالک خدائے تعالیٰ کی ذات ہی کو تصور کرتا ہو

(۶۳۸) عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے

والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو؟

میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک

آسمان میں۔ آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لیے تم

نے کس کو بنا رکھا ہے انہوں نے جواب دیا آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ نے

فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے

سود مند ہوتے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقہ اسلام میں داخل ہو

گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول

اللہ جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے۔ آپ

نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ الْهَمْنِي الْخ... خدا یا میرے مقدر کی

ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے

نفس کے فریب سے مجھے بچالے۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے

بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے

(۶۳۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۶۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال و جواب نے حصین کی سلیم فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور

خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جہہ سائی کا فائدہ؟

یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لمحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادت مند قلوب میں دوڑ

جایا کرتی تھی اور آن کی آن میں ان کے باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس حدیث

سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح تو حید فی العبادت ہے جب تک رشتہ

عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے تو حید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگرچہ اپنے زعم میں نفع و نقصان کا مالک

ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو اسی لیے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو تو حید فی العبادت ہے۔ آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمہ لا الہ الا اللہ

زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں۔ اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ

میں آجائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت غیر اللہ کی ذرا بھی بو آ سکے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ اَرْزُقْنِيْ اِنْ شِئْتَ وَ لِيَعِزُّمْ مَسْئَلَتُهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَ لَا مُكْرَهَ لَهُ. (رواه البحارى)

(۶۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ وَ لَكِنْ لِيَعِزُّمْ وَ لِيَعِظُمَ الرَّغْبَةُ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ اَعْطَاءً. (رواه مسلم)

جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے اور تو چاہے تو مجھے روزی دے دے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

(۶۳۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا شرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی۔

(مسلم شریف)

(۶۳۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَخَذَ بِيَدِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَا حِبَّكَ يَا مُعَاذٌ فَقُلْتُ وَ اَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدْعُ اَنْ تَقُوْلَ فِىْ ذُبُرِ كُلِّ صَلَوةٍ رَبِّ اَعْنِيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ.

(۶۳۱) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لیے میری مدد فرما۔

(نسائی - ابوداؤد)

(رواه احمد و ابوداؤد و النسائي الا ان ابا داؤد لم يذكر قال معاذ و انا احبك)

(۶۳۲) عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ

(۶۳۲) ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سو رہا تھا جب آپ کے وضوء کے لیے پانی اور دیگر ضرورت کی

(۶۳۰) * حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں یا تو متکلم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لیے وہ انداز استغناء میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقع ہے اور نہ اس کے لیے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشے میں کوئی دشواری ہے پھر دعا کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے۔

(۶۳۲) * مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے العطایا علی متن البلیا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز و فلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے لئے....

اشیاء لے کر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہو کر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں۔ فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے۔ فرمایا تو اس اہم مقصد کے لیے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لیے نمازوں میں سجدے کر کر کے میری بھی کچھ مدد کرو۔ (مسلم)

(۶۴۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہو گئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لؤی کی اولاد دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اے کعب ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ہاں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَيْتُهُ بِوَضُوْءِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعْنِيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (رواہ مسلم)

(۶۴۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَ خَصَّ فَقَالَ يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ

ﷺ... تو سل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں۔ کمال و تکمیل کی اس اصل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت و عجز کا اظہار بھی فرمادیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلاف آئین سفارش کرنے میں اور سب در ماندہ ہیں۔ اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں۔ حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ اچھی سفارش مل جائے تو فوز و فلاح کی امید رکھنا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے ”وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ“ سجدے کر کے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے۔ اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قرب رسول کے اس متلاشی کو بتا دیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیات الہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدوسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں۔ اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے۔ اب اگر اس سوال کی ہمت رکھتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کرو یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطون عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کر دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کی توحید یہ ہے کہ کامیابی و ناکامی کا معاملہ صری دست قدرت میں سمجھنا چاہئے۔ عمل کا قدم اٹھائے ہو جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان پیچ در پیچ اعمال کے قبولیت کی امید رکھو۔ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کر کے یہ امید رکھنا کہ رسول خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوا لیں گے۔ رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے۔ اسی سفاہت پر ابو ہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے۔

أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ
مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَابِلُهَا بَيْلًا لَهَا.

میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

(رواہ مسلم و هو فی المتفق علیہ مع بعض تغیر)

(۶۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ
الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ ثُمَّ قَالَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ
رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ لَا
أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ
لَهُ صَمْحَةٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ
لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ
لَهَا ثُعَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ لَا
أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ
لَهَا صِيَاخٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ
لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ

(۶۴۴) ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اس میں آپؐ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دے کر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑا ربا ہوا اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس کے جواب میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گدی پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنار ہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس سے کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص

(۶۴۴) * اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لیے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہر حال اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناطے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہیے۔ خدائے تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کیے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کیے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

تَخْفِقُ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ لَا
أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا الْفَيْنَ
أَحَدُكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ
صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اغْنِنِي فَأَقُولُ لَا
أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ.

(متفق علیہ و هذا لفظ مسلم و هو اتم)

(۶۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنْكُمْ
عَمَلُهُ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا
أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللَّهُ بِرَحْمَتِهِ فَسَدُّوا
قَارِبُوا وَاغْدُوا وَرُوحُوا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ
وَ الْقَصْدُ الْقَصْدُ تَبْلُغُوا. (متفق علیہ و روى

البیهقی نحوه عن عائشة فی الدعوات الکبیر
کما فی باب قیام شهر رمضان من المشکاة)

لِیَسْأَلَ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ جَمِیعَ حَاجَاتِهِ
(۶۳۶) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِیَسْأَلَ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى یَسْأَلَ
شِئْنًا نَعْلُهُ إِذَا انْقَطَعَ.

(رواه الترمذی)

قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑا لدا ہوا ہوا میں اڑ رہا ہوا اور یہ شخص
پکارے یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں بھلا آج میں تیری کیا مدد کر
سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ
ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو
اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں کہہ دوں میں آج بھلا تیری کیا
مدد کر سکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

(۶۳۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف اس کا عمل آخرت میں نجات
نہیں دے گا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ
وسلم) کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی فرمایا ہاں مجھ کو بھی بجز اس
صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں گھیر لے لہذا میانہ روی کے
ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ
شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔
(متفق علیہ)

بندہ کو چاہیے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے
(۶۳۶) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہیے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا
کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدائے تعالیٰ سے
مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول
ہے کہ نمک بھی اس سے مانگو۔ (ترمذی)

(۶۳۵) * رسول بارگاہ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سر تا پا آداب عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالم استغراق
میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شانِ عبدیت سے ذرا بھی اُترا ہوا ہو۔ دیکھو یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب
بارگاہ رب العالمین کا ذکر آ جاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ
انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رحمت کے بخیر نہ عملی
سرگرمی سے کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے
ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

(۶۳۷) ثوبان رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبان نے عرض کیا میں۔ اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے۔

(ابوداؤد-نسائی)

(۶۳۸) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا گر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اُترنا اور اس کو خود اٹھا لینا۔

(احمد)

(۶۳۹) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آجائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دے دے۔

(شعب الایمان)

(۶۳۷) عَنْ ثُوبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاتَّكِفُلْ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثُوبَانُ أَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا.

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

(۶۳۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَيَّ أَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ إِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتَّى تَنْزِلَ إِلَيْهِ

فَتَأْخُذْ. (رواہ احمد)

(۶۳۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ أَوْ احتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ.

(رواہ البيهقي في شعب الایمان)

(۶۳۸) * یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کر لیا جائے تو اس سے حدود اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی صرف ادب اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچ کر حدود اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کے لیے شہود وغیبو بتہ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب و بعد اور غیبو بتہ و شہود کا فرق بھی اسی کے لیے ہے اور جو مادیت کی قیود سے منزہ و مبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح اس کی ذات پاک نیند اور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے۔ پس جو شخص مردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں اداء کیا ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ (الاحقاف: ۵)

”اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچے اور ان کی پکار سے بھی غافل ہو۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۹۴)

”جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انہیں پکار دیکھو تو چاہیے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں۔“

(۶۳۹) * یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدہ و وعید کے لیے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لیے بھی ہیں۔ یہاں متردکبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھائے میں نہیں رہتا۔

(۶۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللَّهِ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رواه ابو داؤد)

اسناد الامور كلها الى الله سبحانه
رأس التوحيد

(۶۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُ حَيْثُ أُمِرْتُ. (رواه البخاری)

(۶۵۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا

(۶۵۰) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جاسکتی ہے۔ (ابوداؤد)

مسلمان کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا تو حید کا سب سے بلند مقام ہے

(۶۵۱) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس اس کو رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۶۵۲) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم

(۶۵۰) * جنت بھی اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لیے مانگی جاسکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جاسکے کوئی بھی نہیں ہے

قیمت خود ہر دو عالم گفتی نرغ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ان احادیث میں ایک موجد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے حتیٰ کہ اگر کوئی ابو ذرؓ جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرائی گئی۔ سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کے لیے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرمادیتے انما انا قاسم و اللہ يعطی۔ دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۶۵۱) * یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ سبحان اللہ جس جگہ اعطاء و منع کا فعل حقیقت بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی تو حید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت و اختیار منکشف ہوتا ہے۔ بقیہ صرف آلات و وسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔

(۶۵۲) * مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم کا ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ رسول و وحی الہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کر سکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیاز کو برابر سنا دیتا ہے اب اگر مراتب فہم کے لئے.....

يُفَقِّهُهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي. (متفق عليه)

عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۵۳) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ اسْتَحْمَلُهُ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ نَلْبِثَ ثُمَّ أَتَى بِثَلَاثِ زُودٍ غُرُ الدُّرَى فَحَمَلْنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللَّهِ لَا يُبَارِكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْنَا فَأَرْجَعُوا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَذَكَّرُهُ فَاتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللَّهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي أَنشَأَ اللَّهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَإِذَا غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَآتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَرْتُ عَنْ يَمِينِي.

(رواه البخاری)

(۶۵۳) ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کے لیے حاضر ہوا آپ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دے سکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لیے سواری موجود ہے۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گزرنا مقدر تھا گزر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپ کی خدمت میں آ گئے آپ نے وہ ہم کو دے دیئے۔ جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لیے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کے لیے آئے تھے اور آپ نے نہ دینے کی قسم کھالی تھی پھر غالباً بھولے سے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دے دیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاد دہانی کرا دیں۔ یہ کہہ کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تو تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھاؤں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کر لوں گا یا پہلے وہ کام کر لوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (روای کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی)۔ (بخاری شریف)

اللہ..... اختلاف سے ان کے علم و فضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دے دی کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنادے۔ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ (الفصص: ۶۸) یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدائے تعالیٰ ہی کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہیے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بنا پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور قادر مطلق ذات ہے۔ رسول درمیان میں صرف ایک سبب و واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶۵۳) * خطاب فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ ما انا حملتکم (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اس وقت دینے سے انکار تھا۔ جب اونٹ میرے پاس آ گئے تو میں نے تم کو دے دیئے یہ ہمارے لیے ایک انعام ایزدی ہے۔

(۶۵۴) عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. (متفق عليه)

الاعتقاد بان لغير الله اثرًا فوق ما اراد منه كفر

(۶۵۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحَدِيثِ عَلَى اثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَذَرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكُوكَبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ بِنُوءٍ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكُوكَبِ. (رواه البخاری)

(۶۵۴) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تودے دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کے لیے کچھ سودمند نہیں۔ (متفق علیہ)

کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سمیت سے بڑھ کر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

(۶۵۵) زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مؤمن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

(بخاری شریف)

(۶۵۴) * سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موصداً اس کا مامور ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودانِ باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ کی شکل سے وہ اس کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے، کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہیے وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص و عمل کا رآمد ہو گا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

(۶۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ يُنْزِلُ اللَّهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ بِكُؤُوبٍ كَذَا وَكَذَا. (رواه مسلم)

(۶۵۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۵۶) یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکر انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقد و شناس ہے کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کر دے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب و لہجہ سیاق و سباق میں ذرا سخت کر دیتی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے ادہام کی بنا پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح مؤثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہی ہوتی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سبب کو بڑھا کر مؤثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا ہے اور محض اپنی قدرت کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالم اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ فہمائش کر دی ہے کہ وہ اصل کار فرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس تخیل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقت شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر اس کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل شوق و خوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً و کرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لیے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لیے شریعت نے جا بجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادث عالم میں صرف اسی کی ذات مؤثر ہے اور اسی کو مؤثر سمجھنا چاہیے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہے کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلہ اسباب ہی کی منکر ہے جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہیے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں الجھ کر رہ گئی تھی وہ مؤثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نووی فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بنا پر ہے جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷)

جو لوگ ذوق ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مقہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دست قدرت کی اصلی طاقت پر جھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصور نظر ہے۔ خدائے تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

(۶۵۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُمْ بَيْنَاهُمْ جُلُوسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هَذَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ كُنَّا نَقُولُ وَلِذَا لِلَّيْلَةِ رَجُلٌ عَظِيمٌ أَوْ مَاتَ رَجُلٌ عَظِيمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَا يُرْمَى بِهَا لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَوَاتِهِ وَلَكِنْ تَبَارَكَ اسْمُهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ التَّسْبِيحُ أَهْلَ هَذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُونَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَجِيرُ بَعْضُ أَهْلِ السَّمَوَاتِ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغَ هَذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَيُخْطَفُ الْجَنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُونَ إِلَى أَوْلِيَاءِهِمْ وَيُرْمُونَ فَمَا جَاءُوا بِهِ عَلَى وَجْهِهِ فَهُوَ حَقٌّ وَلَكِنَّهُمْ يَقْرِفُونَ فِيهِ وَيَزِيدُونَ.

(رواه مسلم)

(۶۵۷) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلہ انصار میں کا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہو گیا۔ آپ نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انہوں نے (ادباً) کہا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آ جاتی ہے (یہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لیے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اچک بھی لے جاتے ہیں پھر وہی بات اپنے عاملوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثناء میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں (اس لیے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں) (مسلم)

(۶۵۷) * آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقاد عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لیے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلہ سمیت کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہمیوں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے۔ یاد رکھو خدائے تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے۔ اللہ

(۶۵۸) عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى حَتَّى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَقُولُونَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِنْ عِظَمَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَأَنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنَّهُمَا خَلِيقَتَانِ مِنْ خَلْقِهِ يُحْدِثُ اللَّهُ فِي خَلْقِهِ مَا شَاءَ فَإِنَّهُمَا انْخَسَفَا فَصَلُّوا حَتَّى يَنْجَلِيَ أَوْ يُحْدِثِ اللَّهُ أَمْرًا. (رواه النسائي)

(۶۵۸) نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپؐ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ لہذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو نمازیں پڑھا کرو تا آنکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آجائے)۔ (نسائی)

ﷺ..... حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہو جائے گا۔

رہی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال کرتے ہیں ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز بھی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو۔ آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی نا انصافی پر مبنی ہیں۔

(۶۵۸) * یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیمؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقع پر جو آپ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا، مبادا کوئی شخص زمانہ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے آپ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلاف واقع بات ہے۔ کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت و حیات سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تمہارا یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدائے تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے۔ خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر اقرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے۔ مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدائے قادر کے تصرفات لامحدود۔ ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے۔ حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن خواہ کسی اسباب کی بنا پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہر حال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس و قمر خود ہیں۔ قرآن کریم نے لیل و نہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں ﷺ.....

(۶۵۹) عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى هَذِهِ النُّجُومَ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِينَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدَى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيهَا بِغَيْرِ ذَلِكَ أَخْطَأَ وَاضْأَعَ نَصِيْبَهُ وَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ.

(۶۵۹) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لیے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لیے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کے لیے اور (شب میں مسافروں کے لیے) راستہ پانے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدے تلاش کیے اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں۔ (تعلیقات بخاری)

(رواہ البخاری تعلیقاً)

(۶۶۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُومِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السَّحْرِ الْمُنْجَمِ كَاهِنٌ وَ الْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَ السَّاحِرُ كَافِرٌ. (رواہ رزین)

(۶۶۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نجوم میں ان فائدوں کے سوا جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے کوئی اور نیا فائدہ حاصل کیا تو بے شبہ اس نے سحر کے ایک شعبہ کا استعمال کیا نجومی کا ہن کی طرح غیب کی خبریں بتاتا ہے اور کاہن ایک قسم کا جادوگر ہوتا ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (رزین)

(رواہ رزین)

..... بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سمیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپؐ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک فاعل مختار کی قدرت کا تماشا دیکھنے والے کی نظروں میں آئیں وضوابط کا استحضر نہیں رہا کرتا اس لیے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

(۶۶۰) * عرب میں عام طور پر غیب دانی کے یہی تین اسباب تھے یا سحر جس میں عموماً ارواح خبیثہ اور شیاطین سے استعانت ہوتی تھی یا نجوم یا کہانت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق چونکہ ان تینوں سے جدا تھے اس لیے وہ مبہوت ہو ہو کر کبھی تو آپؐ کو کاہن کبھی ساحر اور کبھی مجنوں کہا کرتے تھے نبوت سے ان کو آشنائی نہ تھی کہ یہ احتمال بھی ان کے دماغوں میں آتا۔ قرآن کریم نے ان میں سے ایک ایک کی بڑے دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ غیب دانی کبھی فطری بھی ہوتی ہے قدرت نے انسان کے باطن میں کچھ قوتیں ایسی ودیعت فرمائی ہیں جن کی بنا پر اس کو عالم بالا سے ایک قسم کا اتصال میسر آ جاتا ہے اور اس کی استعداد کے بقدر کچھ مادی غیوب بھی اس کے آئینہ فطرت میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔ محقق ابن خلدون نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

اسلام ان بیکار مشغلوں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اول تو یہ طریقے بے بنیاد اور کلمات کفر پر مبنی ہوتے ہیں دوم انسان کی روحانی ترقیات کے لیے انتہا درجہ مضرت رساں بھی ہیں۔ یہ مشغلہ اس میں عالم قدس کی طرف طیران کی استعداد باطل کر دیتا ہے۔ جتنا غیب انسانی ترقیات کے لیے درکار تھا اتنا انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے اس کو بتا دیا گیا ہے اور جو نہیں بتایا گیا وہ نہ تو اس کی حاجت کا تھا اور نہ اس کے دریافت کرنے کا کوئی صحیح راستہ ہے پھر اس میں پڑنا غلطی اور اضعاء وقت کے سوا اور کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے نجوم میں کچھ اور تفصیلات بھی لکھی ہیں یہ سب ظلیات اور اپنی اپنی علمی کاوشوں کے ثمرات ہیں جتنی بات پر عقیدہ رکھا جاسکتا ہے اور اس کی دعوت دی جاسکتی ہے وہ صرف وہی امور ہیں جن کی طرف احادیث بالا میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

الاهلال بحیوان لغير الله کفر

(۶۶۱) عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
ثَلَّ سُئِلَ عَلِيُّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ هَلْ
خَصَّكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَغْمُ بِهِ
النَّاسَ إِلَّا مَا فِي قِرَابٍ سِيفِي هَذَا فَأَخْرَجَ
صَحِيفَةً فِيهَا لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَ
لَعَنَ اللَّهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَ فِي رَوَايَةٍ
مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ
وَالِدَهُ وَ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ أَوَى مُحَدَّثًا.

(رواه مسلم)

غير الله کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

(۶۶۱) ابوالطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص تعلیمات بھی دی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (اس بارے میں آپؐ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند امور کے جو میری اس تلوار کی میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تحریر نکالی جن میں یہ احکام درج تھے۔ خدائے تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو ادھر ادھر کر دے۔ خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے اور خدائے تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔ (مسلم)

(۶۶۱) * غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم قبیح قدیم سے چلی آرہی تھی۔ اسلام نے آ کر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفریں کے لیے قربان کی جاسکتی ہے یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لیے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سودا کے گوشت اور مردار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے محل نامزدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہو سکتا جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل ہندوستان میں سانڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابل نفرت سمجھا ہے رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لیے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جفاء میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے میں بھی کچھ تعجب نہیں رہا اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت یہ بھی لعنت کا موجب ہے نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپؐ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپؐ نے فرمائی ہیں اس وقت اتفاق سے میں اور آپؐ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں جو جو افسانے تیار کیے گئے ہیں یہ سب بعد کے من گھڑت ہیں۔ تعلیم و تعلم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کر سکتا۔

(۶۶۲) طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص تو جنت میں داخل ہو گیا اور دوسرا دوزخ میں لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھینٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گزر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گزرے انہوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھاؤ وہ بولا اس کے لیے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھاؤ خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تو دوزخ میں گیا انہوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھاؤ وہ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا، یہ سن کر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی اس لیے یہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (رواہ احمد)

(۶۶۳) نبیہ ہزلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کفر کے زمانہ میں ماہِ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمان برداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو۔ (نسائی)

(۶۶۴) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی تختانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات

(۶۶۲) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ يَرْفَعُهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فِي ذُبَابٍ وَدَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِي ذُبَابٍ قَالُوا وَكَيْفَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَرَّرَ جُلَانٍ عَلَى قَوْمٍ لَهُمْ صَنْمٌ لَا يَجُوزُهُ أَحَدٌ حَتَّى يُقَرَّبَ لَهُ شَيْئًا فَقَالُوا لِأَحَدِهِمَا قَرِّبْ فَقَالَ لَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ قَالُوا اقْرَبْ وَلَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَدَخَلَ النَّارَ قَالُوا لِلْآخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَقَرِّبَ شَيْئًا دُونَ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوا عُنُقَهُ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه احمد كما في الجواب الكافي لابن القيم ص ۴۱)

(۶۶۳) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهَذَلِيَّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا نَعْتَرُ عَتِيرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اذْبَحُوا لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ فِي أَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَابْرُؤُا لِلَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَاطْعَمُوا.

(رواه النسائي)

(۶۶۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو بْنِ نُفَيْلٍ

(۶۶۳) * یعنی یہ سب مصارفِ خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی نیکی نہیں رہتے۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا کر ان سب کو روک دیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہیے۔

(۶۶۴) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزولِ وحی سے قبل بھی رسومِ شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اور بھی موجود تھے جو ملتِ ابراہیمی کے اثر سے افعالِ شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے۔

بِاسْفَلِ بَلَدٍ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقَدِمْتُ إِلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةً فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ
مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ أَنِّي لَسْتُ أَكُلُ مِمَّا
تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا أَكُلُ إِلَّا مَا ذَكَرَ
اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعْيبُ
عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا
اللَّهُ وَانْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَانْبَتَ لَهَا
مِنَ الْأَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُونَهَا عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ
انْكَارَ ذَلِكَ وَاعْظَامًا لَهُ. (رواه البخاری)

(۶۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَى النَّارِ
فَرَأَيْتُ فِيهَا امْرَأَةً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ تُعَذَّبُ
فِي هَرَّةٍ لَهَا رَبَطَتَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا وَلَمْ تَدْعُهَا
تَأْكُلْ مِنْ خَشَاسِ الْأَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا
وَرَأَيْتُ عَمْرٍو بْنَ عَامِرِ الْخَزَاعِيِّ يَجُرُّ
قَبْضَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ سَبَّ
السَّوَابِ. (رواه مسلم)

الحلف بغير الله كفر من الشرك
(۶۶۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَمْنُ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ

ہوئی اس وقت تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا،
آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھانے سے
انکار فرمادیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح
کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا
ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا
کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے وہی
اس کے لیے آسمان سے بارش بھیجے اور وہی اس کے لیے سبزہ اگائے پھر یہ کس
قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو اس تقریر سے زید کا مقصد ان
کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔

(بخاری شریف)

(۶۶۵) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو
عذاب ہو رہا ہے اس بنا پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو
خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے
کیڑے مکوڑے کھا لیتی یہاں تک کہ وہ بھوک کے مارے مر گئی اور میں نے
اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے
کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا
ایجاد کیے۔ (مسلم شریف)

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

(۶۶۶) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ
نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم

اللہ..... حضرت شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا ایک حکم تھا۔ (دیکھو ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۸۳)

(۶۶۶) * اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہیے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی
جائیں اور اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی قسم کھائی جائے باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔
امام بخاری نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے۔ کانوا یضر بونا علی الشہادة و اللہ....

کھائے۔ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرمادیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔

(بخاری شریف)

إِلَّا بِاللَّهِ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ يَحْلِفُ بِأَبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوا بِأَبَاءِكُمْ.

(رواہ البخاری وغیرہ)

(۶۶۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ. (رواہ الترمذی)

سبب المسلم فسوق وقتاله

کفر

(۶۶۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ. (رواہ البخاری وغیرہ)

(۶۶۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ.

(رواہ البخاری عن ابن عباس و ابی بکرۃ ایضاً و الحدیث متفق علیہ)

(۶۶۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

مسلمان کو سخت و ست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنی کفر کی حرکت ہے

(۶۶۸) عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

(۶۶۹) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

لہذا العہدو نحن صغار (لڑکپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ۱ ص ۵۱۵)

(۶۶۷) * امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہاں حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریا کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقتہً حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لیے ان کو تغلیظاً شرک کہہ دیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

(۶۶۸) * گویا سب و شتم کی بدنامی تو کسی حد تک قابل برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل و قتل کرنا قابل برداشت نہیں ہو سکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتہ اسلامی کو قطع کر دیتی ہے۔

(۶۶۹) * ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادت باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان افعال کو شہادتین کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لیے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر لہذا

صنع صور الحيوان تشبه بخالقية الله تعالى

(۶۷۰) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُضَاهَوْنَ بِخَلْقِ اللَّهِ. (متفق عليه)

(۶۷۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً. (متفق عليه)

(۶۷۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوْرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنْ كُنْتُ لَا بُدَّ فَأَعْلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوحَ لَهُ فِيهِ. (متفق عليه)

تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے

(۶۷۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور)۔ (متفق علیہ)

(۶۷۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہو کر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھا دے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جوہی بنا کر دکھا دے۔ (متفق علیہ)

(۶۷۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے کہ جتنے مصور ہوں گے ان کی ہر تصویر کے مقابلہ میں جو انہوں نے دنیا میں بنائی ہوگی ایک ایک شخص مقرر کیا جائے گا جو ان کو دوزخ میں عذاب دیا کرے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد بھی اگر تمہیں تصویر بنانا ہی ہو تو درخت کی بنا لو اور ایسی چیزوں کی بنا لو جو جان دار نہ ہوں۔ (متفق علیہ)

اللہ کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے افعال کو بھی کفر کے افعال کہا گیا ہے اور مؤمن کے لیے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ افعال کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے افعال سے کافر تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے افعال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے افعال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

(۶۷۲) * خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کاملہ کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے اسی لیے قرآن کریم نے جا بجا انسان کی پیدائش پر غور و تفکر کی دعوت دی ہے اور اس کو اپنی ہستی کا یقین دلانے کا سب سے آسان راستہ یہی بتایا ہے پھر بت پرستی کی ابتداء تصویروں سے ہی شروع ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ پتھروں سے تراشیدہ ہوتے ہیں۔ اور تصویر قلم کی کشیدہ نیز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اس کا ایک اسم مبارک ”المصور“ بھی ہے قدرت کو اپنی اس صفت پر بڑا ناز ہے اس نے اپنی مصوری کے کارنامے جا بجا پیش کیے ہیں اور اس کا سب سے بڑا شاہکار انسان کی صورت ہی کو قرار دیا ہے جو قدرت کے اس شاہکار کی نقل اتارنا چاہتا ہے قدرت اس کو معاف ہے

(۶۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي اجْلِسْ وَ صَعِدْ عَلَيَّ مِنْكِبِي فَذَهَبْتُ لَا نَتَهَضُّ بِهِ فَرَأَى مِنِّي ضَعْفًا فَنَزَلَ وَ جَلَسَ لِي نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِي اصْعِدْ عَلَيَّ مِنْكِبِي فَصَعِدْتُ عَلَيَّ مِنْكِبِيهِ قَالَ فَهَضَّ بِي فَإِنَّهُ يُخَيِّلُ إِلَيَّ اِنِّي لَوُشِئْتُ لِنَلْتُ أَفْقَ السَّمَاءِ حَتَّى صَعِدْتُ عَلَى الْبَيْتِ وَ عَلَيْهِ تِمَثَالُ صُفْرِ اَوْ نُحَاسٍ اَنَا وَلَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ حَتَّى

(۶۷۳) حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے آپؐ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ اور آپؐ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپؐ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپؐ نے محسوس کیا کہ مجھے اٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپؐ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ۔ میں آپؐ کے کاندھوں پر چڑھ گیا۔ یہ فرماتے ہیں۔ آپؐ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں بائیں

لہ... نہیں کرتی۔ نیز خالقیت اس کی ایسی صفت ہے جس میں ایک موئے دماغ کے انسان کے نزدیک بھی شرکت کا احتمال نہیں اسی لیے قرآن کریم نے توحید فی العبادت کو معقول بنانے کے لیے جگہ جگہ اپنی خالقیت کو ہی سامنے رکھا اور یہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب کسی چھوٹی بڑی مخلوق کی پیدائش میں ہمارا کوئی شریک نہیں تو پھر ہمارے خاص حق عبادت میں کوئی شریک کیوں ہو۔ لہذا تصویر کشی میں انسانی استطاعت کی حد تک خدا کی خالقیت کا ایک قسم کا مقابلہ بھی نظر آتا ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کے سب سے بڑے حق عبادت پر زد بھی پڑتی ہے اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ ہر قسم کی تصویر کشی ممنوع ہو جاتی۔ غالباً اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے درخت وغیرہ کی تصویر بنانے کی اجازت تو دے دی مگر بادل نا خواستہ دی لیکن اسلام کی یہ فراخ حوصلگی ہے کہ اس نے کسی جگہ بھی سہولت کے دروازے بند نہیں کیے اور ہر باب میں انسانی دماغ کی ترقی اور منافع دنیا سے تمتع کی بڑی حد تک اجازت دے دی ہے دیکھئے ریشم کو صرف مردوں کے حق میں حرام فرمایا پھر ان کے لیے بھی ایک خاص مقدار تک اجازت دے دی۔ اسی طرح کھانے اور پینے کی بہت چیزیں حرام کیں لیکن ان سے زیادہ حلال فرمائیں۔ سونے چاندی کے ظروف ممنوع قرار دیئے مگر عورتوں کے حق میں ان کے زیورات پھر جائز کر دیئے اور مردوں کے کھیل تماشے کے لیے بھی چاندی کی ایک مخصوص مقدار کی اجازت دے دی۔ تعظیم و تکریم میں اگر ایک سجدہ کی ممانعت کی تو اس کے سینکڑوں اور طریقے جائز رکھے اسی طرح مصوری میں اگر ایک ذی روح کی تصویر سے روکا تو اس کے علاوہ فن تصویر کی ترقی کے لیے بہت سی صورتیں مباح کر دیں مگر انسان حریص ہی نہیں بلکہ ایک بدترین قسم کا باغی ہے کہ ان مباحات کی بے شمار وسعتوں سے بھی اس کی نیت نہیں بھرتی آخروہ ٹھیک حرام میں قدم رکھ کر ہی دم لیتا ہے۔ قتل الانسان ما اکفرہ۔ یہاں مسئلہ تصویر پر بحث کرنا مقصود نہیں صرف ان اعمال کو بتانا مقصود ہے جن سے اسلام کی مقدس اور نازک توحید کو کہیں دور کے علاقہ سے بھی صدمہ پہنچ سکتا ہے۔

(۶۷۳) * نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جتنا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے اور بیٹھ گئے پھر جب آپؐ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ معلوم رہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؑ کے سامنے کر دیا تھا۔

سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھالیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینک دو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں۔ (احمد)

قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

(۶۷۴) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کے لیے مصدق ہو کر اتری ہے اس لیے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو اس کا جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے۔ (احمد و ابن ماجہ)

اسْتُمْكِنْتُ مِنْهُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْدِفْ بِهِ فَإِنْ كَسَرَ كَمَا يَنْكَسِرُ الْقَوَارِيرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَأَنْطَلَقْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتَّى تَوَارَيْنَا بِالْيُبُوتِ خَشْيَةً أَنْ يَلْقَانَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. (رواه احمد)

الضرب بكتاب الله بعضه ببعض كفر

(۶۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَدَارُونَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا ضَرْبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكْذِبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكُلُّوا إِلَى عَالِمِهِ. (رواه احمد و ابن ماجه)

اللہ..... اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام خانہ کعبہ کی بنا فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا۔ یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا سماں کچھ اور ہی تھا۔ اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا۔

(۶۷۴) * داری کی ایک طویل حدیث میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑاؤ النابھی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ المرء فی القرآن کفر۔ (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مرء کا مصداق بھی یہی تدارء اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔ سبع قراءت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما ہی فی الامر تکون واحدا لا تختلف فی حلال ولاحرام۔ (بخاری و مسلم) یہ تمام قراءتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے۔ حلال و حرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن حکیم کو دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکہ بحث نہ بنانا چاہیے۔ خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف و تناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی قصور علم سمجھنا چاہیے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہیے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو۔ علمی زور خرچ کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لیے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لیے اس کو ہادم اسلام قرار دیا ہے۔

الریاء شرک خفی

(۶۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشُّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشُرَكَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ فَانَا مِنْهُ بَرِيٌّ هُوَ لِلَّذِي عَمِلَهُ.

(رواہ مسلم)

(۶۷۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ بِنِ أَبِي قُضَالَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَمَعَ اللَّهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ نَادَى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشُّرْكِ.

(رواہ احمد)

(۶۷۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ. (رواہ احمد)

(۶۷۸) وَ عَنْهُ أَنَّهُ بَكَى فَقِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فَذَكَرْتُهُ فَأَبْكَانِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اتَّخَوْفَ عَلَى أُمَّتِي الشُّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَشْرِكُ أُمَّتَكَ مِنْ بَعْدِكَ قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَا تَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا

ریا کاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

(۶۷۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکاء میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کر لیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لیے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ

اسی کے لیے رہے جس کے لیے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۷۶) ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی یہ اعلان کرے گا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہیے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جا کر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذات پاک ہے۔ (احمد)

(۶۷۷) شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے نمائش کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لیے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔

(رواہ احمد)

(۶۷۸) شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آ گئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرک خفی اور شہوت خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کرے گی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے

قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثْنًا وَلَكِنْ يُرَاوُنَ
بِأَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ أَنْ يُصْبِحَ أَحَدُهُمْ
صَائِمًا فَتَعْرِضَ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهِ فَيَتْرَكَ
صَوْمَهُ. (رواه احمد و البيهقي في شعب الايمان)

(۶۷۹) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ
عَلَيْكُمْ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَمَا الشِّرْكَ الْأَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رَوَاهُ
أَحْمَدُ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعْبِ الْإِيمَانِ
يَقُولُ اللَّهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازَى الْعِبَادَ بِأَعْمَالِهِمْ
إِذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَاوُنَ فِي الدُّنْيَا
فَانظُرُوا هَلْ تَجِدُونَهُمْ جَزَاءً وَخَيْرًا.

(۶۸۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ
عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ
نَتَذَكَّرُ الْمَسِيحَ الدَّجَالَ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا
هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ
فَقُلْنَا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الشِّرْكَ الْخَفِيُّ
أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيَ فَيَزِيدَ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى
مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ. (رواه ابن ماجه)

اعمال میں ریاء کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرکِ خفی ہوا) اور شہوتِ خفیہ
یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی
ایسی چیز آ جائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا
روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد - شعب الايمان)

(۶۷۹) محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر
ہے تو شرکِ اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ شرکِ اصغر کیا چیز ہے؟
فرمایا ریاء اور نمائش۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا
ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا اس دن ریاء
کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریاء کاری
کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب
ملتا ہے؟

(۶۸۰) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیحِ دجال کا
ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شے نہ بتاؤں جس کا مجھے
تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ
ضرور بتائیے۔ فرمایا وہ شرکِ خفی ہے اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی
نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لیے اور لمبا کر دے کہ کوئی
دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۶۸۰) * مسیحِ دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام کو تو اس
فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرکِ خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کے لیے ہے اس لیے جن کی زبانوں پر ایک مستقبل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے
ساتھ آ رہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے اور ان کو بھی ہو سکتا ہے۔ وقتی
طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہ بھی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر
اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

النہی عن السجود لغير الله عز وجل

غير الله کو سجدہ کرنے کی ممانعت

(۶۸۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَيْتُ الْحَيْرَةَ
فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ فَأَتَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي
أَتَيْتُ الْحَيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانَ لَهُمْ
فَأَنْتَ أَحَقُّ بِأَنْ يُسَجَّدَ لَكَ فَقَالَ لِي أَرَأَيْتَ

(۶۸۱) قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں پہنچا تو میں نے
وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ جب میں آپ کی
خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا، میں مقام حیرہ گیا تھا میں نے ان
لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپ تو اس کے سب
سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ اگر

(۶۸۱) * اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ تعظیمی بجالانے کا عام رواج تھا۔ قیصر روم اور ابوسفیان کے طویل واقعہ
کے آخر میں اس کی قوم کا سجدہ کرنا اسی رسم کے ماتحت تھا۔ اسلام نے اس رسم کا تو استیصال کیا ہی تھا لیکن اسی کے ساتھ اس نے اس کی بھی
ممانعت کر دی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے۔ ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انسؓ
سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا جب کبھی وہ آپ کو
دیکھتے تو بے اختیار اپنی چشم و ابرو کے بل کھڑا ہونا چاہتے مگر وہ اس کے باوجود کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ ان کا قیام آپ کو ناپسند
ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تواضعاً جھک سکتے
ہیں آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا، پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدوں کی بھلا کیا
اجازت مل سکتی ہے۔

اسلام کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے عبادات تو درکنار مسرت و غم، عداوت و محبت اور تعظیم و تکریم کی
معمولی سی عادتوں میں بھی۔ سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لیے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص
کر دیا ہے وہ توحید کا سب سے بڑا علم بردار ہے اس لیے ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کر دیئے ہیں، خالق کے حقوق مخلوق کے
حقوق سے اور مخلوق کے حقوق خالق کے حقوق سے۔ ان حقوق میں عملی لحاظ سے خالق کا ایک واضح حق سجدہ بھی ہے اسی لیے قرآن حکیم نے
اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے۔ ﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا
لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ﴾ (خم السجده: ۳۷) نہ تو آفتاب کو سجدہ کرو اور نہ ماہتاب کو بلکہ اس کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پس سجدہ
خالق اور صرف خالق کا حق ہے اس میں مخلوق کے لیے شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ وسعتیں جو شاید ایک کامل شریعت کے نزول سے پہلے
قابل اغماض ہوں گی۔ اب سب ختم ہو گئیں اب دین ان تمام حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو چکا ہے جو خالق کی نظر میں پسندیدہ ٹھہر چکی ہیں اسی
لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے آپ کو سجدے کرنے کی سنت قائم کی ہو۔ بلکہ
آنحضرتؐ کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بنا ڈالا تھا۔ مذکورہ بالا حدیث
سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی صرف دوسروں کی نقالی میں آپ کو سجدہ کرنے کے لیے مضطرب تھا آپ کی قبر کو سجدہ کرنا اس کے بھی وہم و
گمان میں نہ تھا یہاں آپ کے جواب سے ایک لطیف اشارہ حیاۃ النبی کے مسئلہ کی طرف بھی نکل سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر اللہ

تم میری قبر پر گزرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا تو پھر اب بھی مت کرو اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو کیا کریں کیونکہ شوہروں کا حق اپنی بیبیوں پر بڑا حق ہے۔

(ابوداؤد-احمد)

(۶۸۲) معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ

لَوْ مَرَرْتُ بِقَبْرِى اَكُنْتُ تَسْجُدُ لَهُ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ اَمْرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَامَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ

(رواہ ابو داؤد و رواہ احمد عن معاذ بن جبل)

(۶۸۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ اَتَى الشَّامَ فَرَأَى النَّصَارَى تَسْجُدُ لِبَطَارِقَتِهَا وَاسَاقِفَتِهَا قَالَ فَقُلْتُ لَا لِشَيْءٍ تَصْنَعُونَ قَالُوا هَذَا كَانَ تَحِيَّةً لِلْاَنْبِيَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَصْنَعَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْهُمْ كَذَبُوا عَلٰى

اللہ.... انبیاء علیہم السلام کی موت انسانوں کی موت کی طرح ہوتی تو آپ کا اس سے یہ سوال کرنا کہ اگر تو میری قبر پر گزرتا تو کیا اس کو سجدہ کرتا؟ چنداں موزوں نہ ہوتا کیونکہ وہ اس پر یہ عذر کر سکتا تھا کہ قبر میں تو آپ زندہ نہ ہوں گے اور اب تو زندہ موجود ہیں اس لیے اگر قبر پر سجدہ نہ کروں تو اب سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہے لیکن آپ کے سوال سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات و وفات کے تغیر سے ان کی حدود تعظیم و تکریم میں شاید کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا وہ وفات کے بعد بھی زمانہ حیات ہی کی طرح قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں جب کوئی شخص مسجد نبوی میں ذرا آواز بلند کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی آپ نے اپنی حیات میں کبھی جائز قرار نہیں دیا۔ رہا وفات کے بعد سجدہ کرنا تو یہ تو کسی کے نزدیک قابل تصور چیز ہی نہ تھی۔ اس ممانعت کو آپ نے اس پیرایہ سے ذہن نشین کیا کہ سجدہ تعظیمی جو قدیم سے کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت حکومت کے درباروں کی ایک رسم ہے اگر اسلام اس رسم کو برداشت کرتا تو سب سے پہلے زن و شوہر کے مابین برداشت کرتا کیونکہ انسانی تعلقات میں جہاں حاکمیت و محکومیت کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہی رشتہ ہے۔ والدین اگرچہ بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر حاکمیت و محکومیت کا جو رنگ زن و شوہر کے درمیان ہوتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا۔ اسی لیے سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہ مصر سمجھ کر سجدہ کرنا مذکور ہے۔ بارگاہ نبوت اپنی ساری عظمتوں کے باوجود بارگاہ حکومت نہیں ہوتی بلکہ عبدیت کاملہ کا مظہر اتم ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عبد و معبود کے حقوق اور ان کے صحیح امتیازات اس طرح واضح کر دے کہ خدائی کی ساری عظمتیں معبود حقیقی کے لیے مخصوص ہو جائیں اور انسانی تعظیم و تکریم کے آداب بندوں کے لیے باقی رہ جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کی تعلیم کردہ تو حید کا نقشہ بھی صرف خیالی رہ جائے۔ عملاً اس کو شرک سے کوئی امتیاز باقی نہ رہے پس جو تعظیم سیرت اسلام میں نہیں اسے تو اسلام کے سرمت چپکاؤ اور جہاں تک تعظیم کی اس نے اجازت دے دی ہے اس کا انکار بھی نہ کر دیا ہے راہ اعتدال۔

أَنْبِيَائِهِمْ كَمَا حَرَّفُوا كِتَابَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ
أَبْدَلَنَا خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ أَهْلِ
الْجَنَّةِ. (رواه احمد)

(۶۸۳) عَنْ أَبِي أَمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِنًا عَلَى عَصَا
فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُوا الْأَعَاجِمُ
يُعْظَمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابو داؤد)

(۶۸۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ
أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا
يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَةِ لَذَلِكَ.

(رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

(۶۸۵) عَنْ أَبِي خُزَيْمَةَ أَنَّهُ يَرَى فِيمَا يَرَى

جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کی ہے
اور اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ
السلام (علیکم) ہے یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے۔ (احمد)

(۶۸۳) ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ کی تعظیم
کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے
لوگ کھڑے ہو کر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۸۴) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی نظروں
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و محترم نہ تھا اس
کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
یہ بات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناپسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

(۶۸۵) ابو خزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا

(۶۸۳) * عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا عجم کی محبت پر تکلف ہوتی ہے اس
میں اسلامی حدود کے ادھر ادھر ہوتے جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بے لوث رہتی ہے
اور عبادت کے ہم رنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ
تعظیم کی جائے اس کے حدود تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے۔

(۶۸۴) * سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے۔

ارید وصالہ ویرید ہجرى ☆ فاترك ما ارید لما یرید

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تامل ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ
میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملا دوں اور شربت وصل کے بجائے تلخی فراق پر راضی ہو جاؤں۔ قیام فی نفسہ جائز ہے مگر
جہاں جہاں جذبات محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہو سکتا تھا۔ وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت
و ارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اسے لئے پلا دیئے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ محبین اپنی فرط محبت میں
تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں۔

(۶۸۵) * کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہو سکتا تھا کتنی فروتنی فرمائی کہ
کھڑے سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر لے۔

کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں یہ خواب آپ سے بھی ذکر کیا آپ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کر لو اس نے آپ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کر لیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

(۶۸۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کر لے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ اٹھا کر رکھ دے تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لیے بھی تیار ہو جائے۔ (مسند امام احمد)

النَّائِمُ أَنَّهُ سَجَدَ عَلَى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَاضْطَجَعَ لَهُ وَقَالَ صَدَقَ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلَى جَبْهَتِهِ.

(رواہ فی شرح السنہ کما فی مشکوٰۃ)

(۶۸۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاتَّقُوا أَسْمَاءَكُمْ وَلَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْءَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ أَمَرَهَا أَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ أَصْفَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَهُ.

(رواہ احمد و روى الترمذی قوله صلى الله عليه وسلم لو كنت امر احدا الخ عن ابی هريرة)

(۶۸۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اللہ خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے مکان سجدہ خواہ کچھ رہے سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ و برتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آ گیا جو عرش و کرسی سے بھی افضل تھا۔ جواب میں اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رویاء مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفس سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ قربان جائے ان صحابہ پر جنہوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی۔ دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں۔

(۶۸۶) * اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتا دیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں۔ یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لیے بلا شرکت ادا کرنا چاہیے۔ ایک غیر مکلف جانور کے سجدہ کی ایک مکلف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کرانا کاتبین کے قلم کے نیچے ہے۔ اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔

(۶۸۷) * اسلام نے مسرت و غم اور تعظیم و تکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کر لو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے۔ اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

اللّٰهُ الرَّجُلُ مَنَّا يَلْقَىٰ أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيْنَحْنِي
لَهُ قَالَ لَا قَالَ أَفِيْلْتَزِمُهُ وَيُقْبَلُهُ قَالَ لَا قَالَ
أَفِيَأْخُذُهُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ

(رواہ الترمذی)

النهي عن اتخاذ قبور الصالحين

مساجد و ايقاد السرج عليها

(۶۸۸) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي
وَنَائِي يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا
قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (رواه مالك مرسلًا)

(۶۸۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ
كَنِيْسَةً تُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَ
أُمُّ حَبِيبَةَ اتَّأَارَضَ الْحَبْشَةُ فَذَكَرْتَا مِنْ
حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرِهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ
أُولَئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا
عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ
الصُّوَرَ أُولَئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللَّهِ. (متفق عليه)

یا رسول اللہ اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی
تعظیم کے لیے جھک سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ
کر بوسہ دے سکتا ہے؟ فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انہوں نے پوچھا
کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کر سکتا ہے؟ فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی

ممانعت

(۶۸۸) عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ
دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو ایک بت نہ بنادینا کہ اس عبادت کی جائے۔
خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں
کو مسجدیں بنا ڈالا۔ (مالک)

(۶۸۹) حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیبیوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام
مار یہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ پہلے
وہاں جا چکی تھیں جب انہوں نے اس کے حسن و خوبی اور تصویروں کا حال
بیان کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان
میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور
اس میں ان کی تصویر بنا دیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر
مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

(۶۸۸) * غضب الہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے حتیٰ کہ مَعْصُوبٌ عَلَیْہُمْ ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی کے نقش قدم
پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابل احترام تھے اس لیے انہوں نے بھی اس بد عملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان
کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انہوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنا لینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لیے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی
کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترکہ گمراہی کا
حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے توسعات ہیں۔

(۶۸۹) * حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر
کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان لے....

(۶۹۰) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا وَانَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ إِلَّا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنْى أَنهَا كُمْ عَنْ ذَالِكِ. (رواه مسلم)

(۶۹۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَ الْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ.

(رواه ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

النهي عن كسوة الحجارة و الطين

(۶۹۲) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

(۶۹۰) جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتی تھیں۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کیے جاتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۶۹۱) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔

(ابوداؤد ترمذی، نسائی)

گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

(۶۹۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آ کر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آ گئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کینہہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آ گیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لیے آپ کی زبان اپنی حیوة کے آخری لمحات تک جس امر کے لیے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

(۶۹۰) * ابتداء میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تبرک رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی۔ پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط مزید کی گئی کہ اس کے ارد گرد معدودہ مطہرات کے حجروں کے ایک چہار دیواری بھی کھنچوادی گئی تاکہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لیے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کردی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ وَاللَّهِ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ۔

(۶۹۲) * سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپ کو اپنے گھر کی درو دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کی لغویت کو اس طرح واضح بھی فرمادیا کہ جو نعمت لباس اللہ

وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي غَزَاةٍ فَأَخَذَتْ نَمَطًا فَسَتَرَتْهُ
عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ
حَتَّى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ
نَكْسُو الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ. (متفق عليه)

(۶۹۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ
حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّا
لَجَلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي الْمَسْجِدِ فَأُظْلِعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ

غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے (آپ کے پیچھے) ایک نقشین
چادر لے کر دروازہ کے اوپر ڈال دی جب آپ تشریف لائے اور آپ نے
وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو
یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں۔ (متفق علیہ)

(۶۹۳) محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے
ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علی سے سنا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر آنکے اس وقت ان
کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا آپ نے جب ان

لہ.... ہمارے باپ آدم کو بڑی آہ و زاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی
اینٹوں اور پتھروں کے۔ بالخصوص جب کہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بھڑکھڑا کر تعظیم
مزیں کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی
اور نہ ان کی زینت بلکہ آپ ہی کی تعظیم اور آپ ہی کی خوش نودی مطلوب تھی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے کبھی خوش نہیں ہوتے
جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدود تعظیم سے متجاوز اور اعمال شرک سے ملتبس ہوں۔ اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب
خدائے تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہیں فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر
پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ ایسی بے
جا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لیے موجب تکلیف و ندامت ہو۔

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کے لیے عرض کیا جائے گا تو وہ ان الفاظ
میں معذرت فرمائیں گے ”انسی عبدت من دون اللہ“ مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سوا معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگرچہ سراسر
اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لیے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں۔ عیسائی اس فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے
اپنی محبت کا حق اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے جرم کے
مرکب ہیں۔ افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لیے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن سن کر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ
کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے۔ صدق اللہ و رسولہ لتبعن سنن من قبلکم شبر ابشرو ذرا عا بذراع۔

(۶۹۳) * اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اس کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس
طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تعظیم بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی۔
قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ
حضرت حمزہ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے
پیٹوں سے ہوتا کہ اس بے کسی پر ان پر تو خدائے تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہ خشم اور سخت ہو جاتی لہ....

کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آ گیا ان کے اس حالت ناز و نعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا بتاؤ اس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہوگی جب کہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا۔ اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانہ کعبہ کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہوگا۔ معاش کے لیے محنت، مشقت کی حاجت نہ ہوگی بس عبادت کے لیے فرصت ہی فرصت مل جائے گی۔ فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عمرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو۔ (ترمذی شریف)

(۶۹۴) سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے۔ شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔ شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فریبہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کے لیے نہیں دیتا۔ رہ گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے۔ سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ مَرْقُوعَةٌ بِفَرٍّ فَلَمَّا رَأَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النُّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بَكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَ رَاحَ فِي حُلَّةٍ وَ وَضَعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَ رُفِعَتْ أُخْرَى وَ سَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَ نُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمْ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذی)

(۶۹۴) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ إِبِلُ الشَّيَاطِينِ وَ بُيُوتُ الشَّيَاطِينِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِينِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِنَجِيَّاتٍ مَعَهُ قَدْ أَسْمَنَهَا فَلَا يَغْلُوا بِغَيْرِهَا مِنْهَا وَ يَمُرُّ بِأَخِيهِ قَدْ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَ أَمَّا بُيُوتُ الشَّيَاطِينِ فَلَمْ أَرَهَا كَانَ سَعِيدٌ يَقُولُ لَا أَرَاهَا إِلَّا هَذِهِ الْأَقْفَاصَ الَّتِي يَسْتُرُ النَّاسُ بِالذِّيَابِ. (رواه ابوداؤد)

لہ... مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لیے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمنا کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر پیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کر لو۔

(۶۹۴) * معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نام بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جازینت اور اسراف کے سوا اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے۔ خوب سن لو اس کی جواب دہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہو سکتی جنہوں نے اپنی ساری زندگی ایک پھٹی کملی میں گزار دی ہو اس کا جواب اُن کو دینا ہے جنہوں نے ان کی وفات کے بعد حدود شریعت کو توڑا ہے۔

(۶۹۵) عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ لِي عَلِيُّ إِلَّا أَبْعُثَكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدْعُ تَمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ.

(رواہ مسلم)

(۶۹۶) عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا. (رواہ مسلم)

الصلوة حين يعبد الكفار تشبه بمن يعبد غير الله

(۶۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَإِذَا ارْتَفَعَتْ فَارْقَهَا ثُمَّ إِذَا سَوَتْ قَارَنَهَا فَإِذَا

(۶۹۵) ابوالہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھو اسے مٹاؤ اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے نیچا کر دینا۔

(مسلم شریف)

(۶۹۶) ابو مرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے

(۶۹۷) عبد اللہ صنابچی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آفتاب نکلتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ شیطان ہو جاتا ہے پھر جب آفتاب بلند ہو جاتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب ٹھیک درمیان میں آ جاتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جب

(۶۹۶) * قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک اشرف نوع ہے تو حید کا تقاضا نہ تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلا وجہ توہین کی جائے اور نہ اس میں اتنا خلخل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھ کر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء تو حید سمجھایا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف تو حید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض و واجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کرنے سے کیا حاصل ہے۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کا پورا مجمع زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابوداؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط و تفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ نیز قبروں کے متعلق جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

(۶۹۷) * لغت میں قرن کے متعدد معانی مذکور ہیں۔ امام ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں کہ یہاں اس کے معنی جانبین رأس کے ہیں اسی محاورہ کے مطابق وہ حدیث ہے جو مشرق کی مذمت کے بارے میں آئی ہے ”من ههنا يطلع قرن الشيطان“ یعنی اس سمت سے شیطان کا سر ظاہر ہوگا۔ (یعنی اس کے فتنہ کا آغاز ہوگا) یہاں بھی قرن کے معنی سینگ کے نہیں بلکہ قرن...

زَالَتْ فَارَقَهَا فَإِذَا دَنْتَ لِلْغُرُوبِ فَارَنَهَا فَإِذَا
 غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي تِلْكَ السَّاعَاتِ .
 (رواه مالك و احمد و النسائي)

ڈھل جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جب غروب ہونے لگتا ہے تو
 پھر وہ آ جاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہو
 جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز سے روک
 دیا ہے۔ (مالک - احمد - نسائی)

اللہ جانب راس ہی کے ہیں اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم کو اس حقیقت کی اطلاع دی ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب
 کے وقت چونکہ کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے شیطان اس کے ساتھ اس طرح رہتا ہے کہ آفتاب اس کے سر کے اوپر سے گذرتا ہے اس
 لیے شریعت ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ
 تمام حقیقت ایک غیبی حقیقت ہے اگر عقل کے نزدیک اس میں کوئی امر قابل انکار ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر لیتے۔ لیکن جب عقلاً ممکن ہے اور
 شریعت ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے تو جہاں اس کے اعتماد پر اور غیبی حقائق تسلیم کی گئی ہیں یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے۔ (ص ۱۵۵ و ۱۵۶)
 جس گرجا میں تصویریں ہوں اس میں نمازیں پڑھنے کی ممانعت کے ذیل میں حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: فالمصلی فیہا مشابہ
 لمن یعبد غیر اللہ و ان کانت نیتہ الصلوۃ کما ان المصلی عند طلوع الشمس و عند غروبہا لما شابہ من یعبد غیر
 اللہ نہی عن ذلک سدا للذریعہ - (کتاب الرد علی البکری ص ۳۰۰) جو شخص با تصویر گرجا میں نماز پڑھتا ہے وہ اس شخص کے
 مشابہ ہو جاتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اگرچہ اس کی نیت نماز ہی کی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ شخص بھی جو آفتاب کے طلوع اور غروب
 کے وقت نماز پڑھتا ہے وہ بھی غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے مشابہ بن جاتا ہے اس لیے سد ذریعہ کے لیے ان اوقات میں بھی شریعت
 نے نماز ادا کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جو قوم بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے درحقیقت وہ شیطان ہی کی عبادت کرتی ہے چنانچہ مشرکین میں
 ایک جماعت فرشتوں کی عبادت کی قائل تھی وہ بزعم خود یہی سمجھتی تھی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کر رہی ہے مگر درحقیقت ان کی عبادت شیطان
 کے لیے بن جاتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا لِي أَيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
 قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱) حق تعالیٰ جس
 دن ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہمارا ولی ہے۔
 یہ نہیں بلکہ یہ لوگ حقیقت میں شیطانوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر ان ہی کے معتقد تھے۔

کواکب پرست بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ ان کو اکب کی روحانیت کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے عجز و نیاز کا سرشاید ان ہی کے
 سامنے جھک رہا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہاں بھی ان کا معبود درحقیقت شیطان ہی ہوتا ہے اسی لیے جب ان کی عبادت کا وقت آتا ہے تو شیطان
 آفتاب کے ساتھ ہو لیتا ہے تاکہ وہ آفتاب کو مبداء سمجھ کر سجدہ کریں اور درحقیقت ان کا یہ سجدہ اس کے لیے ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ
 کی ذات کے سوا جو کوئی بھی دوسرا معبود بنایا گیا ہے درحقیقت وہ شیطان ہی ہوا ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا
 الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (یس: ۶۰) اے اولادِ آدم کیا ہم نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
 اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شرک کے جملہ انواع و اصناف میں چونکہ خدائے تعالیٰ کا شریک اس کو ٹھہرایا جاتا ہے جو اس کی مخلوق
 میں سب سے ارذل اور سب سے بدتر ہے اس لیے شرک کا گناہ بھی سب سے بدتر گناہ ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۹۲)

(۶۹۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَذَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتَّى تَرْتَفِعَ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ حِينَ تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ وَ حِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمَحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنْ حِينَئِذٍ تُسَجِّرُ جَهَنَّمَ فَإِذَا أَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةٌ مَحْضُورَةٌ حَتَّى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ وَ حِينَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ فَاَلْوُضُوءُ حَدَّثَنِي عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يَقْرُبُ وَضُوءَهُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْشِرُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ وَفِيهِ وَخَيَاشِيمِهِ ثُمَّ

(۶۹۸) عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمائیے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آگے کیونکہ اس نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہو لے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضو کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضو کے لیے پانی لے کر وضو کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس

(۶۹۸) * یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرنِ شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے۔ اس لیے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روکا گیا ہے اور اسی لیے ان اوقات کے سوا جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لیے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سماء دنیا پر ظاہر ہوتی ہے دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بندوں کے اعمال نامے آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہروں کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقات رحمت کی اطلاع دے کر ان میں عبادت کی ترغیب دی ہے اور اوقات شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف شرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے جن میں شیطانی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت و مدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گزاروں کو اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثارِ قبولیت سمجھتے رہتے ہیں بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گزار مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں لگے

کے بعد شریعت کے حکم کے موافق منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں اس کے بعد جب وہ کہیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی کوتاہیاں بھی نکل جاتی ہیں پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کی کوتاہیاں بھی پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہو گیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللہم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی ایسی حمد و ثنا جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کر لیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہو گا تو گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو گا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

(۶۹۹) مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔

(ابوداؤد)

إِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهِ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَمْلِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهُ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهِ مِنْ أَطْرَافِ شَعْرِهِ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ أَمْلِهِ مَعَ الْمَاءِ فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمْدَ اللَّهِ وَائْتَنَى عَلَيْهِ وَمَجْدَهُ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلُهُ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلَّهِ إِلَّا أَنْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَاتِهِ كَهَيْئَةِ يَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رواه مسلم)

النهي عن الصلوة الى السترة

(۶۹۹) عَنْ الْمُقَدَّادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى عُودٍ أَوْ عُمُودٍ وَلَا شَجَرَةٍ إِلَّا جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ أَوْ الْأَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُّهُ صَمْدًا. (رواه ابو داؤد)

اللہ... سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کر دیتے ہیں اور تو حید حقیقی کا ایسا نشہ پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے نہ دل میں کسی کی سائی رہتی ہے نہ زبان پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر و نہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لیے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب و علل کو واضح کر جاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد و تسلیم کے بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کر لیتی۔

(۶۹۹) * کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بنا پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں بھی اس نقشہ کو کہیں دیکھنے نہ پائے اس لیے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لیے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کر لیا جائے تاکہ جس جگہ معبود حقیقی کے لیے سجدہ ادا کیا جا رہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

النہی عن عتق بعض العبد لئلا

یکون فیہ شریکا للہ عزوجل

(۷۰۰) عَنْ أَبِي الْمَلِیح عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا

أَعْتَقَ شَقِصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلَّهِ

شَرِيكَ فَأَجَازَ عِتْقَهُ. (رواه ابوداؤد)

ترک الصلوٰۃ من غیر عذر کفر

(۷۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ

تَرْكُ الصَّلَاةِ. (رواه مسلم)

(۷۰۲) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَوْصَانِي

خَلِيلِي أَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَأَنْ

قَطَعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكُ صَلَاةً مَكْتُوبَةً

نا تمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت

میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے

(۷۰۰) ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے

اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ

نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم

دے دیا۔ (ابوداؤد)

کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے

(۷۰۱) جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ

اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی ادھر نماز چھوڑی

ادھر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

(۷۰۲) ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے

مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدائے تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ

تیری بوٹی بوٹی آزادی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض

(۷۰۰) * توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامہ مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی زیادہ نازک ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک

حتیٰ کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لیے اس کے سامنے شرک کا نام آ جانا ہی کافی ہوتا ہے اس

مرحلہ پر پہنچ کر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں بات

میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے

اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کر دیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت میں ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے

آزاد کرنے کے لیے مضطر ہو جائے اس لیے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی

ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت تو حید اپنے لیے یہ شرکت برداشت کرے گی کہ اس

تعبیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں محظورات شرعیہ مکروہات طبعیہ کی جگہ نہ آجائیں۔

ع ذوق اس بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

(۷۰۲) * اس حدیث میں شرب خمر اور ترک صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔

جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیت ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف

اشارہ ہے ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (البقرہ) اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں

کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہوگئی۔

نماز، جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

(۷۰۳) عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔

(ترمذی شریف)

(۷۰۴) بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بنا پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا۔

(احمد و ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کیں

(۷۰۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ. (رواہ ابن ماجہ)

(۷۰۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُونَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرُكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ. (رواہ الترمذی)

(۷۰۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. (رواہ احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ)

النہی عن اطراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طراء النصاری ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۷۰۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

(۷۰۴) * بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت دراصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لیے اس روشن عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئین اسلام کے تحت نہ آ سکتا تھا جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر۔ کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترکِ صلوٰۃ ہی تھی دور انقلاب و انحطاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جو مؤمن ہونے کے ساتھ تارکِ صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کر دیا اور اتنا اشکال پیدا کر دیا کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کارجان اس کی تاویل ہنی کی طرف ہے۔ بہر حال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل اور عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مؤمن کا یہ تو بہر حال فرض ہونا چاہیے۔ کہ وہ ایسے عمل سے دور ہی رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آچکا ہو۔

میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں کیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہذا مجھ کو عبد اللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

(۷۰۶) مطرف بن عبد اللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا دراصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر کہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنا دے۔

(مسند احمد - ابوداؤد)

(۷۰۷) انس بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو یوں خطاب کیا، اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپ نے (ازراہ کسر نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایان شان ہے۔ (مسلم)

(۷۰۸) ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ اَنْتَ قُلْتَ، الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہراؤ۔ تو اس کا جواب ان کو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَطْرُونِيْ كَمَا اَطْرَبَ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ. (متفق علیہ)

(۷۰۶) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشَّخِيرِ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِيْ وَفْدِ بَنِيْ عَامِرٍ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَيِّدُنَا فَقَالَ السَّيِّدُ اللّٰهُ فَقُلْنَا وَافْضَلُنَا فَضْلًا وَاعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُولُوا قَوْلَكُمْ اَوْ بَعْضُ قَوْلِكُمْ وَ لَا يَسْتَجِرُّنَّكُمْ الشَّيْطَانُ.

(رواہ احمد و ابوداؤد)

(۷۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ. (رواہ مسلم)

(۷۰۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ تَلَقَّی عِیْسَى حُجَّتَهُ وَ لَقَّاهُ اللّٰهُ فِيْ قَوْلِهِ يَا عِیْسَى بْنُ مَرْيَمَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّی الْهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقَّاهُ سُبْحَانَكَ مَا یَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِيْ بِحَقِّ الْاٰیَةِ. (رواہ الترمذی)

(۷۰۸) * دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان عقیدہ مندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچادی آخر یوم حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسول کے سر رکھ ہی دی تو انصاف الہی کا تقاضا ہوا کہ مدعی علیہ سے کم از کم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیسا کٹھن ہو جاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرما کر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ ...

(۷۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِي آدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانَ فِي جَنْبِهِ بِأَصْبَعِهِ حِينَ يُولَدُ غَيْرَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطَعَنَ فِي الْحَبَابِ.

(۷۰۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ

(۷۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس

لہ اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نا اہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گزار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالیٰ نے اپنے علم ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لیے نبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لیے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابدیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے۔ (العیاذ باللہ)

(۷۰۹) * عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لیے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔

﴿إِنِّي أُعِذُّهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (آل عمران : ۳۶)

”میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان پھنکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لیے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کے شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

(۷۱۰) * انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس ساری جماعت میں اول سے لے کر آخر تک ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی تعلیم میں اصولاً کوئی ادنیٰ اختلاف ہو اور نہ ان میں کوئی ایسا ملتا ہے جو ایک دوسرے کے احترام کے خلاف ادنیٰ کلمہ بھی برداشت کر سکتا ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں ورنہ جن کے مابین ہزاروں سال کی مدت تھی

وَالَّذِي اصْطَفَىٰ مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ
فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي اصْطَفَىٰ مُوسَىٰ عَلَى
الْعَالَمِينَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذَلِكَ
فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ
مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ
فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَىٰ فَإِنَّ النَّاسَ يُضَعِّقُونَ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاضْعُقْ مَعَهُمْ فَakُونَ أَوَّلَ مَنْ
يُفِيْقُ فَإِذَا مُوسَىٰ بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا
أَذْرِي كَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَافَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ
فِيمَنْ اسْتَشْنَى اللَّهَ (متفق عليه)

نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس
ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی۔
یہ سننا تھا کہ مسلمان نے فوراً ایک تھپڑاٹھا کر اس کے منہ پر رسید کر دیا یہودی
چلا اور اس نے آ کر اپنا اور اس کا سارا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلایا اور اس معاملہ کی تحقیق کی،
اس نے جو بات تھی صاف کہہ دی۔ آپ نے سن کر فرمایا حضرت موسیٰ علیہ
الصلوة والسلام پر تم مجھے اس طرح فضیلت مت دو، کیونکہ قیامت
میں ایک وقت آئے گا کہ تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے میں بھی ان میں
ہوں گا پھر سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام عرش عظیم کا پایہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اب میں نہیں جانتا کہ وہ
بیہوش ہوئے تھے یا مجھ سے پہلے ہوشیار ہو چکے تھے یا ان میں داخل تھے جن کو
اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔

(متفق علیہ)

(۷۱۱) عَنْ عَائِشَةَ ۖ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (۷۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

ﷺ.... حائل ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے اصول میں سرمو بھی کوئی اختلاف نہ ہو سکے یا ان میں کا افضل سے افضل تعصب سے اتنا خالی ہو کہ
اپنے کسی فرد کے متعلق کوئی ادنیٰ کلمہ سننا بھی برداشت نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ آپ جس جماعت کو دیکھیں گے ان میں آپ کو یہ یک رنگی نظر نہ
آئیگی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کی جماعت جن کی پوری زندگی مجاہدہ و ایثار کا مجسم مرقع ہوتی ہے ان کی تعلیمات میں بھی بڑا اختلاف نظر آتا ہے بلکہ
تعلیم سے آگے چل کر ان کے مابین خود ان کی شخصیات کی مقبولیت اور نامقبولیت کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان جماعتوں
سے علیحدہ ہو کر یہی حال ان فلاسفوں کا ہے جو دنیوی علوم کی ریسرچ میں عمریں کھپا گئے ہیں۔ یہ ایک اور صرف ایک ہی جماعت ہے جس کا پہلا
انسان اور آخری انسان نہ اپنی تعلیم میں کوئی اختلاف رکھتا ہے اور نہ اپنی جماعت میں کسی کے احترام کے خلاف کوئی ادنیٰ کلمہ برداشت کر سکتا
ہے۔ دیکھئے خاتم الانبیاء علیہم السلام کو اس کلی فضیلت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی یہ برداشت نہ ہو سکا کہ آپ کے ہوتے
ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اس درجہ پامال کی جائے کہ ان کی شان میں کوئی مبالغہ کرنے والا معتقد مار کھانے کا مستحق سمجھا جائے۔
باز شبہ یہاں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی مگر فضیلت کلیہ تو اسی کے لیے لکھی جا چکی ہے جو عرش پر
بیمین رحمان میں جلوہ افروز ہوگا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان سارے فضائل کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ
میں آپ کو اپنی لاعلمی کے اظہار کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ جن علوم کا احاطہ خالق کے لیے کمال ہو۔ اگر وہ
کسی افضل سے افضل مخلوق کے دامن میں نہ ہوں تو یہ اس کے لیے کسی ادنیٰ نقصان کا بھی موجب نہیں ہو سکتا۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ جَاءَ نَبِيَّ مَلَكٌ وَإِنْ حُجِزَتْهُ لَتَسَاوَى الْكُعْبَةُ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا فَظَرْتُ إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعُ نَفْسَكَ وَفِي رَوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتْ فَتَفَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جِبْرِئِيلَ كَالْمُسْتَشِيرِ لَهُ فَأَشَارَ جِبْرِئِيلُ بِيَدِهِ أَنْ تَوَاضَعَ فَقُلْتُ نَبِيًّا عَبْدًا قَالَتْ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا يَأْكُلُ مُتَكِنًا يَقُولُ أَكُلْ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَاجْلِسْ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ.

(رواه فی شرح السنہ)

(۷۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّي خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى. (متفق عليه)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا اس کے تہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی اس نے کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو؟ نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی (جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے انہوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے۔ (شرح السنہ)

(۷۱۲) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (متفق علیہ)

(۷۱۲) * حضرت یونس علیہ السلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہ نبوت کی شان کے مناسب خالق السموات و الارضین کے مواخذہ کی باتیں ہیں۔ افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لاسکے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل و مفضل تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب ایک ہی صداقت کے منظم ہوتے ہیں۔ جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں۔ پس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخییر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گزرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہو گی۔ بہر حال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطراء کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس پر...

(۷۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ النَّاسِ أَكْرَمُ قَالَ أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللَّهِ ابْنُ نَبِيِّ اللَّهِ بْنِ نَبِيِّ اللَّهِ بْنِ خَلِيلِ اللَّهِ قَالُوا لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونَنِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَفَهُوا. (متفق عليه)

(۷۱۳) ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ہستی کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو انہوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ہستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو انہوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

لہذا کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کر سکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنہوں نے رسولؐ کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا یا ان کو خالق کی جانب میں اتنا بلند کیا کہ پھر دوائی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمہ کفر بن گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا واللہ یهدی الحق وھو یھدی السبیل۔

(۷۱۳) * اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے۔ ہمیشہ اور ہر ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بناء پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرما دیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سوا یہ خصوصیت بھی تھی کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گزرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہیے۔ یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جب کہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات و فضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمة کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لیے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

- (۷۱۴) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلًا قَالَتْ فَعِثْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ مَالِكُ يَا عَائِشَةُ أَغْرَتِ فَقُلْتُ وَمَالِي لَا يَغَارُ مِثْلِي عَلَى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكَ شَيْطَانُكَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ نَعَمْ وَلَكِنْ أَعَانَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ حَتَّى أَسْلَمَ. (رواه مسلم)
- (۷۱۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی (۷۱۴) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور آپ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آ گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ اس شیطان نے ڈال دیا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۷۱۴) * اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آ سکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لیے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں۔ ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (تحریم: ۶)

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔ کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرماتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکہ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں۔ پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار درحقیقت آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے۔

(۷۱۵) * دیکھئے فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان بدعائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں ہی دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد دلانے...

قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَسِيرٍ فَلَهُوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَذَهَبَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْأَسِيرُ قَالَ لَهُوْتُ عَنْهُ مَعَ النِّسْوَةِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا لَكَ قَطَعَ اللَّهُ يَدَكَ أَوْ يَدَيْكَ فَخَرَجَ فَأَذَنَ بِهِ النَّاسُ فَطَلَبُوهُ فَجِئْتُ بِهِ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَ أَنَا أَقْلَبُ يَدَيَّ فَقَالَ أَجْنَبْتَ قُلْتُ دَعَوْتُ وَ أَنَا أَقْلَبُ يَدَيَّ أَنْظُرْ أَيُّهُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللَّهُ وَ أَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا وَ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي بَشَرٌ أَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ أَوْ مُؤْمِنَةٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَ طَهُورًا.

(رواہ احمد)

لا عبرة لمشية العبد بجنب مشية
الله تعالى

(۷۱۶) عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

لے کر میرے گھر تشریف لائے۔ میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہو گئی تو وہ چل دیا، آپ تشریف لائے تو آپ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہو گئی اور وہ نکل بھاگا آپ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو۔ میں نے عرض کیا جب سے کہ آپ کی زبان سے بددعا کے کلمات نکلے ہیں میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کون سا قطع ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بددعا کے کلمات نکل گئے

ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنادے۔ (احمد)

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت
کچھ نہیں

(۷۱۶) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں

اللہ فرمالتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں آپ کی یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ دعا میں استجابت دعائیہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ”قطع اللہ یدک“ سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہو نہیں سکتا کہ درحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھائے بغیر یہاں بھی نہیں رہے۔ پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آگیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بنا پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کو سا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷۱۶) * یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہیے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہیے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ داو عربی زبان میں جمع اور لفظ

وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ فَلَانٌ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ فَلَانٌ. (رواه احمد ج ۵ ص ۳۸۴ و ج ۵ ص ۳۹۴ و ج ۵ ص ۳۹۸) وفي شرح السنة منقطعا كما في المشكوة في باب الاسامي لا تقولوا ما شاء الله و شاء محمد و قولوا امشاء الله وحده

مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے۔ پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو۔) (مسند احمد)

(۷۱۷) عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيحٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي مَدَحْتُ اللَّهَ بِمَدْحَةٍ وَ مَدَحْتُكَ بِأُخْرَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَ ابْدَأْ بِمَدْحَةِ اللَّهِ تَعَالَى. (رواه احمد كما في الرحمة المهداة)

(۷۱۷) اسود بن سريح رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ (سناؤ) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے۔ (مسند احمد)

(۷۱۸) عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيحٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى بِأَسِيرٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَتُوبُ إِلَيْكَ وَ لَا أَتُوبُ إِلَى مُحَمَّدٍ

(۷۱۸) اسود بن سريح رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قیدی حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا اے اللہ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نہیں

لہ... شرکت کے لیے آتا ہے اور ثم ترتیب کے لیے۔ اس لیے آپ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واد کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہیے۔ (کتاب الاذکار ص ۱۵۷) حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے۔ دیکھو کتاب الرد علی البکری ص ۱۹۵۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۱ ص ۲۷۹ کا نوٹ بھی ملاحظہ کیا جائے۔

(۷۱۷) * اگرچہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلا واسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا۔ اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثناء کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لیے دعا کیجئے۔

(۷۱۸) * حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ توبہ۔ حلف و نذر و جود و طواف بیت کی طرح خاص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اس میں کسی غیر اللہ کے شرکت کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے اس توحید بھرے کلمہ کی داد دی۔ (دیکھو الجواب الکافی ص ۱۸۱)

حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی کے قریب قریب وہ کلمات ہیں جو حضرت عائشہ کی زبان مبارک سے قصہ اقلک میں نکلے تھے جب کہ قرآن کریم میں ان کی براءت نازل ہو گئی اور ان کی والدہ ماجدہ نے فرط مسرت میں آ کر فرمایا قوم سی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ! لو اس خوشی میں کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو تو انہوں نے ناگواری و ناز کے مابین عالم میں یہ جواب دیا و اللہ لا اقوم الیہ و لا احمده و لا ایاکم لقد سمعتم فلا انکرتم و لا غیرتم و لا احمدا الا اللہ الذی انزل براءتی۔ میں آپ کی یا اپنے والدین کی اس معاملہ میں کیا تعریف کروں آپ لوگوں نے تو جو سنا اس پر نہ تو کچھ انکار کیا نہ اس کے ازالہ لہ...

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفَ كَرْتَا - آپ نے فرمایا اس شخص نے توبہ جس کا حق تھا اس کو پہچان لیا -
الْحَقُّ لِأَهْلِهِ.
(مسند احمد)

(رواہ احمد کما فی الرحمة المہداة و رواہ ابو عبیدہ فی الاموال عن عبدالرحمن بن مہدی عن سلام)

اللہ... کی کوئی فکر کی۔ میں تو اپنے اس خدا عزوجل کی تعریف کروں گی جس نے آسمان سے میری براءت نازل فرمائی۔ (بخاری شریف)
امام بیہقی نے حضرت عائشہؓ کے ان کلماتِ ناز کے متعلق جو جواب حضرت عبداللہ بن المبارک سے باسناد نقل کیا ہے وہ ٹھیک یہی ہے جو اس وقت آپ کے سامنے لسانِ نبوت سے موجود ہے یعنی تعریف دراصل ایک حق سبحانہ تعالیٰ کا ہی حق ہے اس بیرون از قیاس و گمان انعام پر حضرت عائشہؓ کی زبان سے تعریف کا کلمہ بے ساختہ اسی ذات کے لیے نکلا جو درحقیقت تعریف کی مستحق تھی اور اس وقت انہیں اس میں کسی کے لیے شرکت کی گنجائش نظر نہ آئی۔ (کتاب الرد علی البکری)

اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بلغ تحقیق ذکر فرمائی ہے اس کا ملحوظ خاطر رکھنا ایمان و کفر میں امتیاز کا ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ رسول کی تعظیم اور خدا کی توحید دونوں اسلامی رکن ہیں مگر یہاں بھی نا فہموں نے ایک عبارتی کشمکش پیدا کر دی ہے بعض موحدین تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک رسول کی شان رفیع میں گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں اس وقت تک گویا خدائے تعالیٰ کی توحید کا حق ادا ہی نہیں ہوتا اور محبت رسول کے مقام کے دم بھرنے والے بعض جاہل یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ توحید خداوندی کی زیادہ توضیح کرنے سے بھی رسول کی عظمت شان کو گویا ٹھیس لگتی ہے وہ اگر اپنی زبان سے ایک مرتبہ یا اللہ کہہ دیتے ہیں تو جب تک سو مرتبہ یا رسول اللہ نہیں کہہ لیتے ان کو چین نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ بعض مزارات پر جا کر دیکھو تو تم کو محسوس ہوگا کہ اس فضاء میں جہاں کبھی صرف ایک اللہ ہی کا نام پاک گونجا کرتا تھا آج یا اللہ کہنا سب سے بڑا کفر بنا ہوا ہے۔ یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں بہت بسیط بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تعظیم کے مواضع کیا ہیں اور تنقیص کے مواضع کیا اور اس کی بڑی تفصیل کی ہے۔ بعض مرتبہ نیت کے بدل جانے سے کلمہ تنقیص تنقیص نہیں رہتا جیسے ”رَاعِنَا“ یہود جب اس کلمہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے تو چونکہ ان کی نیت فاسد ہوتی تھی اس لیے ان کی زبان سے یہ کلمہ تنقیص تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی یہ نیت نہ تھی اس لیے ان کی زبان سے یہی کلمہ ادنیٰ تنقیص کا موجب بھی نہ تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ یہود چونکہ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو بھی اس کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔

اسی طرح جب کہ گفتگو سیاق توحید میں ہو تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سلب کرنا موجب کسر شان شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ بلند بارگاہ ہے کہ جہاں وہ ہے وہاں کوئی نہیں اس لیے اس کی ذاتی خصوصیات سلب کرنے میں کسی کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گناہوں کی مغفرت کر سکتی ہے۔ (ہاں رسول مغفرت کی سفارش کر سکتا ہے اور حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ میں رسول کی سفارش کبھی خالی نہیں جاتی) تو اس میں رسول کی کوئی کسر شان نہ ہو گی۔ کیونکہ یہاں جس صفت کو رسول کی ذات سے سلب کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے ثابت ہی نہیں تھی وہ خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔ ہاں بے حاجت ان صفات کی نفی کا مشغلہ لگائے رکھنا بھی سوء ادب گستاخی اور انتہا درجہ خطرناک ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصاریٰ نے خدا بنایا تو ان کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کرنی عین حکمت ہے۔ لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ کسی کا اس قسم کا عقیدہ ہو نہ اس کا اندیشہ تو ان کے حق میں اس قسم کی عبارتیں توہین کی حد میں بھی داخل ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو اسلوب بیان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اختیار کیا ہے وہ اور رسولوں کے لیے اختیار نہیں کیا حالانکہ اللہ...

(۷۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَبْرَصَ وَاقْرَعَ وَاعْمَى فَأَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَسْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذْهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَاعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلُ أَوِ الْبَقَرُ شَكَّ اسْحَقْ إِلَّا أَنَّ الْأَبْرَصَ وَالْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا الْإِبِلَ وَقَالَ الْآخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَأَعْطِيَ نَاقَةً عَشْرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَدْ قَذَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذْهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَأَعْطِيَ بَقْرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَعْمَى فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ أَنْ يَرُدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ بِهِ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَاتَى الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمَ فَأَعْطِيَ شَاةً وَالِدًا

(۷۱۹) ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروصؓ، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ اس نے کہا خوب صورت رنگت اور خوب صورت کھال اور یہ بات کہ جس بدنارنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بدنمائی ختم ہو گئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے! آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتائے یا گائے۔ راوی حدیث اسحق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ ابرص اور گنچے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے۔ غرض اس کو ایک ایسی اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہو گئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے نے یہ دعا دی۔ جایی اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ گنچے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے؟ اس نے کہا خوب صورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوب صورت ہو گئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے! آپ کو مال کون سا پسند ہے؟ اس نے کہا گائے اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی۔ فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی گائے میں برکت دے۔ اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا کہئے! صاحب آپ کو سب سے زیادہ کیا بات پسند ہے؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے لگوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد

اللہ.... جب متکلم خود اللہ تعالیٰ ہو اور معاملہ رسولوں کا آجائے تو وہاں توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس بے وجہ رسولوں کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کا مشغلہ بھی تو حید کا اقتضاء نہیں اور نہ تو حید کو گندہ کرنا رسول کی کوئی عظمت کی بات ہے۔ (کتاب الرد علی البکری)

(۷۱۹) * اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت و ادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا ہے جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا اللہ....

۱۔ برص بیماری والا۔ جس میں جلد پر بدنما نشان پڑ جاتے ہیں۔

فَإِن تَجَ هَذَا وَوَلَدَ هَذَا فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ
الْإِبِلِ وَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ
الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَ
هَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مُسْكِينٌ قَدْ انْقَطَعَتْ بِي
الْحَبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا
بِاللَّهِ ثُمَّ بَكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ
اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ الْحَسَنَ وَ الْمَالَ
بَعِيرًا أَتَبْلُغُ بِهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْحَقُوقُ
كَثِيرَةٌ فَقَالَ إِنَّهُ كَأَنِّي أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ
أَبْرَصَ يَقْذِرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ
اللَّهُ مَالًا فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا الْمَالَ كَابِرًا
عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيِّرْكَ
اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ. قَالَ فَاتَى الْأَقْرَعَ فِي
صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ
مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَى هَذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا
فَصَيِّرْكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتَ. قَالَ وَ أَتَى
الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَ هَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ
مُسْكِينٌ وَ ابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِي الْحَبَالُ
فِي سَفَرِي فَلَا بَلَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ
بَكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصْرَكَ
شَاةً أَتَبْلُغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ
أَعْمَى فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصْرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَ
دَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللَّهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ

پوچھا آپ کو کون سا مال مرغوب ہے؟ وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جتنے والی تیار بکری
مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے بیاگئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہو گیا
(اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے اونٹ ہو گئے اور گنچے
کہ پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں
ہو گئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں
ایک مسکین ہوں سفر کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہو چکے ہیں
اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں رہا، سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر
اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دے کر ایک اونٹ مانگتا
ہوں جس نے آپ کو یہ خوش نما رنگ اور یہ خوش نما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے
کہا میری ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں
آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہنے کیا آپ مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے
تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا اس نے کہا یہ مال تو
میرے باپ دادے سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو
جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی پہلی
ہی شکل میں گنچے کے پاس پہنچے اور اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی
جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسا ہی کر دے
جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں
ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ
تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی
ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری
کا سوال کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کر لوں
اس نے کہا بے شک میں نابینا تھا اور بے شک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی
جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی

..... یعنی اس نے بے انتہاء خوشامد کے موقع پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی اسی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل
مشکل کشتا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

بَشِيءٍ أَخَذْتَهُ لِلَّهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَا لَكَ
فَإِنَّمَا أُبْتَلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَ سَخِطَ
عَلَى صَاحِبِكَ .

(متفق علیہ)

(۷۲۰) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ
الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعَمَ الْقَوْمِ أَنْتُمْ لَوْ لَا أَنَّكُمْ
تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَ شَاءَ
مُحَمَّدٌ وَ ذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَا عَرَفَهَا
لَكُمْ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ . (رواه

ابن ماجہ ص ۱۵۴ ورواه احمد الطيالسی بتغير

يسير كما في ترجمان السنة ص ۳۰۱ ج ۱)

(۷۲۱) عَنْ قُتَيْبَةَ امْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ أَنَّ يَهُودِيًّا
آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ
تُسَدِّدُونَ وَ إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ
اللَّهُ وَ شِئْتُمْ وَ تَقُولُونَ وَ الْكُفَّةُ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا
أَنْ يَقُولُوا وَ رَبَّ الْكُفَّةِ وَ يَقُولُ أَحَدٌ مَا شَاءَ
اللَّهُ ثُمَّ شِئْتُمْ . (رواه النسائي ص ۵۹۱ و اخرجہ

ابن سعد بسط من هذا كما في الدر المنثور ج ۱

ص ۳۵ تحت قوله تعالى فلا تجعلوا لله اندادا)

(۷۲۲) عَنْ طُفَيْلِ بْنِ سَنْجَرَةَ أَنَّهُ رَأَى فِيْمَا
يَرَى النَّائِمُ كَأَنَّهُ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ أَنْتُمْ
نِعَمَ الْقَوْمِ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ عُزَيْرَ ابْنِ اللَّهِ
فَقَالُوا وَ أَنْتُمْ نِعَمَ الْقَوْمِ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ

بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لے گا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے
دے دوں گا۔ فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہو گیا اور تیرے
ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہو گیا۔ (متفق علیہ)

(۷۲۰) حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں
سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا
تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ
نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انہوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری
اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کر رہا تھا لہذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی
عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور وشاء محمد
کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔

(ابن ماجہ)

(۷۲۱) قبیلہ جہینہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدائے تعالیٰ
کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو ایک تو تم
یوں کہتے ہو ما شاء اللہ وَ شِئْتُمْ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت
اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے
ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ
کو حکم دے دیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا
کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز نہ کیا کریں
بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں۔ (نسائی شریف)

(۷۲۲) طفیل بن سنجرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک خواب میں دیکھا
کہ ان کا ایک یہودی کی جماعت کے پاس سے گزر رہا انہوں نے اس سے
کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ
ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا

ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا، اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر کیا کرو جس کا کوئی شریک نہیں۔

مَا شَاءَ اللَّهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَّ بِرَهْطٍ مِنَ النَّصَارَى فَقَالَ أَنْتُمْ نَعِمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ قَالُوا وَ أَنْتُمْ نَعِمَ الْقَوْمُ لَوْ لَا أَنَّكُمْ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللَّهُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَقَالَ إِنَّ طُفَيْلًا رَأَى رُؤْيَا وَ إِنَّكُمْ تَقُولُونَ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي الْحَيَاءُ مِنْكُمْ فَلَا تَقُولُوهَا وَلَكِنْ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ وَ حُدِّدْ لَكَ

شَرِيكَ لَهُ. (اخرجه احمد و ابن ماجه و البيهقي كما في الدر المنثور ج ۱ ص ۳۵) (الحمد-ابن ماجه-بيهقي)

خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

الجمع بين الله و رسوله في ضمير و احد يخالف الادب الاسلامي

(۷۲۳) عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثناء خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہو جائے یا چلا جا (راوی کو اصلی لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۲۳) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ خَطِيبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ يَعْصِيهِمَا فَقَالَ قُمْ أَوْ قَالَ إِذْهَبْ فَبُئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ.

(رواه ابوداؤد) (كتاب الادب و كتاب الجمعة)

مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔

و في رواية المسلم و من يعصهما فقد غوى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بنس الخطيب انت قل و من يعص الله و رسوله

(۷۲۳) * یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کر دے۔ یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے۔ اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں۔ کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگزاشت اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب تک کسی نوآموز قوم کے قلب و زبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگزاشت پر بھی سخت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہو جائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا مگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

نہی المولیٰ عن قوله فی غلامہ عبدی

(۷۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَامْتَنِي كُلُّكُمْ عَبْدُ اللَّهِ وَكُلُّ نِسَاءٍ كُمْ إِمَاءُ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِي وَجَارِيَّتِي وَفَتَايَ وَفَتَاتِي وَلَا يَقُلْ الْعَبْدُ رَبِّي وَلَكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِي وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يَقُلْ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ مَوْلَايَ فَإِنَّ مَوْلَاكُمْ اللَّهُ. (رواه مسلم و هو عند البخاری و ابی داؤد و غیرہما ایضاً)

(۷۲۵) عَنْ أَبِي رَمْثَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي فَرَأَى النَّبِيُّ بَظْهُرَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا أَعَالِجُهَا فَإِنِّي طَبِيبٌ قَالَ أَنْتَ رَفِيقٌ وَاللَّهُ الطَّبِيبُ وَفِي

آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

(۷۲۴) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے ”میرا بندہ“ ”میری باندی“ کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں۔ وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے ”میرا غلام“ اور ”میری لونڈی“ کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہیے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۲۵) ابو رمثہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے تو میں اس کا علاج کر دوں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو رفیق ہو، طبیب حقیقی تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات

(۷۲۴) * یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب و تہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل و بے محل استعمال کر کر کے بے معنی نہ بنا دینا چاہیے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لیے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے جو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش سہی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لیے اس مجاز و استعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری میں ہم نے اس حدیث کی اور زیادہ تشریح کی ہے۔

(۷۲۵) * مہر نبوت پر مرض کے اس گمان کرنے والے کے جواب میں کسی ادنیٰ ناگواری کے بجائے آپ نے اس سے ایسے بصیرت افروز کلمات فرمائے کہ خود اس طبیب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھ گیا کہ انسانی بھی خواہی کی حد بہت سے بہت ظاہری ہمدردی اور رفاقت تک ہو سکتی ہے اس لیے اس کی حیثیت بھی ایک رفیق کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی شفاء و مرض کا اصل رشتہ خدائے تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لیے طبیب کا اصل لقب پانے کے لیے اسی کی ذات پاک موزوں ہے وہ بھلا طبیب ہونے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے جس کو مرض اور منبع شفاء کے درمیان بھی تمیز نہ ہو۔

عرفی نظر میں گو کسی انسان کو طبیب کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ایک مومن کے قلب میں تو حید کا نقش ایسا گہرا ہونا چاہیے کہ اس کی نظر میں ایک قابل سے قابل طبیب کی حیثیت بھی ایک ضعیف رفیق کی رہ جائے اور طبیب کا لقب صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص نظر آئے جو شفاء و مرض کا سر رشتہ ہے۔

طبیب و رفیق کا یہ فرق صرف وقتی اور لفظی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کی رگ و پے میں اس طرح لکھا....

روایتہ رَآیْتُ عَلٰی کَتِفِهِ مِثْلَ التُّفَاحَةِ قَالَ
 اَبٰی اِنِّیْ طَیِّبٌ اِلَّا اُطِیْبَ لَکَ فَقَالَ طَیِّبُهَا
 الَّذِیْ خَلَقَهَا. (رواہ احمد و اخرجہ صاحب
 المشکاة فی باب القصاص)

ہے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ میں نے آپ کے بازو
 مبارک کی جانب سب کی طرح ابھری ہوئی ایک چیز دیکھی (یعنی مہر نبوت) تو
 میرے والد نے عرض کیا میں طیب ہوں ارشاد ہو تو میں اس کا علاج کر دوں آپ
 نے فرمایا اس کا طیب تو وہی ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے۔ (احمد)

لہ... سرایت کر گیا تھا کہ جب ان میں کسی کسی سے بیماری میں طیب کی طرف مراجعت کے لیے کہا جاتا تو تمام طیبوں سے بے نیاز ہو کر وہ
 صرف ایک طیب حقیقی ہی کو یاد کرتا۔ چنانچہ شمس الائمہ کردی امام اعظم کے مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب صدیق اکبر کی علالت میں کسی طیب
 کے بلانے کے لیے ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ فرما کر روک دیا کہ الطیب امر ضعیفی (مناقب الامام الاعظم ج ۷ ص ۷)
 طیب (حقیقی ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کو حسب ذیل تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

و اخرج ابن سعد و ابن ابی الدنيا عن ابی السفر قال دخلوا علی ابی بکر فی مرضه فقالوا یا خلیفة رسول الله الا
 ندعولک طیباً ينظر الیک قال لا قد نظر الی فقالوا ما قال لک انی فعال لما یزید. (تاریخ الخلفاء ص ۶۰)
 ”ابن سعد اور ابن ابی الدنيا نے ابی السفر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی دوران علالت میں صحابہ کرام ان کی
 عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خدا کے رسول کے خلیفہ! ارشاد ہو تو ہم کسی طیب کو بلا کر آپ کو دکھا دیں؟ آپ
 نے فرمایا نہیں، طیب (حقیقی) مجھے دیکھ چکا ہے انہوں نے پوچھا تو پھر اس نے دیکھ کر کیا کہا۔ فرمایا یہ کہا ہے کہ جو ارادہ ہم کر لیتے
 ہیں پھر وہی کر کے رہتے ہیں۔“

حافظ ابن کثیر نے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقل کیا ہے۔

و قد شهد ابن مسعود بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مواقف كثيرة منها الیرموک و غیرها و کان قدم من
 العراق حاجاً فمر بالربذة فشهد و اوفاة ابی ذر و دفنه ثم قدم الی المدينة فمرض بها فجاءه عثمان عاندا
 فیروی انه قال له ماتتکي قال ذنوبی قال فما تشتهی قال رحمة ربی قال الا امر لک بطیب فقال الطیب
 امرضنی فقال الا امرک بعطائک و کان قد ترکه سنتین فقال لا حاجة لی فیہ فقال یكون لبناتک بعدک
 قال اتخشی علی نباتی الفقرا فی امرت نباتی ان یقرأن کل لیلۃ سورة الواقعة و انی سمعت رسول الله صلی
 اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ الواقعة کل لیلۃ لم تصبه فاقة ابدا. (البدایہ و النہایہ ج ۷ ص ۱۶۳)

”حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سے غزوات میں شریک ہوئے ہیں ان میں سے ایک غزوہ
 یرموک بھی تھا۔ یہ حج کر کے عراق سے واپس آرہے تھے جب مقام ربذہ پر گزرے تو (ان کو معلوم ہوا کہ ابوذرؓ اس جہان فانی سے
 گزر رہے ہیں) یہ ان کی وفات میں شریک ہوئے اور ان کو دفن کر کے پھر مدینہ طیبہ آئے اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئے۔ حضرت
 عثمان غنیؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ان سے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے فرمایا اپنے
 گناہوں کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت۔ حضرت
 عثمانؓ نے فرمایا آپ کے لیے کسی طیب کو نہ بلا لیں انہوں نے جواب دیا کہ طیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے پھر حضرت لہ...

النہی عن التسمیة بملک الاملاک

(۷۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللَّهِ رَجُلٌ يُسَمَّى مَلِكِ الْأَمْلاَكِ. (رواه البخاری و فی رواية مسلم قَالَ أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ أَخْبَثُ رَجُلٌ كَانَ يُسَمَّى مَلِكِ الْأَمْلاَكِ لَا مَلِكِ إِلَّا اللَّهُ)

شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

(۷۲۶) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ)۔ (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہان شاہ رکھا جائے۔ حالانکہ دراصل شاہی صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ہے۔

النہی عن التکنی بابی الحکم

(۷۲۷) عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيٍّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ

ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

(۷۲۷) شریح بن ہانی اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب

للہ... عثمانؓ نے فرمایا آپ کا وظیفہ نہ جاری کر دوں یہ دو سال سے سرکاری وظیفہ چھوڑ چکے تھے فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو آپ کی لڑکیوں کے کام آجائے گا۔ فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے متعلق احتیاج کا خطرہ ہے (سن لیجئے!) میں ان سے تاکید کر چکا ہوں کہ وہ ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کریں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھتا رہے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ (البدایہ والنہایہ)

ان اولوالعزم اور مقدس بستیوں کے بعد جب امت کے دوسرے جانفرو شوق کا دور شروع ہوا تو انہوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کے تمام شبیبوں سے بے نیاز ہو کر طبیب حقیقی ہی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے۔

اے طبیب جملہ علت ہائے ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

یہ تمام تاثرات جواب تک آپ نے ملاحظہ فرمائے قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہیں:

﴿وَ إِذَا مَرَضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ (الشعراء: ۸۰) (جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔)

(۷۲۶) * ہمارے دور میں اسماء میں کوئی تاثیر ہی نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح و تخریب میں بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف و نقصان پر شاہد رہیں۔ ان کے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس پر نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لیے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لیے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز و جبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جالڑائے جو اس کی خالق ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اسماء خالق کے لیے معروف ہو چکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہو چکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ بے نیاز میں ممنوع ہے۔ یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہیے اور اس طرح مخلوق و خالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں اسمی شرکت بھی ختم ہو جانی چاہیے۔

لَمَّا وَقَدَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهِ سَمِعَهُمْ يَكُونُهُ بَابِي الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكْنِي أَبَا الْحَكَمِ قَالَ إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ اتَّوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِي كَلَامَ الْفَرِيقَيْنِ بِحُكْمِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْسَنَ هَذَا فَمَالِكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِي شَرِيحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُ اللَّهِ قَالَ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شَرِيحٌ قَالَ فَأَنْتَ أَبُو شَرِيحٍ.

(رواه ابو داؤد و النسائی)

وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابو الحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) الحکم تو اللہ کا نام ہے اور اس لیے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا۔ تم کہو تمہاری کنیت ابو الحکم کیسے پڑی انہوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب کبھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کر دیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہو جاتے اس لیے میری کنیت ابو الحکم پڑ گئی) آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں یہ بولے تین ہیں۔ شریح، مسلم، عبد اللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح۔ فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی) (ابوداؤد، نسائی)

مؤمن کو چاہیے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دُور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں

(۷۲۸) معروڑ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ ان کا غلام ایک ہی قسم کا حلہ پہنے ہوئے تھے (حلہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا اس پر انہوں نے یہ

ينبغي للمؤمن ان يجتنب رسوم الجاهلية و ان لم تكن كفرا

(۷۲۸) عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بِالرَّبْذَةِ وَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ وَ عَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ

(۷۲۸) * ابو ذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاری نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کہ کان بینی و بین رجل کلام و کانت امہ اعجمیہ فملت منها یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہ تحقیر ادا کیا اس پر آپ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاهلیۃ ابو ذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خوبو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا علی ساعتی ہذہ من کبر السن قال نعم۔ کیا اب تک جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگرچہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر عادات کفر سے بھی علیحدہ رہنا چاہیے۔ اسلام و کفر صرف چند اچھے یا برے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص افعال و شعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں مثلاً جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے افعال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے لٹے.....

واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت و ست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابو ذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خوبی باقی ہے تمہارے غلام دراصل تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انہیں تمہارا زبردست بنادیا ہے تو جس شخص کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لیے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا ہے جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لو جو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انہیں عاجز کر دے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف)

(۷۲۹) ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا اچھا وہاں کا فر کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو (جاؤ) اپنی نذر ادا کر دو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہیے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک نہ ہو۔ (ابوداؤد)

اِنِّیْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأَمِّهِ فَقَالَ لِيَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ عَیَّرْتَهُ بِأَمِّهِ اِنَّكَ اِمْرَءٌ فِیْكَ جَاهِلِیَّةٌ اِخْوَانُكُمْ حَوْلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَ لَا تُكَلِّفُهُمْ مِمَّا يَغْلِبُهُمْ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَاعِیْنُوهُمْ.

(رواہ البخاری)

(۷۲۹) عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْحَرَ اَبْلًا بِبَوَانَةَ فَاتَى رَسُولَ اللّٰهِ فَاخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثْنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَانَّهُ لَا وِفَاءَ لِنَذْرِ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ وَلَا فِیْمَا لَا یَمْلِكُ ابْنُ اَدَمَ.

(رواہ ابو داؤد و روی رزین نحوه قصہ امرءة)

لہذا مجز و انکسار کا سر جھکائے۔ اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر و شرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے افعال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں۔ حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوش نما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسوم جاہلیت اور زمانہ کفر کی بدعات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہیے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کر دے اور کفر کا کوئی تسمہ لگانہ رکھے۔ آپ نے یہاں ابو ذر کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیبا نش اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں۔

(۷۲۹) * اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لیے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گزرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذر اسلامی کی ادائیگی میں زمانہ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لیے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پر مبنی ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہذا تم اس وقت عبادت مت کرو۔ ایام حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد روانہ ہوتے تھے

(۷۳۰) عَنْ عُمَرُو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ
 إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ مِنْ جَمْعٍ
 حَتَّى تَشْرِقَ عَلَى ثَبِيرٍ فَخَالَفَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَفَاضَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ
 الشَّمْسُ. (رواه البخاری وغیرہ)

(۷۳۰) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے
 اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتاب شبیر پہاڑ پر چمکنے نہ
 لگتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور
 آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔
 (بخاری شریف)

(۷۳۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ عُكَاظُ وَ
 مَجْنَةُ وَ ذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقَ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ
 فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَأْتَمُّوا مِنَ التَّجَارَةِ فِيهَا
 فَانْزَلَ اللَّهُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي مَوَاسِمِ
 الْحَجِّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا. (رواه البخاری)

(۷۳۱) حضرت ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ
 مجنہ اور ذوالمجاز میں بازار لگاتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہؓ نے
 ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ (اگر
 تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام
 میں۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھ دیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۷۳۲) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ
 أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا
 زَيْنَبُ فَرَأَاهَا لَا تَكَلِّمُ قَالُوا حَاجَّتْ مُضْمِتَةً

(۷۳۲) قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر قبیلہ احمس
 کی ایک عورت کی طرف گزرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات
 چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا

لے..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں
 تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی۔

(۷۳۱) * زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقام عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک
 وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منی جایا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں عرب اپنے آباء
 و اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لیے یہ بازار زمانہ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے۔

قسطانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے۔ ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اکھڑا پھر مجنہ کا بازار اکھڑا اور
 آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اکھڑ گیا۔

جب اسلام کا دور آیا تو ایام حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا۔ قرآن کریم نے یہ فیصلہ
 کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ
 کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے۔

(۷۳۲) * اس عورت کی یہ جرات آمیز گفتگو دیکھئے اور حضرت ابو بکرؓ کا عاجزانہ جواب ملاحظہ فرمائیے تو یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ
 ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے۔ یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ
 امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور لے.....

فَقَالَ لَهَا تَكَلَّمِي فَإِنَّ هَذَا لَا يَحِلُّ. هَذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمْتُ فَقَالَتْ مَنْ أَنْتَ قَالَ امْرَأًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ قَالَتْ أَيْ الْمُهَاجِرِينَ قَالَ مَنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ أَيْ قُرَيْشٍ أَنْتَ قَالَ إِنَّكَ لَسَوْلٌ أَنَا أَبُو بَكْرٍ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هَذَا الْأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِي جَاءَ اللَّهُ بِهِ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاءُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَيْمَتُكُمْ قَالَتْ وَمَا الْأَيْمَةُ قَالَ أَمَا كَانَ لِقَوْمِكَ رُؤُسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَهُمْ أَوْلِيكَ عَلَى النَّاسِ. (رواه البخاری)

ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہا بی بی بولو یہ خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابو بکر سے پوچھا آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آخر قریش میں آپ کون ہیں؟ فرمایا تو تو بڑی سوال کرنے والی عورت معلوم ہوتی ہے (سن) میں ہوں ابو بکر اس کے بعد اس نے پوچھا فرمائیے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے سیدھے لیے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں اس نے کہا بے شک ہوتے تھے فرمایا تو پھر اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں۔ (بخاری شریف)

(۷۳۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ وَآبِي بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوا أَرْدِيَّتَهُمْ يَمْشُونَ فِي قُمْصٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغِلِ الْجَاهِلِيَّةُ تَأْخُذُونَ أَوْ

(۷۳۳) عمران بن حصین اور ابو بزرہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لیے نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینک دی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جا رہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ

لہ..... ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا۔ پھر ابو بکر کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسباب عروج و زوال پر کتنی گہری تھی انہوں نے اسلام کے عروج و نزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو زمانہ ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جاسکتا تھا۔ انہوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہیے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہوگی۔ انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷۳۳) * عرب فطرۃ درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ نباض فطرت رسول نے چاہا کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لیے نکل جائیں۔

بِضَيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُونَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ
أَدْعُو عَلَيْكُمْ دَعْوَةَ تَرْجِعُونَ فِي غَيْرِ
صُورِكُمْ قَالَ فَآخِذُوا أَرْدِيَّتَهُمْ وَلَمْ يَعُودُوا
لِذَلِكَ. (رواه ابن ماجه)

(۷۳۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا
مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَى
بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (متفق عليه)

(۷۳۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُورَاءَ
يَوْمَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا
قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَآمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ
رَمَضَانَ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَا
يَصُومُهُ. (رواه البخاری وغیرہ)

(۷۳۶) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا
مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَى حُنَيْنٍ قَالَ وَكَانَ لِلْكَفَّارِ سِدْرَةٌ
يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا وَيُعْلِقُونَ بِهَا إِسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ
لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةِ خَضِرَاءَ
عَظِيمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا
ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى

سے مشابہت مقصود ہے۔ میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بد عبادوں
کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر) انہوں نے
(چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت
نہ کی۔ (ابن ماجہ)

(۷۳۴) عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے
زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔
(متفق علیہ)

(۷۳۵) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش
دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس
دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے خود اس دن
کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان
المبارک کے روزے فرض ہو گئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس
نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

(۷۳۶) ابو واقد لیشی بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے
ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آ کر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے
ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو ”ذاتِ انواط“ (یعنی
ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ
ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرے جو بہت بڑا اور سرسبز و شاداب تھا
تو بولے یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک ”ذاتِ انواط“ مقرر کر
دیجئے جیسا مشرکوں کے لیے ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

(۷۳۵) * یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام
ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لیے مخالفت اور موافقت کے حدود پہچاننے کے لیے بڑا علم درکار ہے۔

نہ ہر کہ سر برتر اشد قلندری داند

قبضہ میں میری جان ہے یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھ کر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسا ہی معبود بنادے جیسا ان کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ (ابن کثیر)

(۷۳۷) ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یک شنبہ کے دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔

(احمد)

(۷۳۸) ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازاردونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(احمد)

لِمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمُ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَّبِعُونَ مَا هُم فِيهِ وَبِاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (رواہ ابن کثیر ج ۴ ص ۲۳۸ و ابن جریر و احمد و ابن ابی حاتم)

(۷۳۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاِحْدِ أَكْثَرَ مَا يَصُومُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُولُ إِنَّهَا يَوْمًا عِيدٌ لِلْمُشْرِكِينَ فَنَا أَحِبُّ أَنْ أَخَالَفَهُمْ. (رواہ احمد)

(۷۳۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرَّوْنَ وَلَا يَتَزَرُّونَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرَّوْا وَلَا تَزَرُّوا وَخَالَفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ. (رواہ احمد)

(۷۳۷) * ایک دور تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے کہ شاید یہ بد بخت رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھ کر اس کو قبول کر لیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجر نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلہ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تک آکر بالکل آخردور میں دوسری راہ اختیار فرمائی حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔

(۷۳۸) * یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت نے کسی موقع پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوب صورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے۔ اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزئی کو لے لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرمادیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لیے آپ نے ازار و پاجامہ ہردو پہننے کی اجازت دے دی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یک شنبہ کے دن روزہ رکھنے میں دراصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب اللہ

- (۷۳۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَوْفَرُوا اللَّحْيَ وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ. (متفق عليه)
- (۷۴۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجُوسَ فَقَالَ إِنَّهُمْ يُؤَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ وَيَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَقْرِضُ سِبَلَتَهُ فَيَجْزُهَا كَمَا تَجْزُ الشَّاةُ. (رواه في الحلية كما في الرحمة المهداة)
- (۷۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبِغُونَ فَخَالِفُوهُمْ. (متفق عليه)
- (۷۳۹) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور طریق میں مشرکین سے جدا رہو اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)
- (۷۴۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دو طرفہ بال لمبے لمبے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لیے ابن عمرؓ اپنی مونچھیں اس طرح باریک کر دیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کر دیئے جاتے ہیں۔ (الرحمة المهداة)
- (۷۴۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لیے تم اپنی ہیبت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

اللہ..... نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہوگئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مد نظر رہی ہے مگر اس کا عنوان مخالفت اس لیے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آچکی ہے جو جملہ اہل ایمان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لیے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ان ہر دو پہلوؤں میں اس کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہر حال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ دراصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کے لیے لازم ہے اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کے لیے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہیے بلکہ اس پر غور کرنا چاہیے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آ سکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں و فوق کل ذی علم علیم۔

(۷۴۰) * اس بیت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا تبع تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لیے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فریج کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت سماویہ کے ماننے والوں میں اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں ہے اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جانے۔ اگر کسی بد نصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں دعا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کون سی فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

(۷۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ. (رواه الترمذی ورواه

النسائی عن ابن عمرو الزبیری)

(۷۴۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يُفَرِّقُونَ رُءُوسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَّقَ بَعْدُ. (متفق عليه)

(۷۴۴) عَنْ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَنَا الْمَغِيرَةَ قَالَتْ وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُضْبَتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَكَ عَلَيْكَ وَقَالَ اخْلِقُوا هَذَيْنِ أَوْ قُصُّوهُمَا فَإِنَّ هَذَا ذِي الْيَهُودِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۴۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه احمد و الترمذی)

(۷۴۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْصُ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ.

(صلوات الرحمن عليه) يفعلہ (رواه الترمذی)

(۷۴۲) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔

(ترمذی - نسائی)

(۷۴۳) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپؐ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بچ سے مانگ نکالتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کر دی۔ (متفق علیہ)

(۷۴۴) حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچہ تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔ انہوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا یا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔

(ابوداؤد)

(۷۴۵) زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(احمد - ترمذی)

(۷۴۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(ترمذی)

(۷۴۲) * اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپ کو کوئی اعتراض ہونا چاہیے یا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نام معقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۷۴۷) عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو زرد رنگ کے معصر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔ ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھلو الوں؟ فرمایا بلکہ جلادو۔

(مسلم شریف)

(۷۴۸) عکرمہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انہوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو ان کے انتقام کے ڈر سے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ)

(۷۴۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے۔ جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انہیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔)

(ابوداؤد)

(۷۵۰) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو مار دیا کرو جو ان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں۔

(ابوداؤد و نسائی)

(۷۵۱) سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(مسلم شریف)

(۷۵۲) ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان

(۷۴۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ثَوْبَيْنِ مُعْصَرَيْنِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسُوهَا وَفِي رَوَايَةٍ اغْسِلُوهَا قَالَ بَلْ احْرِقُوهَا: (رواه مسلم)

(۷۴۸) عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا رَفَعَ الْحَدِيثَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه في شرح السنه)

(۷۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَأَلْنَا مِنْهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيفَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهِنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّي.

(رواه ابو داؤد و النسائي)

(۷۵۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه مسلم)

(۷۵۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ عَنْ

(۷۵۰) * جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل ہنود کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہیے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں۔ شرک صرف یہ نہیں کہ ذات و صفات ہی میں شرک کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوق الوہیت میں شرک بھی شرک ہے۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه البخاری و زاد مسلم من غشنا فليس منا)

(۷۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَبَ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُتَنَهَبِ قَطْعٌ وَمَنْ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُورَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصِيَّةٍ لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصِيَّةً. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۶) عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْأَسْقَعِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْعَصِيَّةُ قَالَ أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلَى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبُعِيرِ الَّذِي أَرْدَى فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنْبِهِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۵۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرَةَ الشَّامِيِّ مِنْ أَهْلِ فَلَسْطِينَ عَنْ امْرَأَةٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فُسَيْلَةٌ أَنَّهَا

کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

(۷۵۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔

(ابوداؤد)

(۷۵۴) جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دھاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگرچہ اس پر سارق کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابوداؤد)

(۷۵۵) جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصیت کی دعوت دے اور صرف عصیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۵۶) وائلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۷) ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اوندھا گر جائے پھر اس کو دم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے)۔ (ابوداؤد)

(۷۵۸) عبادہ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنے ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں

(۷۵۳) * یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہے وہ اسلام کے لیے ایک بدنما داغ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لیے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔

(احمد - ابن ماجہ)

(۷۸۹) سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

(۷۶۰) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں جو مرچکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی)۔ (ترمذی - ابوداؤد)

(۷۶۱) ابو عقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ اُحد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا

قَالَتْ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمِنَ الْعَصِيَّةُ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ قَالَ لَا وَلَكِنْ مِنَ الْعَصِيَّةِ أَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ. (رواه احمد و ابن ماجه)

(۷۸۹) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيرَتِهِ مَا لَمْ يَأْتُمْ. (رواه ابوداؤد)

(۷۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ بِأَبَائِهِمُ الَّذِينَ مَاتُوا إِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُونَنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِي يَذْهَبُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخَرَهَا بِالْأَبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ.

(رواه الترمذی و ابوداؤد)

(۷۶۱) عَنْ أَبِي عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلَى مِنْ أَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنْ

(۷۶۱) * مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آ گیا ہے علماء نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاویؒ کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے ﴿

(۱) ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ (البقرة: ۱۴۹)

”جس نے اس نہر کا پانی پیادہ ہمارا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک ہمارا ہے۔“

(۲) ﴿فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (ابراہیم: ۳۶)

”جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بے شک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

المُشْرِكِينَ فَقُلْتُ خُذْهَا مِنِّي وَ أَنَا الْغُلَامُ
الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْهَا
مِنِّي وَ أَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ. (رواه ابو داؤد)

جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تو نے اس کے بجائے یہ
کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔
(ابوداؤد)

(۷۶۲) عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ
جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِ نَالَا تَشَبَّهُوا

(۷۶۲) عمرو بن شعيب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسروں کی مشابہت اختیار کرتا
ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اس لیے تم سلام کرنے میں نہ تو یہودی کی

اللہ ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا متبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرو شمار ہوتا
ہے اور جو اس کا متبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج
کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقع پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اگر
یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنی سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ (ہود: ۶۱) ”وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں۔“

لہذا اس تعبیر سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جا کر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی
تجاوز کر سکتی ہے۔

(۷۶۲) * حافظ ابن قیم کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبہ بالکفار کا تعلق اضطراری یا ان اختیاری افعال کے ساتھ
نہیں ہے جو انسان کے فطری تقاضے سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ یا تو صرف عبادات کے ساتھ ہے یا اگر وہ عادات اور معاشرت سے متعلق ہیں
تو پھر ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ افعال ایسے ہیں جو خود قبیح ہیں جیسے خنوں سے نیچا یا ریشمیں کپڑا پہننا یا کوئی اور ایسی حرکت جس سے باطل
معبودوں کی کوئی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس قسم کے امور تو فی نفسہ بھی ممنوع ہوں گے اور ان میں تشبہ بالکفار ان کے لیے دوسری وجہ ممانعت
رہے گی۔ اور اگر وہ امور ایسے ہیں جن میں فی نفسہ کوئی قباحت نہ ہو تو اگر وہ کسی قوم کا شعار بن چکے ہوں یعنی کسی قوم کے ساتھ اس طرح
مخصوص ہو چکے ہوں کہ ان کا اختیار کرنے والا بظاہر اسی قوم کا فرد معلوم ہوتا ہو تو ان میں بھی تشبہ ممنوع ہو گا اور اگر وہ امور مباح ہیں اور کسی کا
شعار نہیں تو پھر اگر ہمارے پاس ان کا بدل موجود ہے تو پھر بھی ان کا ترک کر دینا اولیٰ و انسب ہو گا کہ یہی اسلامی غیرت کا تقاضا ہے جیسا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے ہاتھ میں ایک فارسی طرز کی کمان دیکھی تو فرمایا اپنے ہاتھ میں یہ کیا لیے ہوئے ہے ایسی عربی طرز
کی کمان رکھ جیسی میرے ہاتھ میں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتوحات نصیب فرمائی ہیں اور اگر وہ اشیاء ایسی ہیں۔ جن کا
ہمارے پاس کوئی بدل نہیں جیسا جدید مصنوعات تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان میں تشبہ کی نیت نہ ہو اور اگر ان کے
استعمال میں کفار کے ساتھ تشبہ ہی کی نیت ہو تو وہ بھی ممنوع ہوں گے۔ قال فی البحر اعلم ان التشبه باهل الكتاب لا يكره فی كل
شیء فاننا ناكل و نشرب كما يفعلون انما الحرام التشبه فیما كان مذموما و فیما يقصد به التشبه. اھ اس باب کی اصل
روح یہ ہے کہ قوموں کی معاشرہ اور ان کا تمدن جب مشترک ہو جاتا ہے تو پھر اس کی سرحدیں بہت جلد مذہب اور دین سے بھی ٹکرانے لگتی
ہیں کیونکہ اسلام کا دائرہ ایسا وسیع ہے جس سے ہمارا تمدن بھی خارج نہیں ہے اس لیے معاشرت کے عام شعبوں میں تشبہ بالکفار سے بھی
اسلامی معاشرت کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ ٹکراؤ عبادات کی حدود میں بھی ہونے لگتی ہے اور شدہ شدہ دین لہ

بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَىٰ فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ
الإِشَارَةَ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى
الإِشَارَةَ بِالْأَكْفُفِ.

مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی۔ یہود تو سلام کے لیے انگلی کا اشارہ کرتے
ہیں اور نصاریٰ اپنی ہتھیلی کا۔ (تم صرف لفظ السلام علیکم پر کفایت کیا کرو۔
ضرورت ہو تو دوسری بات ہے)۔ (ترمذی شریف)

(رواہ الترمذی و قال اسنادہ ضعیف قال علی القاری فی المرقاة و لعل وجهہ انہ من عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ
و فیہ خلاف و قد اسندہ السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمر فارفع النزاع)

(۷۶۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا
فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُولُ اَنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا وَ
اَنْعَمَ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِنَا عَنْ
ذَلِكَ. (رواہ ابو داؤد)

(۷۶۳) عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہم سلام کے
موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدائے تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و
آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس
طریقہ سے روک دیا۔ (اور اس کے بجائے السلام علیکم کا لفظ تعلیم کیا)۔ (ابوداؤد)

(۷۶۴) عَنْ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ اِنَّهُ

(۷۶۴) عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی

۷۶۴۔۔۔ اسلام کی صورت ہی مسخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ شریعت نے ان امور سے بھی احتراز کرنا لازمی قرار دیا ہے
جو کسی پہلو سے مشتبہ الحکم ہوں خواہ ان میں کفار کے ساتھ کوئی تشبہ بھی نہ پایا جائے۔ پس مسئلہ تشبہ کی بنیاد صرف کفار کے ساتھ مخالفت پر نہیں
بلکہ دراصل دین کی حدود کے تحفظ پر ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کو مرد کے ساتھ اور ایک مرد کو عورت کے ساتھ تشبہ کی بھی ممانعت فرمائی گئی
ہے اگرچہ وہ دونوں مسلمان ہوں اسی طرح اس کی بنیاد کسی تنگ نظری پر بھی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی حقیقت اپنی کوئی صورت فی نفسہ رکھتی ہے تو
جب تک اس کے حدود ممتاز و متمیز نہ ہوں وہ دوسری حقیقت سے ممتاز ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ خارجی اشیاء کا باہم امتیاز بھی ان کے حدود کے
تحفظ ہی پر موقوف ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک سے ایک دریا دوسرے دریا سے ایک درخت دوسرے درخت سے اور ایک حیوان دوسرے
حیوان سے اپنی الگ الگ شکل و صورت کی بدولت ہی ممتاز نظر آتے ہیں پس جس طرح ان کے یہ امتیازات کسی تعصب یا مخالفت کی بنیاد پر
نہیں بلکہ اپنی اپنی حقیقت کے تحفظ کی بنیاد پر ہیں۔ اسی طرح دین و مذہب کی حدود کا تحفظ بھی کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ صرف اپنی حقیقی شکل و
صورت کے تحفظ پر مبنی ہے اور اگر بالفرض اسلام کے لیے کفر کے ساتھ تشبہ کی کوئی وجہ جواز پیدا کر لی جائے تو پھر ان دو دینیوں کو ایک دین
کہنے کے لیے کوئی وجہ ممانعت نہیں نکل سکتی۔ الحاصل مسئلہ تشبہ کی مخالفت نہ تو کسی دلیل پر مبنی ہے اور نہ کسی عمیق سیاست پر بلکہ صرف اس
حقیقت کے عمق سے ناواقف پر مبنی ہے جس سے ادیان کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے جہاں تک مجھے خیال آتا ہے محقق ابن خلدون نے تو یہاں تک
لکھ دیا ہے کہ جب کسی قوم سے قومی تعصب نکل جاتا ہے تو وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے لیکن اسلام نے عصبيت سے تو روکا ہے۔ مگر تشبہ بالکفار
کی بھی اجازت نہیں دی عصبيت اور تشبہ کا فرق آپ اس باب کی احادیث کے ضمن میں معلوم کر لیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷۶۳) * عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کہیں غارت گری کرتے تو صبح ہی کے وقت کرتے اس لیے ان کے مذاق کے مطابق یہ لفظ دعا
عافیت کے مرادف تھے اسلام نے ان الفاظ سے روکا کیونکہ اس میں ایک بری رسم کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ آج کل انگریزی زبان میں سلام
کے موقعہ پر جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں وہ بھی اسی کے ہم معنی ہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی فرمائیے کہ جب یہ مضمون عربی زبان میں
پسندیدہ نہیں تو کیا انگریزی زبان میں پسندیدہ ہوگا۔

تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي جُشَمٍ فَقَالُوا بِالرَّفَاءِ
وَالْبَيْنِ فَقَالُوا لَا تَقُولُوا هَكَذَا وَلَكِنْ
قُولُوا كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَآلِهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ وَبَارِكْ
عَلَيْهِمْ.

(رواه النسائی و ابن ماجه و احمد بمعناه)

(۷۶۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ
فِيهِمَا فَقَالَ مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ قَالَ كُنَّا نَلْعَبُ
فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبَدَ لَكُمْ اللَّهُ بِهِمَا خَيْرًا
مِنْهُمَا يَوْمُ الْأَضْحَى وَ يَوْمُ الْفِطْرِ. (ابوداؤد)

(۷۶۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرْعَ وَلَا عَتِيرَةَ قَالَ وَ
الْفَرْعُ أَوَّلُ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ
لَطَوًا غَيْتَهُمْ وَالْعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ. (متفق عليه)

(۷۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لیے وہی
الفاظ کہے جو اس موقع پر زمانہ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک
ہو اور باہم انس و محبت اور اولادِ نرینہ نصیب ہو اس پر دوسرے لوگوں نے کہا
یوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔
اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل
فرما۔ (نسائی - ابن ماجہ - احمد)

(۷۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ
تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن
میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپؐ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے
جواب دیا ہم ان میں زمانہ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں۔ آپؐ نے
فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں تمہاری خوشی منانے کے لیے اس
سے بہتر دو دن مقرر فرمادیئے ہیں ایک عیدِ قربان کا دوم عیدِ فطر کا۔ (ابوداؤد)
(۷۶۶) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ
نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس
پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو
رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

(۷۶۷) ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

(۷۶۵) * اہل اسلام کے ایام عید ان کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے ان کی
اصل حقیقت عبادت ہے۔ پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو و لعب ہے اور ان
ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ۔ سو چونکہ جس قوم کی مسرت و خوشی میں بھی عبادت کی حقیقت پنہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی۔
قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے۔ تمہارے ان
ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لیے اس خوشی میں بھی ذکر و
عبادت کی شان غالب ہونی چاہیے نہ کہ لہو و لعب کی۔

(۷۶۷) * اسلام میں حفاظتِ حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قومیں کسی اجنبی تمدن اجنبی
معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹی ہیں اور تلخ....

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں دیر نہ کریں گے دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے افطار کرتے تھے۔
(ابوداؤد - ابن ماجہ)

(۷۶۸) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔

(مسلم شریف)

اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلہ ہے

(۷۶۹) عراق بن مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر و مباہات کے لیے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۷۰) جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُؤَخَّرُونَ. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

(۷۶۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرُ الطَّعْنِ فِي النَّسَبِ وَ النِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (رواہ مسلم)

الرغبة عن الالباء و اباق العبد عن موالیه کفر

(۷۶۹) عَنْ عِرَاقِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ هُرَيْرَةَ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ. (رواہ مسلم)

(۷۷۰) عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَوةٌ وَ فِي رَوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ

..... جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور و طریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھ لو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا ہے تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لیے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصا خلخل پیدا ہو چکا ہے۔

(۷۶۸) * اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ عرب کے مناخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لیے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزء بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک اتلنی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

(۷۶۹) * سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقیت خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض بڑائی کی نیت سے) رشتہ و ابیت اپنی والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کرے اسی کے قریب وہ غلام ہے جو اپنے آقا و مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ مولات اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کرے۔

فَقَدْ بَرَأْتُ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ
أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتَّى
يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ. (رواه مسلم)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے
پاس پھر واپس نہ آ جائے۔

(مسلم شریف)

لا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَقُولَ أَنَا بَرِيءٌ
مِنَ الْإِسْلَامِ

یوں کہنا مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو
میں مسلمان نہیں

(۷۷۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنَ
الْإِسْلَامِ فَإِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَإِنْ
كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْإِسْلَامِ سَالِمًا.

(۷۷۱) بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص
یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ
درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح و سالم
نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔

(ابوداؤد - نسائی - ابن ماجہ)

مَنْ رَمَى أَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِالْفُسُوقِ أَوْ
الْكُفْرِ ارْتَدَّ عَلَيْهِ

جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر
اسی پر آ پڑتی ہے

(۷۷۲) عَنْ أَبِي ذَرَّانَةَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَ
لَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ
صَاحِبَهُ كَذَالِكَ. (رواه البخاری وغیرہ)

(۷۷۲) ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ
لوٹ کر اسی کے اوپر آ پڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے
اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

(۷۷۱) * مذکورہ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو
میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب یہی ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور
اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ
کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جاسکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے تعلقی کی اتنی نخیس بھی برداشت نہیں کرتی۔ اسی طرح یوں قسم کھانا کہ
اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب نہ ہو بہت بے جا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل
برداشت نہ ہونی چاہیے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترک ایمان کا تصور کبھی نہیں کر سکتا۔ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔ اسلام انقیاد و اطاعت کے
صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لیے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہو جاتا ہے۔

(۷۷۳) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو اوکافر! کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہو کر رہتا ہے۔

(بخاری شریف)

تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

(۷۷۴) جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبل کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قراءت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہو گئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

(۷۷۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا.

(رواہ البخاری وغیرہ)

من كفر متا ولا اوجاهلا لم يكفر

(۷۷۴) حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ صَلَوةً فَقَرَأَ بِهِمُ الْبَقْرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَوةً خَفِيفَةً فَلَبَّغَ ذَلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَلَبَّغَ ذَلِكَ الرَّجُلَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا

(۷۷۳) * احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فناء نہیں ہوتا۔ ظاہر بین سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہو گئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کرانا کاتبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابو داؤد میں حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آ جاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لیے وہ کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تا امکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں ”یا کافر“ صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔

(۷۷۴) * عہد نبوت میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال جاتا اس لیے معاذ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہہ دیا۔

ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ شروع کر دی اس لیے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں آپؐ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے۔ تین بار فرمایا۔ صرف وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا اور سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔
(بخاری شریف)

وَنَسْفَعُ بِنَارٍ صَاحِبًا وَإِنْ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا
الْبَارِحَةِ فَقَرَأَ الْبَقْرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَرَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ
فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ أَفَتَانِ
أَنْتَ ثَلَاثًا أَقْرَأُ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا وَسَبِّحْ
اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. (رواه البخاری وغیرہ)

شراب نوشی کی عادت بت پرستی کے برابر ہے

(۷۷۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

ادمان الخمر يشبه عبادة الوثن

(۷۷۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ
إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللَّهَ كَعَابِدٍ وَثْنٍ.

(رواه احمد و روى ابن ماجه عن ابى هريرة و البيهقي فى شعب الايمان عن محمد بن عبيد الله عن ابيه و قال ذكر البخارى فى التاريخ عن محمد بن عبد الله عن ابيه)

(۷۷۶) ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدا کے تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کر لوں میں تو ان دونوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

(۷۷۶) عَنْ أَبِي مُوسَى (الْأَشْعَرِيِّ) أَنَّهُ
كَانَ يَقُولُ مَا أَبَالِي شَرِبْتُ الْخَمْرَ أَوْ عَبَدْتُ
هَذِهِ السَّارِيَةَ دُونَ اللَّهِ. (رواه النسائی)

مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

(۷۷۷) ابو الدرداءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخش دے مگر جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔

لا يغفر لمشرك و لا لقاتل المؤمن عمداً

(۷۷۷) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى
اللَّهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ
يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا.

(ابوداؤد - نسائی)

(رواه ابو داؤد و روى النسائی عن معاوية)

ترجمہ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قراءت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گونگلتا تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا۔ اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قاتل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

نہی المؤمن عن تکثیر سواد المشرکین

(۷۷۸) عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ قَطَعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعَثَ فَأُكْتُبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَخَبَرْتُهُ فَهَذَا نَبِيُّ عَنْ ذَلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يَكْثُرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمَى بِهِ فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيُقْتَلُ أَوْ يُضْرَبُ فَيُقْتَلُ فَاَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمُ الْآيَةَ.

(رواه البخاری)

(۷۷۹) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكِينَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ. (رواه ابوداؤد)

مؤمن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے

(۷۷۸) عبد الرحمن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ نے اہل شام سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے شدت سے منع فرمادیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقع پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیرا کر لگتا اور وہ ختم ہو جاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مر جاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہو گئی ان الذین توفاهم الملائكة الخ وہ لوگ جن کی روحيں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعف ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کر سکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے۔ (بخاری شریف)

(۷۷۹) سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا سہنا مشرکوں کے ساتھ رہے وہ ان ہی کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۷۸) * اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کے لیے یہ پسند ہی نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شوکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت میں شامل ہے۔ خاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے لیے سرف دوراستے ہیں یا ہجرت کر جائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لیے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مصحح)

(۷۸۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبَابُكْرٍ وَ عُمَرُ كَانُوا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لِأَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِينَ وَ كَانَ مِنَ الْأَنْصَارِ مُهَاجِرُونَ لِأَنَّ الْمَدِينَةَ كَانَتْ دَارَ شُرْكَ فَجَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ.

(۷۸۰) حضرت جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) تو اس لیے مہاجر کہلائے کیونکہ انہوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتداء میں مدینہ بھی دار شرک تھا۔ جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)۔

(نسائی شریف)

(رواہ النسائی)

(۷۸۱) عَنْ جَرِيرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَ إِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَ النَّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَ عَلَى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَ فِي لَفْظٍ عَلَى أَنْ تَفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ. (رواہ النسائی)

(۷۸۱) جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا۔

(نسائی شریف)

(۷۸۰) * ہجرت بظاہر ترک وطن کا نام ہے مگر ترک وطن کوئی مطلوب چیز نہیں۔ مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھ کو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لیے ہجرت کی روح ترک وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشوونما نہیں پا سکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہو سکتی ہے۔ (فتح مکہ کے بعد مسئلہ ہجرت کا فیصلہ اس قدر تشنہ بیان سے نہیں ہو سکتا)۔ (صحیح)

(۷۸۱) * اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزء قرار دے دیا گیا تھا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت افعال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے تو اس مداخلت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرایت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے۔ دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انہوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا۔ یہاں ترجمان السنۃ ج ۲ ص ۵۲ و ۵۳ بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے۔

التطير و تصديق الكاهن و نحوهما

نوع من الشرك

(۷۸۲) عَنْ أُمِّ كُرَيْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَقْرِؤُوا الطَّيْرَ عَلَى مَكَانَتَيْهَا. (رواه ابو داؤد و الترمذی)

(۷۸۳) عَنْ فَيْصَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيفَةُ وَالطَّرْفُ وَالطَّيْرَةُ مِنَ الْحَبْتِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۸۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّيْرَةُ شُرْكٌ قَالَ لَهُ ثَلَاثًا. (رواه ابو داؤد و الترمذی)

(۷۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ أَوْ أَتَى امْرَأَةً حَائِضًا أَوْ أَتَى امْرَأَةً فِي ذُبُرِهَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ (صلى الله عليه وسلم).

(رواه احمد و ابو داؤد)

(۷۸۶) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُورًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنْكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنْ رِجَالٍ يَخْطُؤْنَ خَطَا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ يَخْطُ فَمَنْ وَافَقَ خَطُّهُ فَذَاكَ

بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاهن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

(۷۸۲) ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انہیں اڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد-ترمذی)

(۷۸۳) قبیصہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۸۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداتین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد-ترمذی)

(۷۸۵) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاهن کے (غیب کی خبریں بتانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد-ابوداؤد)

(۷۸۶) معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاهنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ انہوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بد فال کے بھی قائل تھے فرمایا بدفالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لیے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہیے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچ کر غیب کی خبریں معلوم کر لیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان

- (رواہ مسلم) کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا (مگر یہ خبر کیسے ہو) (مسلم)
- (۷۸۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَلَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ وَإِنْ تَكُنِ الطَّيْرَةُ فِي شَيْءٍ فِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ. (رواہ ابو داؤد)
- (۷۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوَاءَ وَلَا صَفَرَ. (رواہ مسلم)
- (۷۸۷) سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدویٰ اور نحوست یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی - گھر، گھوڑا، عورت - (ابوداؤد)
- (۷۸۸) ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، الو، پختہ، صفر، یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۸۷) * انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریات زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان چکروں میں اس کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اثر اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں۔ کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ نہ ہونا یا اس کی آب و ہوا نا درست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بد مزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں۔ ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہٹی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن کسی حیوان کے داغ دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل و شمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ذکر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے۔ عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ان الوهم خلاق۔ درحقیقت یہ تمام کارفرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے۔

(۷۸۸) * مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سمیت قطعی طور پر دریافت ہو جائے وہ علیحدہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوت ایمانی یا آپ کی زبان میں قوت ارادی اور قوت عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لیے وہ عذر تراشنے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت و مجالست اس کے ساتھ خورد و نوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں۔ یہ عدوی جاہلیت نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہندو اسی قسم کے عدوے کے قائل ہیں۔ (تاویل مختلف الحدیث ص ۱۲۰ - وزاد المعاد) لہذا

(۷۸۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا عَذْوَى وَلَا صَفَرٌ وَلَا غَوْلٌ. (رواه مسلم)

(۷۸۹) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا، صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۹۰) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ ذُكِرَتِ الطَّيْرَةُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.

(۷۹۰) عروہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بد فالی کا ذکر آ گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس حد تک تو درست ہے کہ کسی کا نام اچھا سنا اور اس سے خوش ہو جانا لیکن فال کسی مسلمان کو اپنے کام سے روکتی نہیں۔ (کیونکہ فال کا مقدرات پر کوئی اثر نہیں پڑتا) لہذا اگر تم میں کوئی شخص ایسی بات دیکھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں بد فالی پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کلمات پڑھے: اللَّهُمَّ لَا يَأْتِي السُّخَاءَ اللَّهُ تَوْبَى بَهْلَائِي پھینچتا ہے اور تو ہی بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے اور بھلائی کے حاصل کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت بھی تو ہی عنایت فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

اللہ ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

(۷۸۹) * غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالت خوف میں مشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشا دیکھو گے۔

(۷۹۰) * امام ابن قتیبہ عکرمہ سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ابن عباسؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اس طرف سے کہیں ایک پرندہ چیختا ہوا نکلا حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا چلو خیر ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپؐ اچھا نام اور نیک فال پسند فرماتے تھے۔ اصمعی سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن عون سے فال کے معنی پوچھے انہوں نے فرمایا کہ نیک فال یہ ہے کہ کوئی مریض ”یا سالم“ کی آواز سنے اور اپنی تندرستی کی بشارت پر محمول کرے یا کسی کا مال گم ہو گیا ہو اور وہ ”یا واجد“ کا لفظ سنے اور اسے اپنے مال کے ملنے کی خوش خبری سمجھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ صرف اتنی بات کو عرب کی فال اور بد فالی سے کوئی علاقہ نہیں یہ انسان کے فطرت ہے کہ اسے اچھی بات اچھی اور بری بات بری لگتی ہے۔ مثلاً بیمار کے پاس جا کر صحت کے کلمات اور پریشان شخص کے سامنے بشارت کے کلمات کہنا ہر شخص کو پسند ہوتا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں کہنے والے اور سننے والے دونوں کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کے ان کلمات سے تقدیرات الہیہ بدلتی ہیں اسی طرح اچھی صورت سے مسرت اور بری صورت سے انقباض بھی انسان کی فطرت ہے۔ پھولوں سے مہکتا ہوا چمن اور بہتا ہوا پانی ہر شخص کو پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس کے برخلاف صورتیں ہر شخص کو فطرتاً ناپسند ہیں۔ اللہ

کافروں کی چھو منتر بھی شیطانی کام ہیں

(۷۹۱) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

رقی الجاہلیۃ من عمل الشیطان

(۷۹۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. (رواه ابو داؤد)

(۷۹۲) عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن حکیم کے پاس گیا انہیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لیے آپؐ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انہوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۷۹۲) عَنْ عِيسَى بْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَكِيمٍ وَبِهِ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ أَلَا تَعْلَقُ تَمِيمَةً فَقَالَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ

ﷺ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھے نام سے خوش ہونا اور بدنما نام سے ناخوش ہونا اسی فطرت کے ماتحت تھا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص ۱۳۰ و ۱۳۱) عرب جو قدیم سے بدفالی کا خوگر رہتا چلا آیا تھا۔ جب اس نے اسلامی دور میں قدم رکھا تو پہلے ہی قدم پر اس کو اس کو ان سب خیالات کو چھوڑنا پڑا۔ یہ بہت ممکن تھا کہ اپنی قدیم عادت کی وجہ سے کسی بدفالی کے موقع پر اس کے دل میں غیر اختیاری تاثرات پیدا ہوتے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لیے چند مقدس کلمات تعلیم فرمادئے جن کی برکت سے یہ تمام باطل تاثرات اعتماد باللہ اور توکل سے بدل جائیں گے۔ اللہم لا یأتنی بالحسنات الخ...

اسلامی توحید کا یہ وہ بلند تصور ہے کہ جس کے دل میں یہ تصور قائم ہو گیا پھر اس کے قلب میں غیر اللہ کا کوئی خوف و ہراس باقی نہیں رہتا اور اس کا قبلہ توجہ ایک ہی ذات پاک رہ جاتی ہے درحقیقت یہی توحید کی اصل روح ہے۔ جب عقیدہ توحید میں یہ روح باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں شرک کے وہ تمام شعبے پھوٹنے لگتے ہیں جو آپؐ عرب کے نقشہ زندگی میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

(۷۹۱) * نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہو جاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہو گیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کر لیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

(۷۹۲) * نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لے کر اپنے بچوں کے گلوں میں نظر گذر کے خیال سے ڈال دیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی نیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لیے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کر لینا کہ یہ خوب صورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جاہلانہ وہم پرستی ہے۔ تو لہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہو جاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسماء الہیہ اور کلام الہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کام پاک اور اس کے اسماء کے محیر العقول اثرات و برکات سے احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے اسی لیے قرآن نے اس کا لقب ”ہلوع“ اور ”منوع“ رکھا ہے۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خَلَقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ (معارج: ۱۹، ۲۱) انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبر ہو جاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقا ﷺ...

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ. (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کردی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۳) عَنْ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَأَى فِي عُنُقِي خَيْطًا فَقَالَ مَا هَذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِي فِيهِ قَالَتْ فَآخِذْهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ أَنْتُمْ أَلْ عَبْدِ اللَّهِ لَا غِنَاءَ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ

(۷۹۳) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بی بی بیان کرتی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے میری گردن میں ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھا پوچھا یہ دھاگا کیسا ہے۔ میں نے کہا پڑھا ہوا گنڈا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ابن مسعود نے اسے لے کر توڑ پھینکا اور فرمایا ابن مسعود کے گھر والو! تمہیں تو شرک کی باتوں سے بے نیاز رہنا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود

ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکار حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام اس کے اسماء اس کے رسول کے کلمات بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور اس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر مون سون پیدا کرتا ہے سورج ضواء افشانی میں مشغول ہے۔ ابرو باد بارش لاتے ہیں مگر نہ ان میں حقیقتہ کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدرات الہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ (یس: ۴۰) نہ آفتاب اپنی لیل و نہار کے دوڑ میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آسکتی ہے یہ سب ایک ارادۃ الہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ موثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پٹ سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلب حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سمیت بھی موجود نہ تھی اس لیے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ تبرک بالا سماء اور تبرک باآثار الصالحین کا صحیح راستہ بتا دیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے ورنہ پھر وہ بھی رسوم جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

(۷۹۳) * اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانی اجسام میں اس قسم کے تصرفات بھی کر سکتا ہے۔ آخر جب انسان کی نظر لگ سکتی ہے اور اس کے دست و پا سے دوسرے انسانوں کو ایذا پہنچ سکتی ہے تو شیاطین کی ایذا رسانی سے انکار کی کیا وجہ ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ قوی مخلوق ہے۔ احادیث سے شیاطین کے بہت سے تصرفات ثابت ہیں۔ استخاضہ کو شیاطین کا اثر کہا گیا ہے برے خوابوں میں ان کا دخل تسلیم کیا گیا ہے۔ نماز اور وضوء میں وساوس و النامال چرا کر لے جانا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی طرف ایک آگ کا شعلہ لے کر بڑھنا اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا چھیڑنا یہ سب کچھ حدیثوں میں آچکا ہے گو علماء نے کہیں کہیں اس کی تاویلات بھی کی ہیں مگر پھر بھی ان میں قدرے مشترک شیطانی تصرف ایک ناقابل انکار حقیقت ثابت ہوتی ہے اور اسی حقیقت کی بنا پر شریعت نے اس کی مضرتوں سے حفاظت کے معنوی طریقے تعلیم فرمادیئے ہیں۔ مادی نظریں نہ ان کی مضرتوں سے آشنا ہیں اور نہ ان سے حفاظت کے طریقے جانتی ہیں اس لیے وہ ان کلمات اور تعویذات کا تمسخر اڑا دیتی ہیں جو اس سلسلہ میں شریعت نے تعلیم کیے ہیں جب ان کے نزدیک شیطان اور اس کے تصرفات کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر کلمات تعوذ اور ادعیہ کا سارا باب بھی محض ایک وہم پرستی نہ ہو تو اور کیا ہو لیکن جن کے نزدیک ان کی ہستی پھر انسانی معیشت میں ان کی طرح طرح خلل اندازی اور دست درازی دونوں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں ان کے نزدیک ان کلمات تعوذ کی اہمیت بھی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ الرُّقْيَ وَ
التَّمَائِمَ وَ التَّوَلَّۃَ شِرْكَ فَقُلْتُ لِمَ تَقُولُ
هَكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِي تَقْذِفُ وَ كُنْتُ
اُخْتَلِفُ اِلَى فُلَانِ الْيَهُودِيِّ فَاِذَا رَقَّاهَا
سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّمَا ذَلِكْ عَمَلُ

سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جھاڑ پھونک، نظر کے لیے منکے اور زوجین کے
لیے محبت کے جادو یہ سب باتیں شرک ہیں میں نے کہا آپ ایسی بات کیسے
فرماتے ہیں۔ اس سے پیشتر جب کبھی میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی
کے پاس چلی جایا کرتی تھی وہ اس کو جھاڑ دیا کرتا تھا اور فوراً آرام ہو جایا کرتا
تھا۔ عبد اللہ نے فرمایا یہ شیطان کی حرکت تھی وہ آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے

اللہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اسباب ظاہری کے تعطل کے قائل ہیں اور ہر بیماری و اختلال مزاجی کا سبب ان معنوی اسباب ہی میں
منحصر سمجھتے ہیں یہ تو بد اہت کا انکار ہوگا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح علوم کی دقت نظریو مافیو ماً اسباب ظاہری میں بھی دقیق تر اسباب
کی طرف راہنمائی کرتی جا رہی ہے حتیٰ کہ موجودہ زمانہ میں اکثر بیماریوں کا سبب ایسے جراثیم ثابت ہو گئے ہیں جو ان آنکھوں سے نظر بھی
نہیں آ سکتے تو اگر شرعی تحقیق سے کچھ ایسے اسباب بھی دریافت ہو جائیں جو ہماری اس خوردبین کے دسترس سے باہر ہوں تو اس کے انکار
کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ شریعت اسباب ظاہری کی منکر نہیں بلکہ اس
کے ساتھ کچھ اور اسباب باطنی کی بھی اطلاع دیتی ہے جو ان اسباب ظاہری کے پس پردہ مستور ہوتے ہیں اور اس حقیقت کو بہت مشرح بیان
فرمایا ہے۔ جو قابل دید ہے (دیکھو تفسیر مذکور ص ۱۱۵)۔ اس حدیث سے ایک اور اہم بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ گمراہی کا سبب جس طرح
شیطانی وساوس ہوتے ہیں اسی طرح بعض مرتبہ اس قسم کے شیطانی تصرفات بھی ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی یہاں
یہ سمجھے بیٹھی تھی کہ ان کی آنکھ کو کاہن کی شرک آمیز جھاڑ پھونک سے شفا ہو جاتی ہے اور معلوم یہ ہوا کہ اس میں شیطان کا تصرف شامل تھا۔ اس
نے ایسی صورت پیدا کر رکھی تھی کہ ان کے دماغ میں خود بخود یہ گمراہی پیدا ہو جائے۔ بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان آج بھی اسی قسم کی گمراہی
میں مبتلا نظر آتے ہیں جب ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اس مہینہ میں ہم نے فلاں بزرگ کی نذر و نیاز نہیں کی تھی اس
لیے ہم کو یہ نقصان پہنچ گیا اور اتنا نہیں سوچتے کہ جن بزرگوں نے اپنی تمام عمریں مخلوق کی ایذائیں برداشت کرنے میں صرف کی ہوں اور
اسی کو اپنا معیار بزرگی سمجھا ہو وہ کسی غریب کے نیاز نہ دلانے پر اس کو کب کوئی ایذا دے سکتے ہیں۔ حضرت خواجہ محبوب الہی کے حسب ذیل
شعر سے ذرا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ ان کے درپے آزار تھے ان کے حق میں ان کا جذبہ کیا تھا۔

ہر کہ مار رنج ساز دیار اور ابار باد ہر گلے کز باغ عمرش بشگند بے خار باد

کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس آئین کے تحت ساری دنیا کو نفع و نقصان پہنچتے ہیں اسی آئین کے ماتحت اس کو بھی یہ نقصان پہنچا ہو اور کیا یہ ممکن نہیں
کہ جس طرح شیاطین انسانوں کے عقائد فاسد کرنے کے لیے اس قسم کے کچھ تماشے دکھایا کرتے ہیں یہ تماشہ بھی اسی قسم کا ایک تصرف ہو
بزرگوں کی طرف اس کی نسبت کرنے کی ضرورت کیا ہے کفار بھی اپنے معبودوں کے متعلق اسی قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے چنانچہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو پاگل بنا دیں (معاذ اللہ) تو انہوں
نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔ ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی یعنی میں ان سے بھلا کیا ڈرتا جن کے قبضہ میں خود اپنا نفع و
نقصان بھی نہ ہو۔ تکلیف و راحت سب اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے اس کا سبب بنا دے یہاں حضرت شاہ
عبدالقادرؒ کے فوائد قابل مراجعت ہیں۔ اللہ

الشَّيْطَانُ كَانَ يَنْحُسُّهَا بِيَدِهِ فَإِذَا رُقِيَ كَفَّ
عَنْهَا إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولِي كَمَا كَانَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ

کریدا کرتا تھا جب وہ جھاڑی جاتی تھی تو کریدنا بند کر دیتا تھا (تم کو یہ محسوس
ہوتا تھا کہ یہ سکون جھاڑ کا اثر ہے) تمہیں یہ بات کافی ہے جو کلمات
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے وہی تم پڑھ لیا کرو اذہب
الباس الخ اے لوگوں کے پروردگار بیماری دور کر دے اور شفاء بخش دے

..... حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو یہی دھمکی دی تھی ﴿ان نقول الا اعتراک بعض الھتنا بسوء﴾ (ہود: ۵۴) ہمارے
خیال میں تو ہمارے کسی معبود نے تجھے ستا رکھا ہے۔ ان کے جواب میں انہوں نے فرمایا ﴿انی تو کلت علی اللہ ربی و ربکم ما من دابة
اللہ الا ھو اخذ بنا صیتھا﴾ (ہود: ۵۶) میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے جو چیز بھی زمین پر چلتی
ہے سب اسی کے تصرف میں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ شیطانی تصرفات کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: فکثیر من ھولاء الذین یعظمون القبور و المشائخ و
یستغیثون بہم و یطلبون حوائجہم منهم یطیعہم الشیاطین بسبب ذلک فی بعض الامور و ذلک من جنس السحر و
الشراک..... و انما تقترن بہ الشیاطین و تخدمہ لما فیہ من الکفر و الزندقۃ و من الفسوق و العصیان..... و انا
اعرف من ھولاء عددا کثیرا بالشیام و مصر و الحجاز و الیمن و اما الجزیرۃ و العراق و خراسان و الروم ففیہا من ھذا
الجنس اکثر مما بالشیام و غیرھا. (الرد علی البکری ص ۴۹ و ۵۰) جو لوگ قبور اور مشائخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں ان سے
فریادیں کرتے ہیں اور اپنی ضروریات میں عقدہ کشائی طلب کرتے ہیں کبھی کبھی شیطان اس اعتقاد کو پختہ کرنے کے لیے ان کے مسخر ہو جاتے ہیں
درحقیقت یہ ایک قسم کا سحر اور شرک ہوتا ہے اسی کفر زندقہ اور فسق کی وجہ سے شیطان ان کے مددگار بن جاتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے لوگ شام و
مصر اور حجاز و یمن میں بہت دیکھے ہیں اور جزیرہ عراق، خراسان اور روم میں تو اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ موجود ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ والذین یسجدون للشمس و القمر و الکواکب و یدعونھا تنزل علیہم ارواح من الجن و
تقضى لهم کثیر امن حوائجہم و یسمونھا روحانیۃ ذلک الکوکب و ھو شیطان. و من الشیاطین من یطیر بصاحبہ من
الانس فی الهواء و یضعہ علی رأس الجبل و یدخل بہ النار فیمنعہ حرھا. (الرد علی البکری ص ۷۳) یعنی جو لوگ آفتاب و
ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے اور مصیبتوں میں ان کو پکارتے ہیں ان کی امداد کے لیے جنات کی ارواح آتی ہیں اور ان کی بہت سی ضروریات
پوری کر دیتی ہیں یہ لوگ حقیقت سے تو آشنا نہیں ہوتے اور ان کو ان کی روحانیات سمجھتے ہیں حالانکہ یہاں ان ستاروں کی روحانیت کچھ نہیں ہوتی یہ
صرف شیطان ہوتے ہیں پھر بعض شیطان ایسے تصرفات بھی کرتے ہیں کہ ایک انسان کو اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر رکھ دیتے ہیں اور
کبھی اس کو آگ میں لے جاتے ہیں اور آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

حافظ نے اس قسم کے بہت سے واقعات اپنے ہی زمانہ کے تحریر فرمائے ہیں اور تصنیف مذکور میں بہت سے مقامات پر اس قسم کے
جناتی تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرض اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نفع و نقصان انسان کو اسباب کے ساتھ پہنچتا ہے اس میں بھی اصل موثر خدائے تعالیٰ ہی کی قدرت کو
سمجھنا چاہیے اسباب ظاہری محض اس کے ارادہ کے مظاہر ہیں خود ان میں کوئی تاثیر نہیں۔ اگر فرض کر لو کہ کوئی خبیث روح یا سرکش جن ہماری
توحید کو گندہ کرنے کے لیے کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو ہم کو چاہیے کہ ان کلمات سے اس کا مقابلہ کریں جو اس کے لیے شریعت اللہ

الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُ كَ شِفَاءٍ لَا يُغَادِرُ کیونکہ شافی صرف تو ہے۔ درحقیقت شفا تیری ہی طرف سے ہے، ایسی شفا سَقَمًا۔ (رواہ ابو داؤد)

دے کہ پھر بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ (ابوداؤد)

لہٰذا.... نے ہم کو بتائے ہیں اگر اس کو ایذا کی قدرت دی گئی ہے تو ہم کو اس سے حفاظت کی تدبیر بھی بتادی گئی ہے ہم کو چاہیے کہ ہم جنگ میں اپنے دشمن پر غالب آنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ اسی کو خدا بنا بیٹھیں والعیاذ باللہ اگر مومن کی قوت ایمانی پورے طور پر مستحکم ہو جائے تو بہت سے نقصانات جو اس کی قوت و اہمہ کی بدولت اس کو پہنچتے ہیں صرف اس کی قوت عزم سے ٹل سکتے ہیں۔ عرب کی قوم تو ضعف اعتقاد میں یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی معیشت کی تمام بنیاد فال اور بدفالی پر قائم تھی یہ سب خدائے تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور اپنے اوہام پر اعتماد کرنے کے نتائج تھے۔ کسی بچہ کی اتفاقاً حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی انہوں نے اس بچہ سے خوش ہو کر فرمایا بیٹا مانگ کیا مانگتا ہے وہ بچہ خاموش رہا جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو اس نے کہا اچھا مجھے وہ دے دیجئے جو میری تقدیر میں نہ ہو کیونکہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ تو مجھے مل کر ہی رہے گا خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے ہو۔ سبحان اللہ یہ بچہ بھی کیسا مستحکم العقیدہ بچہ تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کا یہ جواب سن کر بہت مسرور ہوئے اور اس کو بڑی دعائیں دیں۔

اس مقام پر حافظ ابن تیمیہ کی ایک اور اہم تحقیق بھی قابل یادداشت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اسباب کے ارتکاب کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ وہمی یا غیر مؤثر ہی ہوں بلکہ جن اسباب کی تاثیر واقعی ثابت ہو جائے اگر ان میں کوئی اسلامی مضرت موجود ہو تو بھی ان سے ممانعت کی جائے گی۔ مثلاً جادو (جس کی حقیقت شرک اور شیطان کے ساتھ تلبس ہے) اگر اس کی تاثیر حتمی طریقہ پر ثابت بھی ہو جائے تو بھی ممنوع رہے گا خواہ اس کا مقصد کسی کافر اور دشمن اسلام کا ہلاک کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ (کتاب الرد علی الکفری ص ۲۷۱) جو لوگ سحر کو بے حقیقت سمجھتے یا اس کی تاثیر کے منکر ہیں اس وقت ہمارا ان سے خطاب نہیں ہے بلکہ جن کے نزدیک سحر کی تاثیر ثابت ہے ان کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ تولدِ عدوی اور طیرہ وغیرہ کی ممانعت دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ کلیہ نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ شریعت کے نزدیک اسباب کے ارتکاب کی اصل بنیاد صرف ان کا وہمی اور بے حقیقت ہونا ہے اس لیے جہاں اسباب کی تاثیر میں واقعتاً یہ ثابت ہو جائے، ہاں شریعت علی الاطلاق اجازت دے دے گی بلکہ ان کی واقعت کے بعد بھی یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ ان میں فی نفسہ کوئی شرعی مخطوہ تو نہیں ہے۔ پس اگر شرعی مخطوہ موجود ہے تو بھی وہ ممانعت ہی کے تحت رہیں گے۔ اس بنا پر اگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی بی بی کی آنکھ کی شفاء میں شیطانی تصرف کو تسلیم نہ بھی کیا جائے جب بھی کاہن کے پاس جا کر کلماتِ شرکیہ کے ذریعہ سے استشفاء ممنوع رہے گا۔ بلکہ دراصل یہی ممانعت کی اصل وجہ ہے۔

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ شریعت بعض اوقات امر و نہی کے سلسلہ میں ایسے اسباب کا ذکر بھی کر دیتی ہے جو محض غیبی ہوتے ہیں اس کی وجہ مؤمنین متقین کے سامنے اس غیبی حقیقت کا واشگاف کرنا اور اس امر و نہی کے مقتضی پر پورے جذبات کے ساتھ عمل کرنے کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوتی ہے۔ ایسے اسباب کو شرعی حکمت تو کہا جاسکتا ہے فقہی علت نہیں کہا جاسکتا جب ان اسباب کا وجود ہی ہمارے ادراک سے بالاتر ہے تو ہم کو ان پر احکام دائر کرنے کا مکلف کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ مثلاً سنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ پیادہ پا جانا چاہیے اس کی فقہی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عمل ہے لیکن اس عمل کی حکمت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ سوار ہو اور خدا کے فرشتے پیادہ پا جا رہے ہیں۔ یہ تعلیل اس کے لیے تو مناسب ہو سکتی ہے جن کی نظروں نے یہ مشاہدہ کر لیا ہو مگر لہٰذا....

(۷۹۴) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذَلِكَ فَقَالَ اِعْرِضُوا عَلَى رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شُرْكٌ. (رواه مسلم)

(۷۹۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُؤْتِي بِالصَّبِيَّانِ إِذَا وَلِدُوا فَتَذْعُوَالَهُ بِالْبَرَكَةِ فَآتَيْتُ بِصَبِيٍّ فَذَهَبَتْ وَسَادَتْهُ فَإِذَا تَحْتَ وَسَادَتِهِ مُوسَى فَسَأَلْتُهُمْ عَنِ الْمَوْسَى فَقَالُوا نَجْعَلُهَا مِنَ الْجِنِّ فَأَخَذَتِ الْمَوْسَى فَرَمَتْ بِهَا وَنَهَتْهُمْ عَنْهَا وَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ الطِّيرَةَ وَ يُغَضُّهَا وَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَنْهَى عَنْهَا. (رواه البخاری فی الادب المفرد ص ۱۳۱)

(۷۹۴) عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

(۷۹۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لیے برکت کی دعا فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھ دیتے ہیں۔ انہوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

اللہ ہمارے نزدیک پیادہ جانے کی اصل علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی ہوگا۔ ہاں حکمت کے درجہ میں ہم یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح مسجد میں قصداً حدث کرنا گھروں میں تصویریں لٹکانا اور کتے پالنا وغیرہ ان تمام مقامات پر ممانعت کی اصل علت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا اس کے بعد جو کچھ اس جگہ حدیثوں میں مذکور ہے ہمارے حق میں وہ حکمتیں کہاائیں گی دیکھو خدائے تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہمہ وقت فرض ہے تلاوت قرآن ہمہ وقت عبادت ہے اور روزہ بھی اسلام کی محبوب ترین خصلت ہے مگر ان کی عام حکمتوں کے پیش نظر کیا ان کو علی الاطلاق ادا کیا جاسکتا ہے یا طلوع وغروب کے وقت نماز ممنوع رہے گی رکوع وسجود میں تلاوت قرآن اور ایام تشریق میں روزہ ممنوع رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود شریف عبادت ہوگی اور قیام بے معنی ہوگا اور یہ محفل تو آپ کی شان مبارک میں ایک بڑی گستاخی ہوگی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہر بدعتیہ شخص جب چاہے جہاں چاہے آپ کی ذات کو حاضر کر سکتا ہے۔ یہاں شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا رسول کا اس وقت ہم کو وہ کرنا ہے جس کا ہم کو حکم ملا ہے اور بس۔

(۷۹۴) * معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حدود شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں۔ اسلام حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کے جھاڑ پھونک سے ممانعت کر دی جاتی مگر قانونِ یسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آچکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے انماض کر لیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں شریعت کے لئے

(۷۹۶) عَنْ أَبِي بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَا تُبْقِيَنَّ فِي رِقَبَةٍ بَعِيرٍ قِلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةً إِلَّا قُطِعَتْ. (متفق عليه)

(۷۹۶) ابو بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلابہ یا کوئی قلابہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔ (متفق علیہ)

(۷۹۷) عَنْ أَبِي وَهَبِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَبَطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوا بَنَوَاصِيهَا وَاعْجَازِهَا أَوْ قَالَ اكْفَالِهَا وَقَلِّدُواهَا وَلَا تُقَلِّدُواهَا إِلَّا وَتَارَ. (رواه أبو داود والنسائي)

(۷۹۷) ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلہ جہاد ہے) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ ڈال دیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دور جاہلیت کا طریقہ ہے)۔ (ابوداؤد-نسائی)

لامقدار لعلم النبی بجنب علم
اللہ تعالیٰ

نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت
نہیں ہوتی

(۷۹۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قِصَّةِ الْخَضِرِ وَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ الْخَضِرَ قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَمِيهِ

(۷۹۸) حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لیے تم

اللہ خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنفیہ کی تمام تر بنیاد یسر پر قائم ہے۔ الدین یسر کی شرح کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث گذر چکی ہے۔ ترجمان السنۃ جلد اول میں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۷۹۶) * آپ کے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں مگر امام مالک کی جو رائے ان کی کتاب مؤطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈال دیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوبام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا سے نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ذرے آزاد ہو گیا۔

(۷۹۸) * حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گویا اختلاف ہے مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم الہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ و برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہجہ

میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انہوں نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے۔ میں کسی معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پر پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انہوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انہیں سوار کر کے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے؟ اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لیے بغیر ان کو کشتی میں بٹھالیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی۔ اس نے سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے۔ اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کر کے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے تعالیٰ حضرت موسیٰ کو مراتب علیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰ اگر کچھ صبر فرما لیتے تو ان دونوں کے کچھ اور

لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ. وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَ اللَّهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَاِنْ طَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاكِحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمَاهُمَا أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعَرَفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقَرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَ عِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذِهِ الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ ثُمَّ سَرَدَ قِصَّتَهُمَا وَ فِي آخِرِهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَى لَوْ دِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقْصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا.

(رواہ البخاری فی کتاب العلم) واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آ جاتے۔ (بخاری شریف)

للہ ارشاد بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کر لیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے۔ علم الہی کے متعلق ان تین مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدود بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمال بندگی کمال میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہیے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کر سکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہو سکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہو سکتی ہے۔ بندہ کو خدائے تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے اوپر علم اطلاق کر کے نکل گیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفت علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے ان کو آپ کی جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔ للہ

النہی عن اسناد علم الغیب الی احد

(۷۹۹) عَنْ الرَّبِيعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ

عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاةَ بَنِي

عَلَى فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَا جَلَسَ مِنِّي

وَجُورِيَّاتٌ يَضْرِبْنَ بِالْأَفْ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ

مَنْ أَبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ حَتَّى قَالَتْ جَارِيَةٌ وَفِينَا

نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولِي هَكَذَا وَقُولِي مَا كُنْتُ

تَقُولِينَ. (رواه البخاری)

کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے

(۷۹۹) ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے

جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ

پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک

لڑکی نے یہ کہا۔ ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو

آپ نے فوراً منع فرمادیا اور کہا یوں مت کہو بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ

رہی تھیں۔

(بخاری شریف)

..... یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء و امانت یا غیب کا علم وغیرہ ان میں عموم و اطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ یہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صانع حقیقی کے لیے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذبات محبت کی بنا پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائیے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزل مقصود سمجھے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جاسکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جائیے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھیے۔

(۷۹۹) * نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ انداز غصہ و مسرت بھی بڑا پر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفل مسرت تھی نہ کہ مجلس تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت پڑھنے والی بھی کچھ نوعمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحب نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے۔ سورہ لقمان میں ہے کہ پانچ باتیں مغایع غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا مگر ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ علم الہی کے سامنے اپنی بے مائیگی کے اعتراف کا سر جھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانہ غیب سے کچھ عطا فرمادیتا ہے اس سے وہ غیب داں نہیں کہاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں۔ دنیا اس صداقت کے بجائے خود انہیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتا دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انہیں غیب داں خدایا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(۸۰۰) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفتاح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بے شک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

(۸۰۱) خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک انصاری بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے ہم نے انہیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرایا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ وفات کے بعد جب انہیں غسل دے دیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انہیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابوالسائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں

(۸۰۰) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ. إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (الفرد باخرجه البخاری)

(۸۰۱) عَنْ خَارِجَةَ بِنِ زَيْدٍ بِنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمْ افْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِينَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ وَانْزَلْنَاهُ فِي آيَاتِنَا فَوَجَعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوَفِّي فِيهِ فَلَمَّا تُوَفِّي غُسِلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ أَبَا

(۸۰۰) * قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہو اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بنا پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطباء نے حمل کے مذکور و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علی کل شئی شہید کا یہی مطلب ہے۔ اس حدیث کے متعلق حدیث جبریل علیہ السلام کا تفصیلی نوٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اسی کے ساتھ حدیث ربیع بن حراش مذکورہ ترجمان السنۃ ص ۴۹۶ بھی ضرور ملاحظہ کیجئے۔

(۸۰۱) * حدیث مذکور میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے :

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ﴾ (الاحقاف : ۹)

السَّائِبِ فَشَهِدَتْنِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ
 اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَمَا يُدْرِيكَ إِنَّ اللَّهَ أَكْرَمَهُ فَقُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هُوَ فَوَ اللَّهُ
 لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ وَاللَّهُ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ
 وَاللَّهُ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَاذَا يُفْعَلُ
 بِي فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَا أَزْكِي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا.
 (رواه البخاری فی ص ۱۰۳۷)

تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرورتاً تمہیں اپنی رحمت
 سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو
 رحمت سے ضرور نواز دیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر
 قربان یا رسول اللہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو
 نوازے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہو گئی اور مجھے بھی ان
 کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ
 نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سن کر ام علاء نے کہا
 خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ
 کروں گی۔ (بخاری شریف)

(۸۰۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا
 قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ طُوبَى لِهَذَا عُصْفُورٌ مِنْ عَصَا فَيْرِ

(۸۰۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچے کے
 جنازہ کی نماز کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ اس بچے کے
 متعلق میری زبان سے کہیں یہ نکل گیا کہ یہ بچہ کیسا خوش نصیب تھا یہ تو جنت
 کی چڑیوں میں ایک چڑیا تھی نہ اس نے کوئی گناہ کیا نہ اتنی عمر پائی کہ گناہ کرتا

(۸۰۲) * خلاصہ یہ کہ بخشش و مواخذہ کا معاملہ تمام تر عالم غیب سے متعلق ہے اس میں کسی انسان کو رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں۔
 مغفرت و عدم مغفرت کے مختلف آئین ہیں کسی کو کیا معلوم کہ قادر مطلق نے کہاں کس آئین کے نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ پس اس
 حدیث میں بھی کسی مقامی غلطی کی اصلاح منظور نہیں۔ بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کی اصلاح منظور ہے خواہ مقامی اعتبار سے وہ کتنا ہی صحیح ہو۔ مثل
 مشہور ہے کہ خطا اگر راست آید تاہم خطا است۔ قرآن کریم نے علم غیب کو جا بجا خدائی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور کسی استثناء کے بغیر عالم
 الغیب کا لقب صرف اپنی ذات کے لیے مخصوص قرار دیا ہے۔ اسی لیے حدیثوں میں بھی اس معاملہ میں احتیاط برتنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے
 اور کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ غیب کے امور میں جزم و وثوق کے ساتھ کوئی ادنیٰ دخل اندازی کر سکے حتیٰ کہ اس بارے میں
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے نفس نفیس کو شامل کر کے ارشاد فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے شب و روز میں نہ معلوم کتنے غیوب سے
 پردے اٹھائے جاتے ہیں اپنی مغفرت کی تفصیلات کے بارے میں پورے پورے علم کا وہ بھی مدعی نہیں بنتا۔

قرآن کریم کی کھلی کھلی آیات احادیث رسولؐ کے بے شمار ذخائر اور صحابہ کرام کے عشق نبوی سے لبریز کلمات کے انبار آپ کے سامنے
 ہیں۔ ان سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ رسولوں کو عالم الغیب کہنا کبھی اسلامی عقیدہ سمجھا گیا ہو۔ مذہب اسلام کی سب سے واضح خصوصیت یہ ہے کہ
 اس میں خدائے تعالیٰ اور بندوں کی صفات اتنی واضح بتائی گئی ہیں کہ ان میں کسی موقع پر بھی التباس پیدا نہیں ہوتا۔ صفت علم جو حق تعالیٰ کی
 ایک نمایاں ترین صفت ہے اس کے مظاہرے کے لیے ازل میں ملائکہ اللہ کا وہ معرکہ آراء واقعہ پیش آیا تھا جس میں انہیں انہی اَعْلَمُ مَا
 لَا تَعْلَمُونَ کا عقاب آمیز فقرہ سننا پڑا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک کلمہ ”اِنَّا اَعْلَمُ“ کی بدولت کتنا حیران و پریشان لگا۔

الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ أَوْ
غَيْرَ ذَلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ
أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ
یہ سن کر آپ نے فوراً فرمایا تم تو یقین کے ساتھ حکم لگا رہی ہو کیا خبر ہے
کہیں معاملہ کچھ اور ہو۔ اے عائشہ (جنت و دوزخ کا فیصلہ کچھ ظاہری
اعمال پر ہی منحصر نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق جنت کے لئے بنائی ہے اور

اللہ..... ہونا پڑا اور سب سے آخر میں وہ رسول بھی آ گیا جس کو علم الاولین و الآخِرین کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا تھا مگر خالق السموات
والارضین کے علم کے سامنے وہ بھی ہمیشہ اپنے عجز و نیاز کا سر جھکائے رہا۔ اور ”رب زدنی علماً“ کی ہی دعائیں مانگا کیا اور کسی نے
کبھی شاعرانہ رنگ میں بھی اگر اس کے متعلق عموم و اطلاق کے ساتھ علم غیب کی نسبت کر دی تو اس نے وہیں اس کو روک دیا۔ یہاں بالذات
اور بالواسطہ کا فرق پیدا کرنا ایک مضحکہ خیز تخیل ہے۔ بندے میں خدائے تعالیٰ کی کوئی صفت نہ بالذات سما سکتی ہے نہ بالعرض خدائے تعالیٰ
ایسا یکتا و یگانہ ہے کہ نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی شریک ہے نہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔

بس جس جگہ تک میری رسائی ہے اس کے بس اس طرف تیری خدائی ہے

اسی طرح کائنات ہستی کے جمیع ماکان اور مایکون کا علم بھی کسی کے حق میں تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ماوراء
اگرچہ بے شمار علوم اور بھی ہیں مگر وہ انسانی دماغ کے تصور سے باہر ہیں انسانی دماغ صرف ان ہی علوم کا تصور کرتا ہے جو کائنات میں اس کو
نظر آتے ہیں پس اگر ان علوم میں خالق اور مخلوق مساوی ہوں تو پھر صفت علم کے بارے میں وہ خالق کی برتری کا کوئی تصور کر ہی نہیں سکتا
حالانکہ اسلام میں خالق کی برتری کا تصور اتنا اعلیٰ سکھایا گیا ہے کہ اس کے نام کے برابر بھی کسی مخلوق کا نام لینا اس کی برتری کے خلاف سمجھا
گیا ہے پھر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ کائنات ہستی میں ایسی اشیاء بھی بے شمار موجود ہیں جن کا علم خالق کے لیے تو ضرور موجب کمال ہے مگر
انسان کے لیے کوئی کمال نہیں۔ مثلاً کسی میدان کے ریت کے ذرات یا کسی درخت کی شاخوں کے پتے یا اسی قسم کے اور علوم جو انسانیت کی
تکمیل کے لیے غیر ضروری بلکہ اور مخل ہیں یہ سب جب عام انسانوں کے حق میں کوئی کمال نہیں سمجھے جاتے تو ان میں جو سب سے بزرگ تر
ہستیاں ہوں ان کے لیے کیا موجب کمال ہو سکتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ خوش عقیدگی ہے جس کو شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ چہ جائے کہ ان
کو اسلامی عقیدہ کہا جائے۔ خدا کے مقدس رسولوں کے علم کے متعلق اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کے پورے پورے وزن کرنے کی
کوشش کی جائے کیا اتنا کہنا کافی نہیں ہو سکتا کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان مباحث میں پڑ کر بے وجہ اپنے ایمان کو زخمی نہ کیجئے رسولوں کی پوری عظمت سے دل معمور رکھئے اور ان میں خاتم الرسل کی
امتیازی شان کو اپنا دین و ایمان سمجھئے بس یہی راہ سیدھی ہے فاتحہ ہو۔

یہ یاد رہے کہ اسلامی عقائد اور اس کے مذاق کا اندازہ صرف قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ سے لگانا
چاہیے۔ عشاق کے پراز جذبات کلمات یا شاعروں کے مبالغہ آمیز بیانیوں سے نہیں۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو الفاظ مقام مذمت یا
مقام مدح کے ذیل میں آ جاتے ہیں ان سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا صحیح نہیں وہ صرف متکلم کے جذبات احترام یا اس کے جذبات توہین کے
ترجمان ہوتے ہیں ان کا مقصد مخاطب کے ذہن میں کسی کی محبت یا کسی سے نفرت قائم کرنا ہوتا ہے کسی عقیدہ کی تعلیم دینا نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآن حکیم نے بلقیس کے شاہی ساز و سامان کی فراوانی کے متعلق و اوتیت من کل شیء (اس کو تمام چیزیں عطا ہوئی تھیں).....

اس کو اسی وقت جنتی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھی اور اسی طرح ایک مخلوق دوزخ کے لیے بنائی ہے اور ان کو بھی اسی وقت دوزخی بنا دیا تھا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں موجود تھی۔ (مسلم شریف)

(۸۰۳) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھنی ہوئی گاوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گاوہ ہے یہ سن کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول

آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ.

(رواہ مسلم)

(۸۰۳) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ مَيْمُونَةَ فَاتَى بِضَبٍّ مَحْنُودٍ فَأَهْوَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ أَخْبِرُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُرِيدُ أَنْ يَأْكُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَرَفَعَ يَدَهُ فَقُلْتُ أَحْرَامٌ

اللہ..... کا کتنا عام لفظ استعمال فرمایا مگر کیا اس فصیح و بلیغ انداز بیان سے کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے کا مجاز ہو سکتا ہے کہ اس کو حقیقتہً تمام اشیاء عطا کر دی گئی تھیں حتیٰ کہ تمام غیوب کا علم بھی۔ یا یہ صرف اس کی شان ملوکیت کی عظمت کا ایک بلیغ انداز بیان تھا۔ یاد رکھو کہ صفات الہیہ میں صفت علم ایک بڑی ممتاز صفت ہے اس میں کسی بندہ کو اس طرح شریک کر دینا کہ خدا اور بندہ کے درمیان اس میں کوئی التباس پڑنے لگے یہ ٹھیک شرکانہ رسم ہے۔ مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت میں شریک ٹھہراتے اور جب ان پر مساوات اور شرک کا اعتراض کیا جاتا تو اسی طرح مختلف قسم کے حیلے بہانے بنا دیتے۔ کبھی یہ کہہ دیتے کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم کو ذرا قریب کر دیں اور کبھی ان کی شفاعت کا بہانہ کر دیتے ان تمام تاویلوں کے باوجود ان کا سر نیاز اگر جھکتا تو ان بتوں ہی کے سامنے جھکتا اور جب کبھی ان کے سامنے خدائے وحدہ لا شریک لہ کا ذکر آ جاتا تو وہ ہمیشہ اکڑ جاتے۔ خوب سن لیجئے کہ مذہب اسلام میں نہ کسی ایسے عقیدہ کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی مشرکانہ عمل کے لیے وہ ذہنی اور عملی ہر لحاظ سے کفر سے اتنا ممتاز ہے جتنا دن رات سے۔ واللہ ولی الامور۔ اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مشتبہ نمونہ از خروارے چند روزمرہ کے وہ واقعات ملاحظہ فرمائیے جن سے آپ کو صحیح صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ جس کے سینہ میں علوم ہدایت کے سمندر بہا دیئے گئے تھے دنیا کے غیر ضروری امور میں اس کا حال کیا تھا۔

(۸۰۳) * یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھئے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المؤمنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت میمونہ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لَا وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ
بَارِضٍ قَوْمِي فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ
فَاجْتَرَرْتُهُ فَآكَلْتُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ. (رواه البخاری)

اللہ کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس
لیے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف
بڑھالیا اور آپ کے سامنے اس کو کھاتا رہا۔
(بخاری شریف)

(۸۰۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ

(۸۰۴) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا میں ایک انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے لے لے کر میرے پاس
آتے رہتے ہو ہو سکتا ہے کہ تم میں ایک آدمی اپنے دلائل بنا سنوار کر بیان کرنے

(۸۰۴) * شرح معانی الآثار میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں انما انا بشر ولا ادری باطن ماتتھا کمون فیہ
عندی و تختصمون فیہ لدی و انما اقضی بینکم علی ظاہر ما تقولون - یعنی میں ایک انسان ہوں اور جن معاملات کے فیصلے تم
میرے پاس لے کر آتے ہو ان کی حقیقت تو میں جانتا نہیں - میں تو جیسا تم مجھ سے بیان کر دیتے ہو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں - امام
بخاریؒ نے باب اثم من خاصم فی باطلہ و هو یعلمہ (ص ۳۳۲) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یہ لفظ روایت کیے
ہیں فلعل بعضکم ان یكون ابلغ من بعض فاحسب انه قد صدق - یہ ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے زیادہ لسان ہو اور اس
بنا پر میں یہ خیال کر لوں کہ جو بات اس نے کہی ہے وہ سچ ہی کہی ہے - علامہ قسطلانی انما انا بشر کی وجہ حصر میں لکھتے ہیں - لانه حصر
خاص ای باعتبار علم البواطن و یسمى عند علماء البیان قصر القلب لانه اتی به علی الرد علی من زعم ان من کان
رسولا یعلم الغیب فیطلع علی البواطن و لا یخفی علیہ المظلوم و نحو ذلک فاشار الی ان الوضع البشری یقتضی ان لا
یدرک من الامور و الا ظواهرها فانه خلق خلقا لا یسلم من قضایا تحجبه عن حقائق الاشیاء فاذا ترک علی ماجل
علیہ من القضایا البشریة و لم یؤید بالوحی السماوی طراً علیہ ما یطرأ علی سائر البشر - (ج ۴ ص ۲۶۲) یعنی یہاں آپ
نے اپنی بشریت کو بصیغہ حصر اس لیے ذکر کیا ہے حالانکہ آپ بہت سے اوصاف میں عام بشریت سے کہیں بالا و برتر تھے تاکہ ان لوگوں کی
تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جب رسول کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو اس پر ہر معاملہ کی حقیقت بھی ٹھیک ٹھیک طور پر روشن ہو
جاتی ہوگی اور وہ یہ بھی جان لیتا ہوگا کہ فریقین میں مظلوم کون ہے اور ظالم کون - اس خیال کی تردید کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ بشری ساخت
ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ بشر صرف ظاہری حالت ہی کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کو ایسے حالات پیش آئے بغیر چارہ نہیں ہوتا جو اس
کے لیے اشیاء کی حقیقت کے ادراک سے مانع آجائیں پس جب تک قدرت اس کو اپنی فطرت کے خلاف نہ چلائے اور آسمانی وحی سے اس
کی تائید نہ فرمائے اس پر وہی حالات طاری ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں پر طاری ہوا کرتے ہیں -

علامہ قسطلانی کے بیان سے یہ حقیقت خوب واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب کیوں نہیں ہوتے اور وہ یہ کہ انسان کی بشری
ساخت ہی میں اس کی صلاحیت نہیں - اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے حالات و اوصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جن کی وجہ سے اس کو غائبات کا
بلا واسطہ علم ہو ہی نہیں سکتا اور جن باتوں کا اس کو علم ہوتا ہے یہ ان کی فطرت کا تقاضہ نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی وقتی اطلاع سے حاصل ہوتا ہے اس
لیے اس میں اطلاق و عموم کہاں اس کے بعد علامہ موصوف اس کی حکمت بھی لکھتے ہیں کہ رسول کو اپنے مقدمات کے متعلق غیب کا علم تھے

بَعْضُكُمْ أَنْ يَكُونَ الْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ
فَاقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ
قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ
فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ .

میں دوسرے شخص سے زیادہ ماہر ہو اور میں (اس کے بیان سے متاثر ہو کر) جیسا
اس کا بیان سنوں اسی کے مطابق فیصلہ صادر کر دوں تو اگر میں کسی کے بھائی کے
حق کا فیصلہ اس کے حق میں اس طرح دے دوں تو اسے چاہیے کہ وہ میرے اس
طرح کے فیصلہ پر اعتماد کر کے اس کا مال دبا نہ لے اور یہ سمجھے کہ جو مال اس کو اس
(متفق علیہ) فیصلہ سے ملا ہے وہ حقیقت میں آگ کا ایک انگارہ ہے۔ (متفق علیہ)

لہ... کیوں نہیں دیا۔ تاکہ شاہد و یمین کا قصہ ہی ختم ہو جاتا اور رسول اپنے یقین کی بنا پر جس طرح اور احکام شریعت بیان کیا کرتا ہے اسی
طرح مقدمات کے فیصلے بھی صادر کر دیا کرتا۔ و لم یطلعه اللہ تعالیٰ علی حقیقة الامر فی ذلک حتی لا یحتاج الی بینة و یمین
تعلیمًا لتقتدی بہ امتہ فانہ لو حکم فی القضايا بیقینہ الحاصل من الغیب لما امکن الحکم لامتہ من بعدہ . (ج ۱ ص ۲۳۰)
اور نوویؒ لکھتے ہیں لکن لما امر اللہ امتہ باتبعاعہ..... اجری لہ حکمہم فی عدم الاطلاع علی باطن الامور لیکون حکم
الامۃ فی ذلک حکمہ فاجری اللہ تعالیٰ احکامہ علی الظاہر الذی یتسوی فیہ ہو وغیرہ لیصح الاقتداء بہ و تطیب
نفوس العباد للانقیاد لاحکام الظاہرة من غیر نظر الی الباطن و اللہ تعالیٰ اعلم۔ (ج ۲ ص ۷۴)

علامہ قسطلانی اور امام نووی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو تمام مقدمات میں صحیح صحیح حالات کی اطلاع دے
دیا کرتا تا کہ وہ صرف اپنے علم کی بنا پر مقدمات کے فیصلے صادر کر دیا کرتے تو ان کی امت اس بارے میں کیسے ان کی اتباع کر سکتی۔ اس لیے
اس نے واقعات اور معاملات کی اطلاع دینے کی بجائے تفتیش و اجتہاد کرنا اور مدعی سے ثبوت اور مدعی علیہ سے قسم لینا ان کے لیے آئین
مقرر کیا اور تمام امت کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسی طرح معاملات کے فیصلے کیا کریں۔ البتہ مدعی کو یہ اخلاقی فہمائش بھی کر دی کہ وہ اس شرعی
آئین سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور یقین رکھے کہ اگر وہ اپنی چرب زبانی کی بدولت ظاہری آئین سے فائدہ اٹھالے گا تو باطنی آئین کی
گرفت سے باہر نہیں جاسکتا اگر کوئی مال اس نے ناجائز شہادت سے حاصل کر لیا ہے تو قیامت میں وہ اس کے لیے آتش دوزخ کی شکل میں
نظر آئے گا۔ مدعی علیہ اگر یہاں کسی آئینی مجبوری سے ناکام رہ گیا ہو تو وہ احکم الحاکمین کی عدالت میں ناکام نہیں ہوگا۔ کچھ اسی جگہ نہیں بلکہ
اسلام میں ظاہری آئین کی روح ہر جگہ یہی تعلیم کی گئی ہے اگر ظاہری آئین کی پشت پر عالم باطن کی گرفت کا خوف نہ ہو تو پھر صرف ظاہری
آئین نظم و نسق کے بجائے مزید شر و فساد کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ رہا واقعات کی پوری اطلاع کے بعد پھر نبی کو واقعات کے خلاف فیصلے
دینے کا حکم تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ یہاں صرف یہی دورا ہیں تھیں ایک یہ کہ اگر ظاہری آئین پر فیصلے دینے کا آئین مقرر کیا جائے
تو تمام واقعات کی صحیح صحیح اطلاع دینا آئین نہ ہو اور اگر صحیح صحیح واقعات کی اطلاع دینا آئین مقرر ہو تو پھر شہادت اور قسم پر فیصلہ کرنا آئین
مقرر نہ ہو۔ یہی سبق ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے ملتا ہے دیکھئے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر
شریعت کا مکلف بنایا گیا تھا تو حقائق کے چہروں سے نقاب کشائی کا ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا اور اگر حضرت خضر علیہ السلام پر اسرار
کائنات کھولے گئے تھے تو پھر انہیں ظاہر شریعت کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا تا کہ انکشاف حقائق جگہ جگہ ظاہری آئین کے خلاف کا تقاضا نہ
کرے اور اسی طرح ظاہری آئین حوادث عالم کے تسلسل میں خلل انداز بھی نہ ہوں وہ نظر قدرت میں جس طرح یکے بعد دیگرے بچھے
ہوئے ہیں اسی طرح ظہور پذیر ہوتے چلے جائیں اور آئین شریعت جس طرح اپنا نفاذ چاہتا ہے وہ بھی اسی طرح نافذ ہوتا چلا جائے لہ...

(۸۰۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَأَوْمَى إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا أَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيتُ أَنْ أَغْتَسِلَ.

(رواه احمد و روى مالك عن عطاء بن يسار مرسلًا)

(۸۰۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَفَزَعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تَبَرُّ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبِسَنِي فَأَمَرْتُ

بِقِسْمَتِهِ. (رواه البخاری)

(۸۰۵) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپؐ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کر کے پھر باہر تشریف لائے اور آپؐ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا آپؐ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہو کر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد-مالک)

(۸۰۶) عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپؐ سلام پھر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپؐ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب آپؐ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپؐ کی اس عجلت پر حیران ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آ گئی تھی۔ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے۔ اس لیے میں اس کو تقسیم کرنے کے لیے کہہ آیا ہوں۔ (بخاری شریف)

لہذا ... خواہ واقعات کے حقائق کا اقتضاء کچھ بھی ہو اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول حضرت خضر علیہ السلام کی اتباع صبر و سکون کے ساتھ نہ کر سکا تو یہ بے صبر امت اپنے رسول کی اتباع بھلا کیا کر سکتی۔ بایں ہمہ یہ اعتراف ہے کہ بیسیوں مقامات پر نبی کو حقیقت حال پر متنبہ بھی کر دیا جاتا ہے مگر یہ اعجاز کے طور پر نہ کہ آئین کے طور پر۔

(۸۰۶) * سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے۔ ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مدوجز میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے۔ خطا و نسیان انسان کے لیے عیب نہیں۔ غیر محدود اختیار اور جزئیات و کلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری ضعف اس کے لیے موجب نقصان نہ ہوگا بلکہ اور موجب کمال ہوگا۔ ایک روایت میں ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃ نسیان ڈالا جاتا ہے تاکہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں۔ پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات و حوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے۔

(۸۰۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى عِنْدَ قَبْرِى سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَى نَائِيَا أُبْلِغْتُهُ.

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

(۸۰۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ حَبْرًا مِنَ الْيَهُودِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَىُّ الْبَقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكُتْ حَتَّى يَجِيءَ جِبْرِئِيلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرِئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلَكِنْ أَسْأَلُ رَبِّى تَبَارَكَ وَتَعَالَى ثُمَّ قَالَ جِبْرِئِيلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّى دَنَوْتُ مِنَ اللَّهِ دُنُوءًا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرِئِيلُ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ فَقَالَ شَرُّ الْبَقَاعِ أَسْوَأُهَا وَخَيْرُ الْبَقَاعِ مَسَاجِدُهَا.

(رواه ابن حبان فى صحيحه عن ابن عمر و حديث ابغض البقاع و احب البقاع مروى عن ابى هريرة عند مسلم و لكن بدون تلك القصة)

(۸۰۷) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

(شعب الایمان)

(۸۰۸) ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے سب سے بہتر جگہ کون سی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبریل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آ گئے آپ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جس سے آپ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھئے میں اپنے پروردگار سے جا کر پوچھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اے جبریل آخر کتنا قرب نصیب ہو گیا؟ عرض کیا کہ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

(رواه ابن حبان فى صحيحه عن ابن عمر و حديث ابغض البقاع و احب البقاع مروى عن ابى هريرة عند مسلم و لكن بدون تلك القصة)

(۸۰۷) * یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات ہمہ وقت رسول کو ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقام رسالت سے قطعاً نا آشنا و نا بلند ہے۔

(۸۰۹) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْكَفَرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدِّينَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذَلِكَ. (رواه مسلم)

(۸۰۹) ابوقتادہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری خطائیں بخش دی جائیں گی؟ آپؐ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخش دی جائیں گی۔ آپؐ نے فرمایا بے شک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے۔ جبریل علیہ السلام نے ابھی ابھی آ کر مجھ سے کہا ہے۔

(مسلم شریف)

(۸۱۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يَفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزَيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحْضَاءُ وَقَالَ أَيْنَ

(۸۱۰) ابوسعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو نصیب ہوں گی۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپؐ اس طرح خاموش ہو گئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپؐ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پونچھا (جو بوقت نزول وحی آ جایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا

(۸۱۰) * حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کے لیے کبھی تو جبریل علیہ السلام از خود تشریف لے آتے اور کبھی آپؐ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور آپؐ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبریل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے درحقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا۔ جس طرح نبی کی فتح و شکست اس کی صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق و سکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب ہے۔

السَّائِلُ وَكَأَنَّهُ حَمْدُهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَا يَأْتِي
الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنْ مِمَّا يُنْبِئُ الرَّبِيعُ مَا
يَقْتُلُ حَبْطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا أَكَلَةَ الْخَضِرِ أَكَلَتْ
حَتَّى أُمْتَدَّتْ خَاصِرَ تَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنُ
الشَّمْسِ فَتَلَطَّتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ
فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ
فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ
الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ
كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُونُ شَهِيدًا
عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(متفق علیہ)

(۸۱۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي
بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ
يَسَارِهِ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ الْقَوْمُ الْقَوَا نَعَالَهُمْ
فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَوَتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى الْقَاءِ نَعَالِكُمْ
قَالُوا رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَالْقَيْنَا نَعَالَنَا
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
جِبْرِيلَ آتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهِمَا قَدْرًا إِذَا

(آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھی نعمت تو
کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن
جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور وہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی
بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ ہاں ایک وہ جانور جس نے
خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چھیرا اور
پیشاب کیا اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا۔ اسی طرح مال و دولت کی حالت
ہے وہ بھی دیکھنے میں خوش نما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر
حاصل کرتا ہے اور اس کو بر محل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لیے
ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص
کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کا سہ چشم حریصاں پر نہ
شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔ (متفق علیہ)

(۸۱۱) ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعۃً آپؐ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی
بائیں جانب رکھ لئے۔ یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل
اتار ڈالے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان
سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے۔ انہوں نے عرض کیا ہم
نے آپؐ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے۔ آپؐ نے فرمایا
میرے پاس تو جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ (آپؐ
کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے۔ تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے
چپل دیکھ لیا کرو۔ اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر

اللہ... گردان لیتا ہے۔ مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی
اجتہاد کے لیے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لیے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں۔ الحاصل یہ تیس سال تک جو کچھ بھی آپؐ
سے کہا جاتا تھا سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا پس کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ قدرت نے آپؐ کے سینے میں بے شمار غیوب
کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہمہ وقت بھی آپؐ کو علم حاصل تھا؟
اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا۔ اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت
کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی۔ پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنالینا کوئی دین کی بات ہوگی۔

جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى قَدْرًا

فَلْيُمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا. (رواه ابو داؤد)

(ابوداؤد)

(۸۱۲) حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل

کرتی ہیں کہ آپؐ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب

میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپؐ پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے عرض کیا آپؐ کو کس نے خفا کیا، خدائے تعالیٰ اس کا برا کرے۔

آپؐ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن

میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس و پیش

کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا

جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول

ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم شریف)

(۸۱۳) سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں تمہارے لیے پانی پینے کا بندوبست

کروں گا جو شخص میرے حوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا اور جو اس کا پانی

(۸۱۲) عَنْ عَائِشَةَ ۖ إِنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُبَّعَ مَضِينَ مِنْ

ذِي الْحِجَّةِ أَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ

غَضَبَانُ فَقُلْتُ مَنْ أَغْضَبَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ قَالَ أَوْ مَا شَعُرْتُ أَنِّي

أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُونَ وَلَوْ

أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ

مَا سَقَيْتُ الْهَدْيَ مَعِيَ حَتَّى أَشْتَرِيَهُ ثُمَّ أَحِلَّ

كَمَا حَلُّوا. (رواه مسلم)

(۸۱۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى

الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ

(۸۱۲) * مکہ مکرمہ میں پہنچ کر آپؐ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج

کے بجائے عمرہ ادا کر لیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کر لیں یہ تمتع کی شکل ہو جائے گی لیکن جو لوگ حج کا احرام

باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھول دینا بہت شاق گذرا بالخصوص جب کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو

آپؐ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا تھا۔ آپؐ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لیے ہدی کی موجودگی میں احرام کھول دینا آپؐ کے لیے

درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بنا پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد

کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھول دیتا۔ یہ حجتہ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اب بے

لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپؐ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر

کا حال سنئے۔

(۸۱۳) * بعض روایات میں اصیحابی اصیحابی کا لفظ بصیغہ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصر سی جماعت ہوگی۔ علماء

نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں مجبوری آپؐ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور دراصل کافر تھی دیکھو کتاب تاویل

مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى

النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (توبہ: ۱۰۱)

يُظْمَأُ أَبَدًا لَّيَرَدَنَّ عَلَى أَقْوَامٍ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِ
فُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي
فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا أَحَدٌ ثَوَابَعْدَكَ
فَأَقُولُ سَحَقًا سَحَقًا لِمَنْ غَيْرَ بَعْدِي. وَفِي
كِتَابِ الْحَوْضِ فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ
بِمَا أَحَدٌ ثَوَابَعْدَكَ. (متفق عليه)

(۸۱۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ
بِالسُّجُودِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ أَنْ
يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَانْظُرْ إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفْ أُمَّتِي
مَنْ بَيْنَ الْأُمَمِ وَمَنْ خَلْفِي مِثْلَ ذَلِكَ وَ عَنْ
يَمِينِي مِثْلَ ذَلِكَ وَ عَنْ شِمَالِي مِثْلَ ذَلِكَ
فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ) كَيْفَ تَعْرِفُ أُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْأُمَمِ فِيمَا
بَيْنَ نُوحٍ إِلَى أُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُونَ مِنْ
أَثَرِ الْوُضُوءِ لَيْسَ أَحَدٌ كَذَلِكَ غَيْرُهُمْ وَ
أَعْرِفُهُمْ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ وَ أَعْرِفُهُمْ

پی لے گا پھر کبھی پیا سانہ ہوگا۔ میرے حوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی
آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور
میرے درمیان ایک حجاب ڈال دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے متبعین
ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی
باتیں پیدا کر ڈالی تھیں اس وقت میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین
میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے۔ (متفق علیہ)

(۸۱۴) ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور
سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور
تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے
ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی۔
ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے
لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کو
کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں
سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور کوئی
امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان
کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ

اللہ... کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیق میں مرتد ہو گیا تھا۔ بہر حال محشر میں ملائکہ اللہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا
ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہوگا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سامعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز
خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوء کثیر میں کسی مختصر
جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا
ہوں اس بنا پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لیے بھی
دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔

(۸۱۴) * اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہیے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں
میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں
جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پر ان کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے۔

تَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ.

ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی۔

(رواہ احمد و عند مسلم عن ابی ہریرہ نحوہ)

(احمد)

(۸۱۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَأَنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زَوَى لِيَ مِنْهَا وَأَنَّ أُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ وَأَنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لَا مَتَى أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بَسَنَةٌ عَامَّةٌ وَأَنْ لَا يُسَلِّطَهَا عَلَيْهِمْ عَدُوٌّ مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بِيضَتَهُمْ وَأَنَّ رَبِّي قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّوْا إِنِّي أَعْطَيْتُكَ لَأَمَّتِكَ أَنْ لَا أَهْلِكَهُمْ بَسَنَةٌ عَامَّةٌ وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بِيضَتَهُمْ وَلَوْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بَاقِطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يَهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا. (رواہ مسلم)

(۸۱۵) ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچ کر رہے گا جو حصہ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھایا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت کیے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لیے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے انڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمد جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔

(مسلم شریف)

(۸۱۵) * بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہوگا ان کی تفصیل تو وہی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھایا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرہ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلایا گیا۔ جیسا کسی بڑی چیز کے نوٹو کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا ﴿وَكَذَلِكَ نُرَىٰ إِبْرَاهِيمَ مَلِكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ﴾ (الانعام: ۷۵) لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تاگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آ جاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہوگا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہوگا اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

(۸۱۶) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحَجَرِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَأَلْتَنِي عَنْ أَشْيَاءَ لَمْ أَثْبُتْهَا فَكَرَبْتُ كُرْبًا مَا كَرَبْتُ مِثْلَهُ فَجَلَّى اللَّهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أَخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَ أَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ فَرَفَعَهُ اللَّهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونَنِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ.

(۸۱۶) جابر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم میں ہے کہ قریش نے مجھ سے (بیت مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

(۸۱۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ غَضَبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونَنِي عَنْ شَيْءٍ الْيَوْمَ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ وَ نَحْنُ نَرَى أَنَّ جِبْرِيلَ مَعَهُ. قُلْتُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى أَنْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ

(۸۱۷) انس بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ پر غصہ کے آثار تھے آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو سوالات کرو گے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ سناہ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا

(۸۱۶) * صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالت بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) اس کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا بقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف یہاں ہو جاتا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا بقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کے افادہ کا مقصد نفس انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف ایک اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

(۸۱۷) * یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور ”علم النبی“ کے زیر عنوان ترجمان السنۃ جلد اول میں بھی گزر چکی ہے مگر یہاں مسند ابویعلیٰ کی روایت میں صحابہ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے و نحن نری الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فرمان ”تم مجھ سے جو سوال کرو گے میں اس کا جواب دوں گا“ کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے لہجہ

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا حَدِيثِي عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ
فَلَا تُبَدِّ عَلَيْنَا سِوَا تَنَا فَاغْفُ عَفَا اللَّهُ
عَنْكَ. (رواه ابو يعلى قال الهيثمي و رجاله
رجال الصحيح)

(۸۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ
السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ
نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هُوَ لَا وَ
أَنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيَهُ فَاَرَاهُ
فَاذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ
إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَأَاهُ عَرَفَهُ. (متفق عليه)
و عند ابی داؤد عن ابی سعید الخدری قال
قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خطیباً بعد العصر فلم يدع شیئاً یكون الى
قیام الساعۃ الا ذکره حفظه من حفظه و نسیه
من نسیه. (الحديث)

(۸۱۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَ اللَّهِ مَا أَذْرَى
أَنْسَى أَصْحَابِي أَمْ تَنَا سِوَا وَ اللَّهِ مَا تَرَكَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدٍ

واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ
ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دورا بھی قریب ہی گزرا ہے آپ ہماری
غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگزر فرمائیں اللہ
تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابو یعلیٰ)

(۸۱۸) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو
جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کر ڈالے۔ جس
نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے بھلا دیئے۔ یہ بات میرے یہ
سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی
ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح
یاد آ جاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا
رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ
کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کے بعد خطبہ کے لیے
کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ
سب آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا
دیئے بھلا دیئے الخ۔

(۸۱۹) حذیفہ بیان فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میرے رفقاء فی
الواقع بھول چکے ہیں یا وہ تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک فتنوں کا کوئی ایسا سرغنہ نہیں چھوڑا جس کی جماعت

للہ اوقات میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپ کو سالکین کے سوالات کے جوابات
کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

(۸۱۹) * پہلی حدیث میں ماترک شینا کے لفظ میں اگرچہ بہت عموم ہے لیکن یہ عموم ایسا ہی ہے جیسا و اوتیت من کل شیء میں کسی کلام
کے معنی سمجھنے کے لیے متکلم و مخاطب کے مفروضات اور ماحول کے اقتضاء سے قطع نظر نہ کرنی چاہیے سوچو کہ اگر یہاں آپ نے تمام واقعات
پورے استیعاب کے ساتھ بیان کر ڈالے تھے حتیٰ کہ ریت کے ذرات اور بارش کے قطرات بھی تو اول تو صحابہؓ کے سامنے اس قسم کے علوم بیان
کرنے سے نبوت کے کس باب کی تکمیل ہوتی تھی؟ پھر کیا اس کے بعد تمام صحابہؓ کو بھی عالم الغیب کہنا صحیح تھا۔ اور اگر نسیان کے لئے

فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَنْقُضِيَ الدُّنْيَا يَبْلُغَ مِنْ مَعَهُ ثَلَاثُمَاةٍ فَصَاعِدًا إِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ وَ

تین سو یا اس سے اوپر تک پہنچی ہو مگر اس کا اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام لے لے کر ہم کو بتا دیا ہے۔

اسمِ اَبِيهِ وَ اسْمِ قَبِيلَتِهِ. (رواہ ابو داؤد)

(ابوداؤد)

لہ.... بعد وہ عالم الغیب نہیں رہے تھے تو کچھ مدت کے لیے ان کو عالم الغیب بنانے سے کیا فائدہ متصور تھا پھر کیا اس کا کوئی قطعی ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نسیان طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس مجلس میں آپؐ نے فتن اور قائدین فتن کے متعلق کوئی بیسٹ بیان فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں اس درجہ تفصیل فرمائی تھی کہ سننے والوں کا تخمینہ یہ تھا کہ آپؐ نے اب کوئی اہم فتنہ اٹھا نہیں رکھا جس کو اس وقت ذکر نہ کر دیا ہو۔ اسی ابہام کو حذیفہ کی دوسری حدیث میں کھول دیا گیا ہے جس امت میں فتنوں کی کثرت مقدر تھی اس کے نبی کے لیے یہ باب کتنا اہم تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پوری پوری توضیح و تشریح سے کام لیا ہے اس علم کے سب سے زیادہ صحیح مخاطب حضرت رسالت کی نگاہ میں غالباً حذیفہ ہوں گے اسی لیے اس نوع کی اکثر حدیثیں انہیں سے مروی ہیں ان کے تتبع سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظ حدیث کا تمام رخ اسی ہی قسم کے واقعات کی طرف ہے۔ دنیا کے غیر متعلق حوادث سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ کتنا مضحکہ خیز تخیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں مکھیوں اور حشرات الارض تک کے اعداد و شمار پیش کیے ہوں اور اسی قسم کے ایسے غیر متناہی امور کا تذکرہ فرمایا ہو جن سے امت کی ہدایت کا ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔ اس قسم کی خوش عقیدگی سے مقام رسالت کی بزرگی صرف اپنے ہی ذہن میں ثابت ہو تو ہو مگر کوئی دانش مند انسان اس کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ فالی اللہ الممشکی۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علم حصولی کی جو قسم بھی ہے اس پر نسیان طاری ہو سکتا ہے یہاں جب اس شئی کی صورت مدرکہ انسانی سے غائب ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم جس کو علم حضوری کہا جاتا ہے صورت کے واسطے سے نہیں ہوتا بلکہ یا تو خود وہ شئی عالم کا عین ہوتی ہے یا اس کا معلول ہوتی ہے یا اس کی صفت ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں ذہول ممکن نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا جتنا علم بھی ہوتا ہے وہ سب علم حصولی کی صورت میں ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ ان پر ان علوم کا اس طرح افاضہ فرما دیتا ہے کہ ان کی صورت ان کے ذہنوں میں منقش ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نبی کے ذہن میں یہ القاء فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص کے باپ کا نام یہ ہے یا فلاں واقعہ اس طرح ہو گا گویا تعلیم کی جو صورت عام انسانوں میں معلم و متعلم کے درمیان معروف ہے اسی نوع کی کوئی صورت حق تعالیٰ اپنے اور رسولوں کے درمیان پیدا فرما دیتا ہے۔ اب وہ خواہ ملک کے ذریعہ سے ہو یا با واسطہ ملک ہو لیکن خود حق تعالیٰ کے علم کی نوعیت اس طرح نہیں اس کے سامنے سارا عالم خود حاضر ہے اسی لیے اس کی جناب میں غیب و شہود کی کوئی تقسیم نہیں یہ تقسیم صرف ہمارے لحاظ سے ہے۔ اسی لیے جن لوگوں نے رسولوں کے متعلق کلی علم غیب کا دعویٰ کیا ہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی کرنا پڑا ہے گویا کائنات کے ایک ایک ذرہ کے ساتھ جس نوعیت سے پروردگار عالم کی معیت ہے۔ اسی نوعیت کی معیت انبیاء علیہم السلام کی بھی تسلیم کی ہے پس یہاں صرف یہ غور کرنا نہیں ہے کہ عالم کی تمام جزئیات کا علم انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا نہیں بلکہ ان کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم سے ان کے علوم کی یہی نوعیت ثابت ہوتی ہے اور کیا تمام جہان میں حق تعالیٰ کی طرح ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

یہ واضح رہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کائنات کا علم علم حضوری ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ تمام کائنات لہ....

الطاعة فيما خالف الشرع من الشرك

خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

(۸۲۰) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَشَنَ وَ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةِ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ.

(۸۲۰) عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک۔ اس وقت میں نے آپ سے سورہ براءت کی یہ آیت بھی سنی۔ اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله قال اما انهم لم يكونوا يعبدونهم و لكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه و اذا حرموا عليهم شيئا حرموه۔

(رواہ الترمذی و قال هذا حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث عبدالسلام بن حرب. و اخرجه السيوطی فی الدر المنثور فی طرق ج ۲ ص ۲۳۰)

(۸۲۱) عَنْ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ. (رواه فی شرح السنه)

(۸۲۱) نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (شرح السنہ)

اللہ ان کی معلول ہیں اور وہ ان کی علت ہیں اسی لیے جس جماعت نے رسولوں کے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس نے گو صاف لفظوں میں آپ کو عالم کی علت تو نہیں کہا مگر متصرف اور کارساز ہونا تسلیم کر لیا ہے یہاں تک کہ بے لفظوں میں یہ بھی اقرار کر لیا ہے کہ احمد واحد میں صرف ایک حرف میم ہی کا پردہ تھا جو شب معراج میں اٹھ گیا تھا کیا اس تعلیم کو نصاریٰ کے عقائد سے کوئی ادنیٰ امتیاز حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور گھروں کے واقعات کی خبریں بتانے سے ان کی قوم کو یہ مغالطہ لگا کہ یہ خدائی اوصاف ہیں لہذا ہوں نہ ہوں یا تو وہ خدا ہیں نہیں تو پھر اس سے کوئی ایسی نسبت ضرور رکھتے ہیں جس میں اثنیثیت کے ساتھ اتحاد کی بھی گنجائش ہے اگر اسلام کی توحید بھی یہی ہے تو سوچو کہ اس کو انجیل کی توحید سے کیا امتیاز ہوگا اس قسم کے عقائد سے شان رسالت کی عظمت تو ثابت نہیں ہو سکتی ہاں شان ربوبیت کی تو ہین ضرور ہوتی ہے انصاف شرط ہے۔

اللهم ارنا الحق حقاً و الباطل باطلاً.

(۸۲۰) * شرک کے اقسام کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی نا واجب اطاعت بھی شرک ہے۔

(۸۲۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْمَعُوا لَهُ وَيُطِيعُوهُ فَأَغْضَبُوهُ فِي شَيْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوا إِلَيَّ حَطَبًا فَجَمَعُوا لَهُ ثُمَّ قَالَ أَوْقِدُوا نَارًا فَأَوْقِدُوا ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْمُرْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْمَعُوا إِلَيَّ وَتُطِيعُوا قَالُوا بَلَى قَالَ فَادْخُلُوهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ وَقَالُوا إِنَّمَا فَرَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوا كَذَلِكَ حَتَّى سَكَنَ غَضَبُهُ فَطَفِنَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا وَقَالَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (متفق عليه)

عناية السلف بسد مداخل الشرك
(۸۲۳) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ بَلَغَهُ أَنَّ قَوْمًا يَأْتُونَ الشَّجَرَةَ فَيُصَلُّونَ عِنْدَهَا فَتَوَعَّدَهُمْ ثُمَّ أَمَرَ بِقَطْعِهَا

(رواه ابن سعد كما في القسطلانی)

(۸۲۲) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اس نے غصہ میں آ کر حکم دے دیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انہوں نے جمع کر دیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دہکا کر ان کے انگارے بنادو انہوں نے بنادیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

(۸۲۳) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے بیعت لی تھی اس پر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دے دیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن سعد)

(۸۲۳) * صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینہ طور پر کسی درخت کے پاس آ کر تبرکات نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شان حزم و احتیاط نے بروقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ اس مظنہ شرک کو جڑ سے ختم ہی کر دیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک آثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی حد پر رکھے جائیں تو بلاشبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استیصال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تماشا بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

(۸۲۴) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ
عُمَرَ يُقْبِلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ
حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبِلُ مَا
قَبَّلْتُكَ. (متفق عليه)

(۸۲۴) عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے
جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ
نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو
ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

(۸۲۴) * یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی، جنت سے آیا، زمین میں یمن اللہ کہلایا، نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو
بوسے دیئے اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ ابی و امی) کے ایک زیر
تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا
معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہو سکے اور پھر یہی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے
ہوئے ہیں، یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بے جا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی
مجاہدہ انداز میں اپنی زبان سے ایسے توحید الہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر
میں اس پتھر میں اتباع رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

ہم ایک بار پہلے بھی تنبیہ کر آئے ہیں کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار تو ہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجر اسود
ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے، اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لیے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ
نہیں کہ اس میں نفع و ضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے اس لیے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہرگز اس کی توہین شمار نہیں
ہو سکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعل عبث ہوگا لیکن یہی اگر اپنے گرد و پیش کسی غلط فہمی کے ازالہ کے
لیے ہوں تو بے شک بر محل اور ضروری بھی ہے۔



النفاق و اقسامه

اسلام کی تاریخ میں ایک گروہ انتہاء درجہ خطرناک گذرا ہے جس کو منافق کہا جاتا تھا۔ کفار تو اسلام کی دشمنی کھلم کھلا کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے اور یہ مارا آستین بن کر اندر ہی اندر اس کی جڑ کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے۔ بظاہر تو وہ سب کچھ کرنے کو تیار نظر آتے جو مخلصین صحابہ کرتے، مگر باطن اسلام کی بیخ کنی میں کھلے کافروں سے بھی دس قدم آگے رہتے۔ حافظ ابن تیمیہ (کتاب الایمان میں) لکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کفار چونکہ پورے اقتدار و طاقت کے مالک تھے اس لئے یہاں تو انھیں اسلام کی بر ملا دشمنی سے کوئی امر مانع نہ تھا۔ لیکن مدینہ طیبہ میں آ کر جب اسلام کو بھی طاقت و شوکت میسر آنے لگی تو اب پہلے کی طرح علی الاعلان دشمنی کرنے کا ان کو حوصلہ نہ رہا اس لئے اب عداوت کی شکل بدل دینی پڑی اور یہیں سے نفاق کی بنیاد قائم ہو گئی۔ یعنی بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہنا اور اندرونی طور پر کافروں کا ہمنوا ہونا۔ جب مسلمانوں میں آ بیٹھنا تو ان کی سی باتیں بنادینا اور جب کافروں میں جانا تو اپنا قلبی رجحان ان کے ساتھ ظاہر کرنا۔ اس جماعت کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت ”المنافقون“ نازل فرمادی گئی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں ان کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

تعب ہے کہ اتنی تفصیلات کے باوجود اس جماعت کی صحیح تشخیص و تشخیص میں کیسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں کسی نے تو یہ خیال کر لیا کہ یہ جماعت مسلمانوں کی ہی ایک جماعت تھی اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتی تھی البتہ ان کے ایمانوں میں کامل مؤمنین کا سا جذبہ نہ تھا اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کافروں کی کوئی جماعت تھی جو کہیں سے آ کر مسلمانوں کے بھیس میں جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتی تھی۔ یہ دونوں باتیں ایک واضح حقیقت کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ پکے کافروں کی جماعت تھی جو اپنے فطری جبن اور بزدلی کی وجہ سے نہ کھلم کھلا مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی اور نہ اپنے قلبی کفر کے باعث کشادہ دلی سے اسلام قبول کرنے کی روادار تھی اور اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو حقیقتاً مسلمان سمجھتی تھی منافقین کی اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے قطعاً بدل دینے کے مرادف ہے یہ درست ہے کہ ان کی اولاد میں مخلص مؤمن بھی تھے مگر کیا کافروں کی اولاد میں کوئی مخلص مؤمن نہ تھا پھر گھر کے کسی فرد کے مخلص مؤمن ہو جانے سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جس کو منافق کہا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور اپنے نفس کو مسلمان ہی تصور کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے کبھی دل سے اسلام قبول نہیں کیا اور ہمیشہ اسی حقیقت کا وہ اپنی محفلوں میں اعلان کرتے رہے۔ اگر بالفرض وہ ایسا کر لیتے تو وہ کھلے ہوئے کفریات جو شب و روز ان کی زندگی کا مشغلہ بنے ہوئے تھے کیوں کر ان سے سرزد ہو سکتے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ نفاق کی حقیقت کفر و ایمان کے درمیان ہے جس کی انتہا کفر تک بھی ہو سکتی ہے بلکہ وہ ایسے بغض ایمانی کا نام ہے جو ایسے زشت اعمال کا منشاء ہو کہ اگر وہ اعمال کسی مؤمن سے بھی سرزد ہو جائیں تو اس پر نفاق کی تہمت لگ جائے پس نفاق کی حقیقت ایمان و کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر سے بھی بالاتر ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے بیان فرمایا ہے اور اسی لئے ان کی تفصیل میں بڑا اہتمام فرمایا ہے۔ تصدیق و اقرار ایمان کے دور کن ہیں۔

اور ان کے لحاظ سے یہاں عقلی طور پر بھی تین قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر دونوں موجود ہوں تو وہ مؤمن ہے اگر دونوں نہ ہوں تو کھلا کافر ہے۔ اگر صرف اقرار ہو اور تصدیق نہ ہو تو یہ منافق ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صورت صرف اسلام کی طاقت و شوکت کا نتیجہ تھی۔ وہی کفر جو مکہ مکرمہ میں علی الاعلان مقابل تھا اسلامی شوکت کے بعد اب اس صورت میں بدل گیا تھا۔ لہذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہ کافروں کا گروہ مسلمانوں میں کہیں باہر سے جاسوس بن کر آ گیا تھا بلکہ ان ہی کافروں کا یہ ایک بدنصیب گروہ تھا جو اپنے دیگر بھائیوں کی طرح اسلام قبول نہ کر سکا بلکہ برعکس کفر کے اسی قعر مذلت میں پڑا رہا جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گروہ بھی کہیں باہر سے نہیں آیا تھا ان ہی میں سے پیدا ہوا تھا مگر یہ وہ خوش نصیب جماعت تھی جو قلب و قالب کے ساتھ آپ کی جاں نثار بنی اور آخر شرف صحابیت سے مشرف ہو گئی مگر جس کا ایمان صرف زبان تک رہا اور اس کا قلب بدستور کفر میں ڈوبا رہا وہ بدنصیب کافروں ہی کی صف میں کھڑا رہا جس نے خود ہی اپنے نفس کو کافروں میں شامل رکھنا پسند کیا ہو اس کو اسلام اپنے وفاداروں کی فہرست میں کیونکر شمار کرتا۔ پس نہ تو منافقوں کی جماعت کہیں باہر سے جاسوس بن کر آئی تھی اور نہ صحابہ کی جماعت کہیں باہر سے آپ کی ہمدرد بن کر آئی تھی بلکہ یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے جذبات اطاعت و وفاداری کے فرق سے ان ہی کافروں میں بن گئی تھیں جنہوں نے کسی قسم کی کوئی حرکت بھی نہ کی تھی وہ اب بھی اسی جگہ تھے جہاں آپؐ کی بعثت سے قبل کھڑے تھے ہاں آفتاب رسالت کے طلوع کے بعد ان کی ناحق شناسی کا جرم اب اور زیادہ قابل مواخذہ بن گیا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی کوئی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی ہے تو اس فضا میں یہ تینوں قسم کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایک اس کو پوری طرح تسلیم کرنے والا دوسرا پورا مقابل اور تیسرا وہ گروہ جو اندرونی طور پر اپنے خیالات کا حامل رہ کر صرف ظاہر میں شامل ہونے والا۔ یہ تیسرا گروہ ہمیشہ دوسرے سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے اور یہ دوست نما دشمن۔ اسلام ایک ایسے مضبوط و مستحکم عقد کا نام ہے جس میں جزم و اعتقاد کے لحاظ سے ذرا بھی تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس اعتقاد کا یہ عالم ہو کہ اس میں ہمہ وقت تردد ہی تردد رہے اس کو اسلام نہیں کہا جاسکتا۔ بالخصوص جبکہ قلب عداوت سے معمور ہو اور جو بظاہر نمائشی انقیاد ہو اس میں بھی تذبذب، کسل مندی، ریاکاری اور فتنہ پردازی کے آثار کھلے طور پر نمایاں ہوں۔ ایسے ایمان کو کمزور ایمان نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اس کا نام کفر ہوگا جس کا رخ ایمان کی طرف کہا جاسکتا ہے اگر سعادت دیکھیری فرمالے تو ہو سکتا ہے کہ اس ریب و تردد کے عالم سے نکال کر یقین کی طرف رہنمائی فرمادے اور اس وقت اس کا نام ایمان بن جائے گا۔

اب رہی وہ خامی جو قلبی جزم و وثوق حاصل ہو جانے کے بعد ظاہری اعمال میں نظر آتی ہے تو وہ بھی یقیناً ایک بڑی خامی اور بڑی کوتاہی ہے لیکن یہ خامی وہ نہیں جس کے لئے مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہ نکل سکتی ہو۔ ایسے مسلمانوں کو دشمن کی صف میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ کہ اس کی سیہ کاری کی نوبت یہ آجائے کہ پھر اس کی قلبی تصدیق بھی مشکوک نظروں سے دیکھی جانے لگے۔ اس لئے منافقین حقیقت کے لحاظ سے کوئی تیسری جماعت نہ تھے وہ کافر ہی تھے مگر انہوں نے اسلام کا صرف ایک لفظ ڈال لیا تھا قلب ان کا بیمار تھا البتہ ان کی زبانیں تندرست نظر آتی تھیں۔ اسلامی صحت کے آثار یہ ہیں کہ قلب و جوارح سب ہی اسلامی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ قلب کے بیمار پڑ جانے کے بعد صرف جوارح کی صحت قطعاً کارآمد نہیں ہو سکتی چونکہ منافق کا ایک رخ

ہمیشہ تندرست نظر آتا ہے اور دوسرا اصل باطنی رخ آفت زدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا مرض بھی ظاہری صحت کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا اس لئے قرآن کریم نے ان ظاہری تندرستوں کی بیماری پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے ”فسی قلوبہم مرض“ ان کی بیماری ان کے قلوب میں ہے۔ اور جب قلب بیمار ہو تو ان کے جوارح کی سلامتی بے سود ہے۔ اب حسب ذیل آیت کو پڑھئے:-

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ
إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ
لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ الْمُنَافِقِينَ
لَكَاذِبُونَ. (المنافقون : ۱)

اے پیغمبر جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو (آپ کو خوش کرنے کے لئے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم دل سے قائل ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ کہتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بات خوب واضح کر دی گئی ہے کہ منافقین ظاہر میں جتنے کٹر مسلمان بنتے ہیں اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ باطن میں اتنے ہی کٹر کافر ہیں اگرچہ ان کا دوسرا رخ یعنی جسم کتنا ہی تندرست نظر آئے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَانْ
يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَانَهُمْ خُشْبٌ
مُسْنَدَةٌ يَحْسِبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمْ
الْعَدُوُّ فَاحْذَرُهُمْ قَاتِلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى
يُؤْفَكُونَ.

(اے پیغمبر) اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول آپ کی نظروں میں گھپ جائیں اور بات کریں تو (اس فصاحت سے) کہ آپ بڑے ذوق شوق سے اس کو سنیں (آپ کے سامنے اس طرح ٹیک لگا لگا کر بیٹھتے ہیں گویا کہ وہ لکڑیوں کے کندے ہیں جو دیواروں کے سہارے لگے رکھے ہیں۔ ہر ایک زور کی آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر بلا آئی (آپ کے جانی دشمن) یہی ہیں تو آپ ان سے بچتے رہیے ان کو خدا کی مار کدھر بھکے جا رہے ہیں۔

آیت مذکورہ میں ہم العدوفا حذرہم (آپ کے دشمن یہی ہیں ان سے بچتے رہنے) کے الفاظ ان کا باطنی نقشہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ سورہ توبہ میں یہ بات اور صاف کر دی گئی ہے کہ یہ گروہ ہرگز مسلمان نہ تھا صرف خوف اور ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے باتیں بنا دیتا تھا۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ
مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ.

خدا تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں کے ہیں حالانکہ وہ تم میں نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں۔ (اس لیے ایسی باتیں بنا دیتے ہیں) (التوبة : ۵۶)

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے:

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَ
رَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا

تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کا

۱۔ قاضی بیضاوی اس متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”ونفسهم كانت مؤوفة بالكفر والاعتقاد ومعاداة النبي صلى الله عليه وسلم“ اس جماعت کے قلوب کفر اور اعتقادات بد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے مریض تھے۔

زیادہ حق دار ہے کہ اسے راضی رکھیں۔

مُؤْمِنِينَ. (التوبة : ۶۲)

سورہ بقرہ اور سورہ نساء میں یہ تصریح ہے کہ منافقوں کا یہ نسیانی ایمان بھی محض خداع اور مسلمانوں کے ساتھ ایک قسم کا فریب تھا۔ سورہ منافقون میں بھی ان کی جھوٹی قسموں کا یہی منشاء بیان فرمایا گیا ہے اتخذوا ایمانہم جنة. انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے صرف ایک ڈھال بنایا ہے پھر ان کے مکر و فریب کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان سے تجاوز کر کے خدائے تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والسرائر تک بھی چلا جاتا تھا بلکہ اس جہاں سے گذر کر محشر تک رہے گا۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ. (النساء : ۱۴۲)

منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے دغا بازی کرتے ہیں اور وہی ان کو دغا کا بدلہ دے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے ہوئے صرف لوگوں کے دکھانے کے لیے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ. (المجادلہ : ۱۸)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (قیامت میں) اٹھائے گا تو اس دن بھی وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔

اب رہے ان کے ظاہری اعمال تو ان کی بنیاد بھی ایقان و اذعان پر نہ تھی بلکہ اپنے ظاہری نقاب کی صرف ایک پاس داری تھی۔ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارَهُونَ. (التوبة : ۵۴)

ان کی خیرات قبول نہ ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور نماز کو آتے ہیں تو بس الکسائے ہوئے اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بس مجبور ہو کر بے دلی سے۔

اس آیت میں اس امر کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے کہ ان کی ظاہری نماز اور ان کے ظاہری صدقات کی طرف نظر نہ کرنی چاہیے وہ محض بے روح ہیں وہ نمازوں میں تمہارے ساتھ چلے تو ضرور آتے ہیں مگر طوع و رغبت سے نہیں بلکہ صرف نمائش کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ جن نمازوں میں کھسک سکتے ہیں کھسک جاتے ہیں جیسے عشاء و فجر ہے وہ صدقے بھی ضرور دیتے ہیں مگر محض بہ جبران کی نمازیں جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہیں ذکر کی روح سے قطعاً معرئی ہوتی ہیں۔ ان میں ذکر اللہ کا صرف اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا تم کو ان کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتا ہے مگر ان کے باطن میں کوئی روح نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ ان کے اس کفر کو حسب ذیل آیت میں اور زیادہ شد و مد سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ. ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ.

آپ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں کیونکہ) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں جب بھی خدائے تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فاسق قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کیا کرتا۔

(توبة : ۸۰)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ. (التوبة : ۸۴)

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپؐ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔

ان آیات میں ان کا قلبی کفر و جحود جس تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے حتیٰ کہ آپؐ کی اس پیغمبرانہ دل سوزی کو جو ان کے ساتھ رہ رہ کر پیدا ہوتی تھی اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ. (التوبة : ۸۴)

آپؐ کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپؐ ان سے راضی ہو جائیں تو اگر آپؐ ان سے راضی بھی ہو جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ یقیناً فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

سورہ توبہ میں ان کے صدری مکنونات اور جبلی خصائل کی اور زیادہ تفصیل کی گئی ہے اور ان کی علامات خوب کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ جہاد کے موقع پر پھر پھر کرنا تا امکان اس میں شریک نہ ہونا اور اگر شرکت کی نوبت آ ہی جائے تو اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی کے سوا کچھ نہ ہونا۔ نمازوں میں سست اور اعتراض کرنے میں بڑے چست۔ نہ مسلمانوں کو چھوڑیں نہ خدا کے مقدس رسولؐ کو بخشیں بڑے باتون، دوطرفہ باتیں ملانے والے پر لے درجہ کے جھوٹے اور وعدہ خلاف انتہا درجہ کے بزدل اور ڈرپوک ان کے دلوں کو دیکھو تو ان میں ہمہ وقت تردد و شک کی کھٹک، مگر کفر پر اسی طرح اڑیل۔ اس تمام سورت میں جو چیز ان کی زیادہ تر روشن کی گئی ہے وہ ان کا اندرونی کفر اور خدا و رسول اور جماعت اسلام کے ساتھ ان کا بغض و عداوت ہے۔ یہ کچھ ایسے امور نہ تھے جن کو قرآن کریم نے ان کے سر الزام کے طور پر لگایا ہو بلکہ اپنی اس پالیسی کو خود بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اسی لیے برابر ڈرا کرتے تھے کہ کہیں اس پالیسی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهِزْءُوا إِنَّا اللَّهُ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ. (التوبة : ۶۴)

منافق اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ مبادا پیغمبر کے ذریعہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کا راز فاش کر دے آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ وہ بات ظاہر کرے رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے۔

بالآخر کو ان کا یہ خوف سامنے آ گیا اور سورہ توبہ میں ان کے قلبی کفر و عناد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی اس کے بعد ان کے جتنے حیلے بہانے تھے سب مردود قرار پائے۔ اسی لیے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بھی رکھا گیا ہے۔

قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ. (التوبة : ۹۴)

آپؐ کہہ دیجئے معذرت کی باتیں نہ بناؤ اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ منافقین اور کافروں کو ایک ہی صف میں شامل رکھا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ باطنی لحاظ سے یہ کوئی جدا گروہ نہ تھا بلکہ یہ وہی کافر تھے جو اپنی دورخی پالیسی نبھانے اور دوطرفہ نفع حاصل کرنے کے لیے بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے رہا کرتے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَ
اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا وَأَهُم جَهَنَّمَ وَبِئْسَ
المصير. (التوبة: ۷۳)

اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں دونوں سے
جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیے ان سب کا ٹھکانا دوزخ
ہے۔

إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي
جَهَنَّمَ جَمِيعًا. (النساء: ۱۴۰)

اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے
گا۔

پھر خاص منافقین کے حق میں ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ
النَّارِ. (النساء: ۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں
ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا کتنا سخت مشکل ہے کہ منافقین کا گروہ کافروں کا گروہ نہ تھا بلکہ ایمان و کفر کے درمیان
کوئی ایسا متوسط گروہ تھا جو تھا تو درحقیقت مسلمان مگر ان کا کچھ رجحان کفر کی طرف تھا ہاں اگر اس لحاظ سے ان کو متوسط کہہ دیا
جائے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے لحاظ سے نہ مسلمان کہلانے کے قابل تھے نہ کافر تو بجا ہوگا کیونکہ ان کے ظاہر کا ایک رخ اگر
مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا تو ان کے باطن کا دوسرا رخ کافروں کے ساتھ رہا کرتا تھا اسی کو قرآن کریم نے ان کے تذبذب
سے ادا کیا ہے۔

مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هُوَ لَا وَلَا
إِلَى هُوَ لَا. (النساء: ۱۴۳)

درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی
طرف۔

اس آیت میں ان کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہ ان کے اعتقادی پہلو کا اور جب کہ اسی آیت کے شروع میں یہ مذکور
ہے کہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کو بھی دھوکا دیتے ہیں تو پھر ان کے اعتقاد میں بھلا کیا تذبذب ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں
میں یہ پوری وضاحت موجود ہے کہ ادعاء اسلام سے ان کا سطح نظر اپنی جان و مال کی حفاظت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی نکتہ کی بنا پر
قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ان کے حق میں لفظ اسلام کا اطلاق آ گیا ہے اس کے ساتھ ہی فوراً ان کا کفر بھی بیان کر دیا گیا ہے
تا کہ صرف اس ظاہری اطلاق کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا شبہ نہ کر لیا جائے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى
قُلُوبِهِمْ. (منافقون: ۳)

یہ اس لیے کہ پہلے وہ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کیا تو ان کے
دلوں پر مہر لگا دی گئی۔

وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ. (توبہ: ۷۴)

اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد پھر انکار کیا۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جب منافقین اپنی زبانوں سے کلمہ اسلام پڑھتے تھے نمازوں میں بھی شرکت کر لیتے تھے اور زکوٰۃ بھی
دے دیتے تھے تو ان ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان کی طرف اسلام کا انتساب بھی صحیح تھا لیکن جب قرآن کریم نے ان کے کفر
باطن کی وجہ سے ان کو مشخص طور پر کافر قرار دے دیا تو اب ان کے کفر میں کسی کو کیوں تاثر ملے۔ لیکن کسی کے باطن کا علم چونکہ

ہم کو نہیں ہو سکتا اس لیے ہم کو حق نہیں کہ ہم کسی کے ظاہر کو متہم کریں۔ اسی لیے حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ آئندہ اب کسی پر یہ حکم نہ لگایا جائے نزول وحی کا زمانہ بالکل جدا تھا اس وقت وحی الہی جس کے متعلق نفاق کا حکم لگا دیتی تھی لگ سکتا تھا اب معاملہ صرف ظاہر پر رہے گا جو اسلامی احکام ادا کرے گا مسلمان ہوگا اور جو اس سے منحرف ہوگا کافر شمار ہوگا۔ قلبی حالت کا نہ ہم کو علم ہو سکتا ہے نہ اس بنا پر کسی پر کوئی حکم لگایا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تعب ہے کہ جس جماعت میں کفار بداندیش کی ساری ہنگامہ آرائیاں نظر آ رہی ہوں، اسلام کے برخلاف ان کے منصوبے برابر چلے جا رہے ہوں، خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء، ان کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنی ان کا اہم پروگرام ٹھہر چکا ہو، ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑنا ان کی اسکیم میں داخل ہو، دشمنوں سے ساز باز کرنا ان کا مستقل نصب العین بنا ہوا ہو، راہ حق کی کسی قربانی میں وہ پورے نہ اترتے ہوں، اور اسلام کے ہر عمل میں ان کے قدم ہمیشہ لڑکھڑاتے ہوں، دین حق کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹی ثابت ہو چکی ہوں، عہد شکنی ان کا شعار بن چکا ہو، اور پے بہ پے تنبیہوں کے بعد بھی وہ متنبہ نہ ہوتے ہوں تو کیا صرف ایک زبانی کلمہ پڑھ لینے سے ان کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح دین اسلام کو بطور عقیدت قبول کر چکے تھے اور کیا صرف ان نمازوں کی وجہ سے ان صدقات کی وجہ سے، جس کا منشا صرف نمائش اور اپنی جان و مال کی حفاظت ہو ان کو مسلمان کہا جاسکتا ہے اسی تمام حقیقت کو قرآن کریم نے واضح سے زیادہ واضح طریق پر بیان فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نفاق کی حقیقت صرف ایک قسم کا ایمانی ضعف قرار دی جائے جو ترقی کر کے کفر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یوں تو صریح کفر بھی شدت سے اترتے اترتے کبھی اسلام کی صورت قبول کر سکتا ہے اور بڑھتے بڑھتے شدید سے شدید تر بن سکتا ہے مگر کیا اس لیے کفر کو کوئی درمیانی حالت کہا جاسکتا ہے؟ کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منافقین کا ایمان صرف نمائش اور کذب و خداع کے سوا کوئی حقیقت بھی رکھتا تھا۔ ان کے باطن اور قلب کی وہ روئداد معلوم ہو جانے کے بعد جو قرآن کریم نے ذکر کی ہے ایک لمحہ کے لیے یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ اس اسلام کو اپنے خیال میں بھی اسلام تصور کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دھوکہ باز قرار نہ دیا جاتا۔ کذب و خداع یہ دو خصلتیں آج بھی مسلمانوں میں موجود ہیں مگر منافقین کے کذب و خداع میں بڑی بات باعث شناخت یہی تھی کہ انہوں نے اپنے ایمانوں کی بنیاد ہی ان پر قائم کر دی تھی اب یہ معمولی فریب و کذب نہ رہا تھا جس کا دائرہ باہمی فریب و کذب پر رہتا یہ خداع و کذب کی وہ صورت تھی جو خدا اور رسول کے ساتھ بھی پیدا کر لی گئی تھی۔ سو چنا چاہیے کہ جو صفات باہم مخلوق میں بھی انتہا درجہ خسیس شمار ہوں اگر ان کو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا جائے تو ان کی شاعت کس درجہ پر جا پہنچے گی۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب نفاق اتنی بدتر قسم کا کفر تھا تو حدیثوں میں اس کی علامات اتنی معمولی کیوں مقرر کی گئی ہیں آئندہ اپنے موقع پر اس سے زیادہ تفصیل آ رہی ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح ایمان و کفر کی قسمیں مختلف تھیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ جس طرح ایک ایمان کامل تھا اور دوسرا ناقص۔ پھر کامل ایمان کے بہت سے شعبوں کو بھی ایمان کہہ دیا گیا ہے یا جیسا کفر ایک وہ تھا جس کی

جزاء جہنم میں خلود ہے پھر بہت سی نافرمانیوں پر بھی کفر کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح نفاق بھی چند قسم پر ہے ایک نفاق اعتقادی ہے اور وہی حقیقی نفاق ہے جس کا تذکرہ آپ ابھی سن چکے ہیں۔ پھر اس جماعت کے جو جو خصائل بد تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خصائل انسان کی امانت و دیانت کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اس لیے ان کو ایک لمحہ کے لیے بھی ایمان کے آثار نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اس کی اس غفلت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بزدلی یا طمع دنیوی کے وجہ سے اس کے ایمان پر طاری ہو جاتی ہے پھر جتنی یہ غفلت غالب آتی جاتی ہے اتنا ہی ان افعال کا صدور بھی بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آ جاتا ہے کہ اس کے اعمال کی سطح پر منافقین کے اعمال کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور اس کا نقشہ عمل ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو ایک کھلے منافق کا۔ وہ بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جھگڑے پر آمادہ ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتا یہاں تک کہ اس مسلمان کو اعمال ظاہری کے لحاظ سے منافقین سے کوئی بھی امتیاز باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ اس کے گوشہ قلب میں خدا و رسول پر ایمان ہوتا ہے اور منافق کے قلب میں یہ بھی نہیں ہوتا لیکن قلبی شہادت ایسی شے نہیں جو آنکھوں سے نظر آ سکے اس لیے حدیث تو کفر کے اطلاق کی طرح کبھی کبھی ایسے مسلمان کو منافق کہہ دیتی ہے لیکن فقیہ جس کا موضوع دنیوی احکام ملحوظ رکھنا ہے وہ اگر اس کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو اعمال کی شہادت اس کے برخلاف نظر آتی ہے اور اگر منافق کہتا ہے تو اس کا اندرونی ایمان اس کو اس خطاب سے مانع ہوتا ہے اس لیے وہ نفاق کی تقسیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسے نفاق کو نفاق عملی کہہ دیتا ہے۔ حدیث اس تفصیل کو پسند نہیں کرتی کہ اس تقسیم سے عملی نفاق کی ہیبت قلوب سے گھٹی ہے۔ اشراک باللہ کے باب میں حدیث وفقہ کے اس تعبیری اختلاف کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل نفاق تو وہی نفاق اکبر یا نفاق اعتقادی تھا لیکن جب دور انحطاط میں مسلمانوں کے اندر بھی منافقوں کی خصوصی صفات پیدا ہونے لگیں تو اصحاب اصطلاح نے ان کو عملی منافق کہہ دیا۔ پس نفاق اکبر تو یہ ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی توحید رسول کی رسالت فرشتے اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھنا مگر قلب میں اس کا پورا پورا انکار و انحراف مضمحل ہونا۔ اسی حقیقت کو سورہ منافقون وغیرہ کی گذشتہ آیات میں ادا کیا گیا ہے اور یہی آپ کے دور کا نفاق تھا اسی کو قرآن کریم نے کفر کہا ہے اور درک اسفل کی وعید بھی اسی کے بارے میں آئی ہے۔

رہا نفاق عملی تو وہ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لفظوں میں انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے اس بنا پر جو شخص باطنی طور پر اسلامی عقائد کا معتقد ہو مگر ظاہری اعمال میں مقصر ہو اس کو عملی منافق کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کے برخلاف ہے ہاں تنبیہ کے سیاق میں اس کو صاف منافق کہا جائے گا البتہ تحقیق کے موقع پر اس کے نفاق کو عملی نفاق سے تعبیر کیا جائے گا پھر جو تارک صلوٰۃ پر کفر کے اطلاق سے مقصد تھا وہی مقصد اس کے منافق کہنے سے رہے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس تعبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف مصلحت ہی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے یقیناً اس کی بھی بڑی حقیقت ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ نفاق عملی کبھی کبھی حقیقی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات معصیوں کا ارتکاب کرتے کرتے کفر حقیقی کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ آخر شجرہ ایمانی اعمال ایمانی کی بجائے اعمال کفر کی آبیاری کے ساتھ ساتھ کب تک شاداب رہ سکتا ہے اس میں نفاق کی

بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

لغت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق ایک قسم کے فریب و خداع کا نام ہے منافق کی پوری کی پوری زندگی چونکہ اسی مذموم صفت کا مرقع ہوتی ہے اسی لیے اس کو منافق کہا جاتا ہے نفاق اکبر ہو یا نفاق اصغر لغت کی یہ حقیقت دونوں جگہ ٹھیک موجود رہتی ہے لیکن جب انسان فریب و مکر کی یہ چال خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلنے لگتا ہے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اب یہ جرم ناقابل برداشت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد سلف میں جب کبھی کسی کے متعلق فسادِ باطن کا شبہ پڑ گیا ہے تو اب اس کو ناقابلِ عفو مجرم سمجھ لیا گیا ہے۔ آخر حاطب بن ابی بلتعہ کے بدری صحابی ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ایک ذرا سے شبہ پر ان کے حق میں دعویٰ اضرِبْ عَنْقَ هَذَا الْمُنَافِقِ (مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں) کے سخت کلمات فرما ہی دیئے۔ اب اندازہ کیجئے کہ ان کی نظروں میں نفاق کا جرم کس درجہ کا سمجھا گیا ہوگا۔ اگر درحقیقت نفاق انسان کی صرف کسی کمزوری کا نام ہوتا تو کیا مسلمان کے حق میں ان کی یہ تعبیری شدت گوارا کر لی جاتی۔ جنگ کے میدانوں میں جب کبھی مقابل شدید سے شدید تہمت کے موقع پر بھی کلمہ اسلام پڑھ لیتے یا عملی طور پر صرف کوئی اسلامی علامت ظاہر کر دیتے تھے تو بارگاہِ نبوت سے اسی وقت سر پر کبھی ہوئی تلوار کو نیچی کر دینے کا حکم صادر ہو جاتا تھا اور اگر کسی فرد نے کبھی لاعلمی میں اس طرزِ عمل کے خلاف کیا بھی تو اس کا کوئی عذر ہرگز مسموع نہ ہوتا تھا۔ ضعیف الاسلام افراد کے ساتھ جو طرزِ عمل عہدِ نبوت میں ثابت ہوتا ہے وہ تالیفِ قلوب کا ہے نہ کہ منافق کہہ کر ان کو دشمن کی صف میں شمار کرنے کا۔ پس منافقین کے معاملہ میں یہ سمجھ لینا کتنی مہلک غلط فہمی ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ایمان ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا تھا۔ اگر ان کا یہ ایمان اس درجہ پر آچکا تھا کہ اس کو خدا اور رسول بھی ایمان کہہ دیں تو پھر اسی وقت سے ان کے ساتھ طرزِ خطاب بدل جاتا ہے وہ اسلامی آغوش میں آ جانے کے بعد اب ہرگز اس قابل نہیں رہ سکتے کہ ان کو کافروں کے ساتھ ساتھ مخاطب بنایا جائے اور اگر ان کا ایمان اس قابل نہ تھا تو اس کا نام کفر رکھ دینے میں پس و پیش کیا ہے اور کیوں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں منافق کی تلاوت قرآن کو نازِ بو کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی خوشبو بڑی خوشگوار ہوتی ہے مگر مزا بڑا ناگوار ہوتا ہے۔ اس تشبیہ میں یہی تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح نازِ بو کی ظاہری خوشبو اور مہک عمدہ ہوتی ہے مگر اس کا اندرونی ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اسی طرح منافق کی تلاوت کا رخ تو بڑا خوش نما نظر آتا ہے مگر اس کے باطن کا دوسرا رخ نازِ بو کی طرح سخت تلخ ہوتا ہے کسی پھل کی خوبی صرف اس کی خوشبو میں نہیں جب تک کہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اصل خوبی صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ باطن اور قلب کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے اگر قلب بیمار ہے تو ظاہر کی سلامتی بیکار ہے۔

کبھی کبھی حدیثوں میں اولوالعزم صحابہ کی زبانوں سے اپنے نفسوں پر بھی نفاق کے خطرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں حالانکہ یہاں نفاق کے کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے کمالِ ایمانی اور اپنے اعمال کے پورے پورے محاسبہ کا ثمرہ ہوتا ہے جب ایک کامل مؤمن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے تو اس کو اپنی ہر حرکت و سکون پر یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ کہیں

اس میں سر و علانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے اس لیے وہ اپنی ظاہری و باطنی صلاح و فلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا وہ ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معیار کے مطابق ایک سجدہ بے ریا کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف اس کو برداشت ہی نہیں کرتا کہ کسی عبد حنیف میں دورخ باقی رہیں۔ اس کے باطن کا رخ کچھ اور ہو اور ظاہر کا کچھ اور وہ اس کو ایک ایسی یک رنگی کی دعوت دیتا ہے جس کے بعد ظاہر و باطن میں سر و اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی کو اس احسان کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جس کا تذکرہ آپ پہلے حدیث جبریل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں۔

جب انسان کے دماغ پر عالم ربوبیت کا یقین عالم شہود کی طرح مستولی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اعمال و نیات کو متہم کرنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے جہاں پہنچ کر وہ نماز جس کے عجز و نیاز میں کوئی ادنیٰ خامی رہ جائے ایک منافق کی نماز معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے خشوع النفاق ان تری الجسد خاشعاً و القلب ليس بخاشع۔ پس انسان کا ایمانی کمال جس کو حدیث جبریل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے ظاہر و باطن کی کامل یک رنگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے جب اس میں یہ یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے تو اب جتنا اس کا ظاہر عجز و نیاز میں ڈوبا ہو نظر آتا ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اپنے اہل و عیال میں جا کر ان کے قلب کا وہ رنگ نہیں رہتا جو آپ کی محفل تذکیر میں رہتا تھا تو ان کی نظر خشیت میں اتنا سا اختلاف بھی شکل نفاق کھٹکنے لگا اور ان کو اس غیر اختیاری اختلاف کا شکوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبہ احسان میں جتنا جتنا کمال میسر آتا جاتا ہے اسی کے بقدر یک رنگی کے شرائط بھی سخت تر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور جس درجہ اخلاص و یک رنگی کی طبیعت متلاشی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا ما مضی مؤمن قط الا و هو من النفاق غیر امن و ما مضی منافق قط و لا یبقی الا و هو من النفاق امن۔ (کوئی مؤمن جو پہلے گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو)۔ (جامع العلوم)

ایک شخص نے دیکھا کہ ابوالدرداء نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے انہوں نے بقسم فرمایا کہ آدمی اچھا خاصا مؤمن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاق اصغر سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ نفاق اصغر پر اصرار سے نفاق اکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ تمیں صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا

رہتا تھا ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام و میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایمانوں کی طرح خطرہ نفاق سے مامون ہے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول و عمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں۔ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے انہوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مؤمن ہو سکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (جامع العلوم)

ان جملہ اکابر کے پیش نظریات و نیاات اور اعمال کی وہ باریکیاں تھیں جن میں سرمو اختلاف سے اچھے سے اچھا عمل ایک منافق کا سامل بن سکتا ہے یا قادر مطلق کی وہ طاقت تھی جس کے سامنے ایک مخلص کا قلبی منافق بن جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا۔ بہر حال یہاں ان سب خطرات کا منشا کمال ایمانی تھا۔ نفاق کی کسی قسم کا یہاں کوئی محل نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے انا مومن انشاء اللہ کے ضمن میں اس کی بڑی تفصیل فرمائی ہے۔ (دیکھو احیاء العلوم ص ۹۲ و ۹۳)

واضح رہے کہ نفاق عملی نفاق کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ جب منافقین کے اعمال مسلمانوں سے بھی سرزد ہونے لگے تو لاچار علماء کو نفاق کی تقسیم کر دینی پڑی۔ وہی اعمال جو نفاق اعتقادی کے اثرات کہلاتے ہیں اگر تصدیق قلبی کے ساتھ بھی نظر آنے لگیں تو اسی کا نام نفاق عملی رکھ دیا جاتا ہے۔ پس اگر نفاق اعتقادی نہ ہوتا تو نفاق عملی کی یہ تعبیر ہی پیدا نہ ہوتی جیسا کہ اگر شرک و کفر حقیقی معنوں کے لحاظ سے نہ ہوتے تو ریاء و ترک صلوٰۃ کو بھی شرک و کفر نہ کہا جاتا۔

پس جس طرح کفر کی اصلی حقیقت کفر باللہ ہے اور کسی معصیت پر کفر کا اطلاق آ جانے سے یہ حقیقت نہیں بدلی۔ اسی طرح اصلی نفاق اسی فساد باطن کا نام ہے اور چند مخصوص معاصی پر نفاق کے اطلاق سے اس کی حقیقت بھی نہیں بدلی، چونکہ نفاق حقیقی انسان کی ایک باطنی حالت کا نام ہے اس لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عہد نبوت کے بعد اب کسی کو کسی کے باطن پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رہا اس لیے یہ حکم لگانا عہد نبوت پر ختم ہو گیا ہاں نفاق عمل کا محاسبہ ہمیشہ جاری رہنے والی چیز ہے۔



المنافقون فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۸۲۵) حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهَبٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَالَ مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هَذِهِ الْآيَةِ (قَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ) إِلَّا ثَلَاثَةٌ وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِينَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ إِنَّكُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ تُخْبِرُونَ نَا لَا نَذَرِي فَمَا بَالُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يَنْقُرُونَ بُيُوتَنَا وَيَسْرِقُونَ أَعْلَاقَنَا قَالَ أُولَئِكَ الْفُسَّاقُ أَجَلُ لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَّا وَجَدَ بَرْدَهُ.

(رواہ البخاری و فی التفسیر)

(۸۲۶) عَنْ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ لِعِمَّارٍ رَأَيْتُمْ صَنِيعَكُمْ هَذَا لَذِي صَنَعْتُمْ فِي أَمْرِ عَلِيٍّ أَرَأَيْتُمْ رَأَيْتُمُوهُ أَوْ شَيْئًا عَهْدَهُ إِلَيْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عَهْدُ إِلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْهُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَلَكِنْ حُذَيْفَةُ أَخْبَرَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ فِي أَصْحَابِي اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا فِيهِمْ ثَمَانِيَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ثَمَانِيَةٌ مِنْهُمْ تَكْفِيهِمُ الدُّبَيْلَةُ وَأَرْبَعَةٌ لَمْ أَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَةُ فِيهِمْ. (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

(۸۲۵) زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہا قاتلوا ائمة الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کر کے لے جانے والے لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پئے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۲۶) قیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمائیے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ ان میں ایسے کڑ ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کے پشت پر ایک کمی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لیے کافی ہو جائے گا۔ (ان کے شر سے حفاظت کے لیے ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق مجھے یاد نہیں رہا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا۔ (مسلم)

(۸۲۷) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنْتُ اخِذَا بِخَطَامِ نَاقَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَدُ بِهِ وَ عَمَّارٌ يَسُوقُ النَّاقَةَ أَوْ أَنَا أَسُوقُهُ وَ عَمَّارٌ يَقْوَدُهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْعَقَبَةِ فَإِذَا أَنَا بِأُنْثَى عَشَرَ رَاكِبًا قَدْ اغْتَرَضُوهُ فِيهَا قَالَ فَانْبَهْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمْ فَصَرَخَ بِهِمْ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَرَفْتُمْ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانُوا مُلْتَثِمِينَ وَ لَكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ قَالَ هَؤُلَاءِ الْمُنَافِقُونَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَ هَلْ تَذَرُونَ مَا أَرَادُوا قُلْنَا لَا قَالَ أَرَادُوا أَنْ يُزَاحِمُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نَبْعَثُ إِلَى عَشَائِرِهِمْ حَتَّى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا أَكْرَهُ أَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنْ مُحَمَّدًا قَاتِلَ بَقَوْمٍ حَتَّى إِذَا أَظْهَرَهُ اللَّهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِهِمْ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ أَرْمِهِم بِالذَّبِيلَةِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الذَّبِيلَةُ؟ قَالَ شَهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلَى نَبَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ.

(رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة و أخرجه ابن كثير في تفسير سورة البراءة)

(۸۲۷) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے جب ہم گھائی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آرہے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھائے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کیا بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھائی میں گرا دینا چاہتے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کھلا بھیجے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کر دیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بدعا فرمائی خدایا! ان کو دبیله میں مبتلا فرما۔ ہم نے پوچھا یا رسول دبیله کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے۔

(دلائل النبوة)

(۸۲۷) * طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل نام روایت فرمائے ہیں۔ معتب بن قیس، ودیقہ بن ثابت، جد بن عبد اللہ، حارث بن یزید، اوس بن قیظی، حارث بن سوید، سعد بن زرارہ، قیس بن فہد، سوید، داعش، قیس بن عمرو، زید بن العصیت، سلاقہ بن اطمام۔ (تفسیر ابن کثیر)

حافظ ابن کثیر و ممن حولکم من الاعراب منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں ”و هذا تخصیص لا یقتضی انه اطلع علی اسمائهم و لکن....“

(۸۲۸) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِينَةِ هَاجَتْ رِيحٌ شَدِيدَةٌ تَكَادُ أَنْ تُدْفِنَ الرَّائِبَ فَرَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثَتْ هَذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَإِذَا مُنَافِقٌ عَظِيمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ قَدِمَاتٍ. (رواه مسلم)

(۸۲۹) حَدَّثَنَا إِيَّاسٌ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَوْعُوكًا فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَيْهِ فَقُلْتُ وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رَجُلًا أَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَشَدَّ حَرًّا مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ الرَّائِبِينَ الْمُقَفَّيْنِ لِرَجُلَيْنِ حِينَئِذٍ مِنْ أَصْحَابِهِ.

(رواه مسلم)

(۸۳۰) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ لَمَّا تَوَفَّى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي دُعِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَقَامَ إِلَيْهِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلَيْهِ يُرِيدُ الصَّلَاةَ تَحَوَّلْتُ حَتَّى قُمْتُ فِي صَدْرِهِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَعْلَى عَدُوِّ اللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا.

(۸۲۸) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آ رہے تھے کہ اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کر دے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ شریف شریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مر گیا ہے۔

(مسلم شریف)

(۸۲۹) ایسا اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم بخار میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتا دوں جو روز محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔

(مسلم شریف)

(۸۳۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا گیا آپ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے سامنے آ گیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبد اللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گزشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر

لہ اعیانہم کلہم“ (ج ۲ ص ۳۸۲) اس تخصیص کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد بارہ آتی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کل بڑے منافقوں کی تھی۔

کَذَا وَ كَذَا يَعُدُّ أَيَّامَهُ قَالَ وَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ حَتَّى إِذَا أَكْثَرَتْ عَلَيْهِ قَالَ أَخْرَعْنِي يَا عُمَرُ أَنِّي قَدْ خَيْرْتُ فَأَخْتَرْتُ قَدْ قِيلَ لِي اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ لَوْ أَعْلِمُ أَنِّي لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ غُفْرَةً لَزِدْتُ ثُمَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ مَشَى مَعَهُ فَقَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْهُ قَالَ فَعَجِبَ لِي وَ جُرْءَتِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ فَوَ اللَّهُ مَا كَانَ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ وَ لَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَ لَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِلَى الْآخِرِ الْآيَةُ قَالَ فَمَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ عَلَى مُنَافِقٍ وَ لَا قَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ.

(۸۳۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۸۳۰) * علماء کو یہاں یہ سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی کھلی ہوئی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں۔ امام غزالیؒ اور داؤدی جیسے علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا رمز شناس زنجیری جیسا شخص ہو سکتا ہے علماء کرام یہاں اپنی علمی دقتوں میں ہی الجھے رہا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ ان امور کو آپؐ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس اتہائ کی دل سوزی کی بنا جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے۔ نبی قصد الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھالینا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کو تا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لیے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی وسعتوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں اور بڑھ کر چنانچہ اسی واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آگئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی۔

(۸۳۱) * شارحین بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اس منافق کو دی ضرورت تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا مَا يَغْنَى عَنْهُ قَمِيصِي وَ صَلَوَتِي مِنَ اللَّهِ وَ اللَّهُ انِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَسْلَمَ بِهِ الْف مِنْ قَوْمِهِ وَ رَوَى أَنَّهُ اسْلَمَ الْف مِنْ قَوْمِهِ لَمَّا رَأَوْهُ يَتَرَكُ بِقَمِيصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز اللہ

(۸۳۱) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

(رواہ الترمذی و هو فی الصحيحین ایضاً) (ترمذی)

حِينَ مَاتَ أَبُوهُ فَقَالَ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ
أَكْفُنُهُ فِيهِ وَصَلَّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ
قَمِيصَهُ وَقَالَ إِذَا فَرَعْتُمْ فَأَذْنُونِي فَلَمَّا أَرَادَ
أَنْ يُصَلِّيَ جَذَبَهُ عُمَرُ وَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ نَهَى
اللَّهُ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ فَقَالَ أَنَا بَيْنَ
خَيْرَتَيْنِ اسْتَغْفِرُ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ
فَصَلَّى عَلَيْهِ فَانْزَلَ اللَّهُ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ
مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ فَتَرَكَ
الصَّلَاةَ عَلَيْهِمْ.

(رواه الترمذی و قال هذا حديث حسن صحيح)

(۸۳۲) عَنْ عُمَرُو بْنِ دِينَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ
عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ كُنَّا فِي غَزَاةٍ قَالَ سَفِيَّانُ
يُرُونَ أَنَّهَا غَزْوَةُ بَنِي الْمَصْطَلِقِ فَكَسَعَ رَجُلٌ

عرض کیا آپ اپنی قمیص مرحمت فرمادیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دے
دوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت بھی
فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنا قمیص دے دیا اور
فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دے دینا۔
جب آپ اس کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کو کھینچ
لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپ
منافقین کی نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا
ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھا
دی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہو گئی وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ
پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرمادی۔

(۸۳۲) عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبد اللہ کو یہ
فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا
خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ - غزوہ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک

لڑے... اس کو کیا فائدہ دے سکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کر لیں گے۔ چنانچہ روایت
میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپ کی شفقت و رحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ
میں آ جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگائے بیٹھے تھے یا یہ کہ
درحقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا کیا اسی کی غمازی
نہیں کر رہا تھا کہ آپ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آئینی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ عمرؓ اپنی طبعی حلاوت کی وجہ سے جس
طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی
بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد
سے بڑھتی ہوئی الحاح و زاری سے دردمند ہو ہو کر اور زیادہ الحاح و زاری سے آپ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوئے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپ کے شانوں سے گری
جا رہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں۔

(۸۳۲) * امام بخاری نے ابواب المناقب کے باب مابینہی عنہ من دعوی الجاہلیۃ کے ضمن میں بھی اس حدیث کو روایت کیا
ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کیے ہیں وَ كَانَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلٌ لَّعَابُ شَارِحِينَ نَعْنِي لَكُنْ هُنَّ
ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور ذرا مذاق کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس
کا نام جبجہ بن قیس لکھا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تشریح کرتے ہوئے لکھے....

مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ
الْمُهَاجِرِيُّ يَا لِّلْمُهَاجِرِينَ وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ
يَا لِّلْأَنْصَارِ فَسَمِعَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ
قَالُوا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ
الْأَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
دَعْوَاهَا فَإِنَّهَا مُنْتَنَةٌ فَسَمِعَ ذَلِكَ عَبْدُ اللَّهِ
بْنُ أَبِي إِبْنِ سَلُولٍ فَقَالَ أَوْ قَدْ فَعَلُوهَا لَئِنْ
رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا
الْأَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ دَعْنِي
أَضْرِبُ عُقُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْنَهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ
مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ وَقَالَ عُمَرُو فَقَالَ لَهُ
ابْنُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَاللَّهِ لَا تَنْقَلِبُ
حَتَّى تُقَرَّ أَنَّكَ الذَّلِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيزُ فَفَعَلَ.

(۸۳۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَصْعَدُ
الشَّيْئَةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحِطُّ عَنْهُ مَا حُطُّ عَنْ
بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ فَأَوَّلُ مَنْ صَعَدَهَا خَيْلُنَا

انصاری کے لات ماردی اور اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے
کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاروں کو آپؐ نے یہ غل شور سنا تو
فرمایا یہ کیا زمانہ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں۔ لوگوں نے آپؐ سے
عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر
کچھ ہنگامہ برپا ہو گیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان
ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔ یہ قصہ کہیں عبد اللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے
کہا اچھا کیا مہاجر نے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو باعزت فریق ہے
وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ
اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟ آپؐ نے فرمایا رہنے
دو۔ کہیں لوگ یہ مشہور نہ کر دیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کر دیتا ہوں۔
عمر بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے
کہ ابن ابی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبد اللہ نے کہا خدا کی قسم تو
مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار
نہ کر لے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر اس
نے اس کا اقرار کر لیا۔

(رواہ الترمذی و قال هذا حدیث حسن صحیح)

(۸۳۳) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس
ٹیلہ پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح
معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ
سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے

اللہ.... امام خطابیؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان
واذعان معلوم کرنے کے لیے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر
منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگا دیئے جاتے تو دشمنان دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقع مل جاتا کہ مسلمان اسلام
کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ لے کر جب چاہتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں اس لیے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے
محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال
سے بھی کفر ثابت نہ ہو جائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

خَيْلُ بَنِي الْخَزَرَجِ ثُمَّ تَتَامُ النَّاسُ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ
مَغْفُورٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ فَأَتَيْنَاهُ
فَقُلْنَا تَعَالِ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَاللَّهِ لَئِنْ أَجِدُ ضَالَّتِي
أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي صَاحِبُكُمْ قَالَ وَ
كَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ. (رواه مسلم)

(۸۳۴) عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِي حَلَقَةٍ
عَبْدَ اللَّهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ (رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُ) حَتَّى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ أُنْزِلَ
النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ خَيْرٌ مِنْكُمْ قَالَ الْأَسْوَدُ
سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي
الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُ اللَّهِ
(رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ) وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِي
نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ فَتَفَرَّقَ
أَصْحَابُهُ فَرَمَانِي بِالْخُصَافَا تَيْتُهُ فَقَالَ
حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَجِبْتُ مِنْ
ضُحْكِهِ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ لَقَدْ أُنْزِلَ
النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ كَانُوا خَيْرًا مِنْكُمْ ثُمَّ تَابُوا
فَتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ.

(رواه البخاری فی التفسیر)

(۸۳۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى أَحَدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ
مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَكَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى

بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا
مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا
ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے تیری بخشش کی بھی دعا کرا لیں۔ وہ بولا خدا کی قسم تمہارے اس صاحب
کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور مل
جائے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔

(مسلم شریف)

(۸۳۴) اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے
ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سلام کیا اس
کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے
جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہد صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر
اسود نے ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان
میں فرماتا ہے ان المنافقین الخ وہ دوزخ کے سب سے تھمائی طبقے میں ہوں
گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے۔ حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک
گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبداللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی
متفرق ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد سمجھ گئے تھے۔ بے شک
ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہو گیا تھا لیکن آخر انہوں نے توبہ کی
اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (پہلے
حضرت حذیفہؓ نے بغرض تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان
کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرمادیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔) (بخاری شریف)

(۸۳۵) زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جب جنگ احد کے لیے نکلے تو بعض منافقین جو آپؐ کے ساتھ آ گئے تھے
واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابہ کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں

(۸۳۴) * اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ قَالَ بَعْضُهُمْ
نَقَلْتُهُمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا فَنَزَلَتْ فَمَا لَكُمْ فِي
الْمُنَافِقِينَ فِتْنَتَيْنِ. (رواه مسلم)

(۸۳۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا مِنَ
الْمُنَافِقِينَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ وَفَرَحُوا
بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَإِذَا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِغْتَدَرُوا إِلَيْهِ وَحَلَفُوا وَاحْبُوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا
لَمْ يَفْعَلُوا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ
بِمَا اتَّوَاوُا يُجِبُونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا
تَحْسِبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ. (رواه مسلم)

النفاق العملي

(۸۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ
بِوَجْهِهِ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهِهِ. (متفق عليه)

(۸۳۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي
الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ.

(رواه الدارمی)

ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں۔ اس پر آیت کریمہ
نازل ہو گئی۔ تم کو کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں
ہو گئیں۔ (مسلم شریف)

(۸۳۶) ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کسی غزوہ کے لیے تشریف لے
جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ
کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپ واپس تشریف لے آتے تو آپ کے
سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھا جاتے اور یہ چاہتے
کہ جو کام وہ نہیں کر سکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت
نازل ہو گئی۔ جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو
کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ
عذاب کی گرفت سے باہر ہیں۔

(مسلم شریف)

عملی نفاق

(۸۳۷) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دو رخا ہو ان کے پاس
آئے تو ان کی سی باتیں بنادے اور ان کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنا
دے۔ (متفق علیہ)

(۸۳۸) عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو رخا باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے
منہ میں آگ کی دوزبانیں ہوں گی۔

(دارمی)

(۸۳۸) * امام غزالی تحریر فرماتے ہیں۔ واتفقوا علی ان ملاقات الاثنین بوجهین نفاق۔ یہ متفق علیہ بات ہے کہ دو طرفہ باتیں بنانا
نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغل خوری سے بدتر ہے کیونکہ چغل خوری تو صرف ایک دشمن کی
بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دو طرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر اس نے دو
دشمنوں کے کلمات نقل نہ نہیں کیے مگر ان کے مخالفانہ کلمات کو سن کر دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ لہذا

(۸۳۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ قِيلَ لَهُ إِنَّا نَدْخُلُ عَلَى مُلْطَانِنَا فَنَقُولُ لَهُ بِخِلَافِ مَا نَتَكَلَّمُ إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ هَذَا نِفَاقًا.

(۸۳۹) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں بناتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں (اس اختلاف بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انہوں نے فرمایا اس

(رواہ البخاری)

(۸۴۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى

(۸۴۰) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں

لئے یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذوالوہبین اور ذواللسانین کہا جائے گا اسے چاہیے یا تو بسبب معذوری خاموش رہے یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۳۹) * امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے انکم متکلمون کلاما ان کنا لنعده علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النفاق و فی روایۃ قال ان کان الرجل لیتکلم بالکلمۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیربھا منافقا و انی لا سمعھا من احدکم فی الیوم او المجلس عشر مرات. تم آج ایسی باتیں منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالنے پر آدمی منافقوں میں شمار ہو جاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اسی کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں۔ (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق گنی جا رہی تھی آج وہ زبانوں پر بے محابا آ رہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تقویٰ جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہو گا جب کہ ان کے پاس جانے کی اور شاخوانی کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب اس شخص کا جا کر ان کی تعریفیں کرنا اور باہر آ کر مذمت کرنا یقیناً بلا حاجت ہے اور نفاق ہے۔ کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی۔ یعنی دو خصائیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گزر نہ ہو اور ان کی تعریف کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اب دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہوگی وہ نفاق شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے۔ سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ مسکراہٹ اور کشادہ روی کے اندر محدود ہے۔ صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے۔ (احیاء ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۴۰) * حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے منبر پر فرمایا لہ

بڑی پر حکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔
(شعب الایمان)

(۸۴۱) حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بے حیاء ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپاتے پھرتے تھے اور آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں)۔ (بخاری شریف)

(۸۴۲) حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہو گیا اب ہم اس کو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد شمار کریں گے۔
(بخاری شریف)

نفاق کے شعبے

(۸۴۳) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گذرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔
(مسلم شریف)

(۸۴۴) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

هَذِهِ الْأُمَّةُ كُلُّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَ يَعْمَلُ بِالْجَوْرِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

(۸۴۱) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ الْيَوْمَ شَرُّ مِنْهُمْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّونَ وَ الْيَوْمَ يَجْهَرُونَ. (رواه البخاری فی الفتن)

(۸۴۲) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ. (رواه البخاری)

شعب النفاق

(۸۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُوا وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسُهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواه مسلم)

(۸۴۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

ﷺ.... تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو، لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پر حکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے الذی یصف الایمان و لا یعمل بہ۔ بلال بن سعدؓ فرماتے ہیں المنافق یقول ما یعرف و یعمل ما ینکر۔ (جامع العلوم والحکم) یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزیل الفاظ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاق عملی ہے۔

(۸۴۳) * آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مؤمن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مؤمن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مؤمن کی شان یہی ہونی بھی چاہیے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آ چکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادار موقعہ اس کے ہاتھ نہ آئے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہیے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لیے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

(۸۴۴) * عسی (جھکنے) سے یہاں مراد وہ نہیں جو زبان میں کسی عیب کی وجہ سے پیدا ہو جائے بلکہ وہ ایک صفت ہے جس کی وجہ سے مؤمن بے خونی اور بے باک سے مات نہیں کرتا وہ اپنے ہر لفظ کو کراماتین کے قلم کے تحت تصور کرتا ہے اور ایک ایک کلمہ سے خدائی محاسبہ کا لہجہ....

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النَّفَاقِ. (رواه الترمذی)

شرم و کم خنی اور جھک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بد زبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔

(ترمذی شریف)

(۸۴۵) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْعَفَافَ وَالْعِيَّ عِيُّ اللِّسَانِ لَا عِيَّ الْقَلْبِ وَالْفَقْهَ مِنَ الْإِيمَانِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدُّنَ فِي الْآخِرَةِ وَيَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا يَزِدُّنَ

(۸۴۵) عون بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی وساطت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ شرم پاک بازی، کم خنی اور سمجھ یہ سب ایمان کی باتیں ہیں اور کم خنی سے مراد لسانی اور زبانی طمطراق کا ترک کر دینا ہے قلبی نا مہی نہیں (یعنی وہ کم خنی نہیں جو نا سمجھی کی وجہ سے پیدا ہو) اور یہ تمام باتیں اخروی ترقیات کا موجب ہیں اور دنیوی نقصان کا اور ان کا اخروی نفع ان کے دنیوی نقصان

...خوف رکھتا ہے وہ مجمع پر اپنے زور بیان سے چھا جانا نہیں چاہتا اس کے انداز گفتگو میں تواضع الفاظ میں سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ غرض جب گفتگو کرتا ہے تو کسی تصنع کے بغیر بقصد حاجت گفتگو کرتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے کلام میں فصاحت نہیں ہوتی اس کا بیان غیر مرتب اور بے مغز ہوتا ہے اور اس میں کوئی رونق و جاذبیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ساری زیبائش و آرائش کے باوجود انتہاء درجہ مؤثر اور نہایت پر شوکت اور روزنی بھی ہوتا ہے اس کے خلاف وہ بیان ہے جس کا مقصد اظہار علم اور افہام خصم ہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھانا ہو اور اپنے الفاظ کے طمطراق سے مخاطب کو صرف مرعوب کر دینا ہو اسی کو حدیثوں میں تطع اور تشدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بیان سرتا سر تصنع اور تکلف ہی تکلف ہوتا ہے۔ قلوب میں اس کا فوری اثر تو ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلابات بھی رونما ہو جاتے ہیں مگر ان سب کا وجود اسلام کی نظر میں وہ نفاق کا ایک شعبہ ہی رہتا ہے یہ وہ بیان نہیں جس کو سورۃ الرحمن میں ”علمہ البیان“ میں بطریق امتنان فرمایا گیا ہے بلکہ وہ بیان ہے جس کی طرف غالباً ان من البیان لسحراً میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکور میں بیان کے ساتھ بذاء کا لفظ اور عی کے ساتھ حیاء کا لفظ رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بیان سے وہ بیان مراد ہے جو انسان کی بے باکی اور بد زبانی کا اثر ہوتا ہے اسی طرح عی سے وہ کم خنی مراد ہے جو انسان کی ایمانی حیاء کا اثر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مؤمن چونکہ شرمیلا ہوتا ہے اس لیے تراخ تراخ باتیں نہیں کرتا اور منافق چونکہ بے باک ہوتا ہے اس لیے بڑھ بڑھ کر بولنے سے نہیں جھجکتا امام ابن قتیبہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک نو جوان نے حضرت ایوبؑ سے ان کے زمانہ ابتلاء میں کچھ عرض کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے یہ ارشاد فرمایا کہ تجھے خبر بھی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کو صرف اس کے خوف نے ساکت و صامت بنا رکھا ہے۔ نہ وہ گونگے ہیں نہ ان کی زبانوں میں کوئی عیب ہے بلکہ بڑے فاضل، بڑے بولنے والے بڑے فصیح و بلیغ ہیں اور اللہ اور اس کی کرشمہ سازیوں کے بڑے عارف ہیں لیکن جب ان کے سامنے خدائی عظمت کا نقشہ آ جاتا ہے تو مارے خوف کے ان کے دلوں کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور ان کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (تاویل مختلف الاحادیث ص ۳۸۲) پس نہ ہر بیان نفاق کا شعبہ ہے اور نہ ہر کم خنی ایمان کا شعبہ۔ موارد مدح اور موارد مذم کو سمجھنا محض الفاظ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے کیفیات نفسانیہ اور مختلف حالات کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ نہ ہر کہ سرتر اشد قلندری داند۔ حدیث کے مطالب پر غور و خوض کرنے کے لیے آپ ہر جگہ اس دقیقہ پر نظر رکھئے۔ (دیکھو تاویل الاحادیث لابن قتیبہ ص ۳۸۳)

سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بدزبانی، درشت مزاجی اور بخل نفاق کی باتیں ہیں اور یہ چیزیں دنیوی ترقیات کا موجب ہیں اور اخروی نقصان کا اور ان کا اخروی نقصان ان کے دنیوی نفع سے زیادہ ہے۔

(احمد)

منافق کی صفات

(۸۴۶) کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں ادھر ادھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دے پٹھا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یوں نہیں رہا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی موت آ جاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جے ہوئے چیر کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۸۴۷) ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو زر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔ (مسلم شریف)

فِي الْآخِرَةِ أَكْثَرُ وَأَنَّ الْبَذَاءَ وَالْجَفَاءَ وَالشُّحَّ مِنَ النِّفَاقِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدُّنَ فِي الدُّنْيَا وَيَنْقُصْنَ فِي الْآخِرَةِ وَمَا يَنْقُصَنَّ فِي الْآخِرَةِ أَكْثَرُ. (رواہ احمد)

صفات المنافق

(۸۴۶) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيْئُهَا الرِّيحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرَى حَتَّى يَأْتِيَ أَجْلُهُ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجَذِيَةِ اللَّتَى لَا يُصِيبُهَا شَيْءٌ حَتَّى يَكُونَ أَنْجَعًا فُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً. (متفق علیہ)

(۸۴۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً. (رواہ مسلم)

(۸۴۶) * اس حدیث میں مومن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مومن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مومن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مد مقابل بنا لیتا ہے پھر رحمت اس کی عملی کوتاہیوں کی طرح طرح سے مکافات کرتی رہتی ہے اس لیے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتباہ کا اہل ہے اس کے لیے استدراج و امہال کا قانون ہے وہ ایک باغی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزا موت پالیتا ہے۔ سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

(۸۴۷) * منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو زر کی تلاش میں بکھری بکھری پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطہ نظر صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

(۸۴۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى مِنْ ذُنُوبِهِ وَ مَوْعِظَةً لَهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرَضَ ثُمَّ عُوِيَ كَانَ كَالْبُعِيرِ عَقَلَهُ أَهْلُهُ ثُمَّ أَرْسَلُوهُ فَلَمْ يَذْرِ لِمَ عَقَلُوهُ وَلَمْ أَرْسَلُوهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْأَسْقَامُ وَاللَّهِ مَا رَضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتُ مِنَّا. (رواه ابوداؤد)

(۸۴۸) عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مؤمن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے دیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لیے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفا یاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا جا تو ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۸۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَنَزِّعَاتِ وَالْمُخْتَلِعَاتِ هُنَّ الْمُنَافِقَاتِ. (رواه النسائي)

(۸۴۹) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کر کر کے علیحدہ کر لیتی ہیں وہ بھی منافق ہیں۔ (نسائی)

(۸۵۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۸۵۰) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۸۴۸) * اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی۔ باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ شرعی قیووات اور آخرت کا غم مؤمن کے لیے ایسا بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرنے نہیں دیتے منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لیے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جب کہ آپ کی محفل میں مؤمن و منافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کر دی مگر لسان نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی۔

(۸۴۹) * جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تیار ہوتی ہیں ان کا ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا۔ اگر وہ دل میں رضامند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں۔ یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلفات کو منافقات کا لقب دے دیا گیا ہے۔ مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ من لم يشكر الناس لم يشكر الله۔

(۸۵۰) * حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلا ناظر مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے ہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور حدیثیں بھی ملتی ہیں معتبر علمائے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے۔

اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَ عَمَلُ الْمُنَافِقِ خَيْرٌ مِنْ نِیَّتِهِ وَ كُلُّ یَعْمَلُ عَلٰی نِیَّتِهِ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِی قَلْبِهِ نُورٌ (رواہ فی الحلیہ)

فرمایا مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوش نما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مؤمن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لیے اس کا عمل بے نور ہوتا ہے) (حلیہ)

علامات النفاق

(۸۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْمُنَافِقِينَ عَلَامَاتٍ يَعْرِفُونَ بِهَا تَحِيَّتُهُمْ لَعْنَةً وَ طَعَامُهُمْ نُهْبَةً وَ

(۸۵۱) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی چند علامتیں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ شناخت کیے جاسکتے ہیں۔ سلام کی بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے۔ لوٹ کا مال ان کی

نفاق کی نشانیاں

اللہ.... امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات و طاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مل کر بنتا ہے۔ عمل جوارح اور نیت۔ یہ دونوں اس کے عمل ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے۔ لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عمل جوارح سے بہتر رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہارِ بجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کے لئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف و صدمہ آپڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و مسکین کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضاء کو جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہو سکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہو تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہو گئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش و ریا کی نیت کر لی تو اب معاملہ اور سخت ہو جاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عمل خیر معصیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ مؤمن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۶۳)

امام غزالیؒ کی اس شرح سے حدیث کے دوسرے جملہ کی شرح خود بخود روشن ہو جاتی ہے یعنی منافق انسان جو عمل خیر بھی کرتا ہے اس کی روح بس اتنی ہی ہوتی ہے جو ظاہر میں نظر آ رہی ہے لیکن اس کا عمل باطن یعنی نیت وہ بالکل بے روح ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے اس عمل کا اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف مؤمن کے عمل سے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے جیسا کہ ابھی امام غزالیؒ کے کلام سے معلوم ہوا۔

(۸۵۱) * معلوم رہے کہ رؤس منافقین کے کافر ہونے کے باوجود حدیثوں میں جب ان کی علامات ذکر کی گئی ہیں تو وہ صرف چند معاصی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کی ظاہری سطح ہمیشہ مسلمانوں ہی کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اگر اس کا کفر بالکل عریاں ہو جائے تو اس کو منافق ہی کیوں کہا جائے اس لیے اس کی علامات بھی از قسم معاصی ہی ہو سکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ یہ معاصی مسلمان سے تو اتفاقاً سرزد ہوتے ہیں اور منافق کی سرشت میں داخل ہوتے ہیں۔ ان معاصی کا خلاصہ۔ بد اخلاقی، مطلب پرستی، خیانت اور دین سے بیزاری ہے جب انسانی اللہ....

غَنِيْمَتُهُمْ غُلُوْلٌ وَ لَا يَقْرُبُوْنَ الْمَسَاجِدَ اِلَّا
 هُجْرًا وَا لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا ذُبْرًا مُّسْتَكْبِرِيْنَ
 لَا يَالِفُوْنَ وَا لَا يُؤَلَّفُوْنَ خُشْبً بِاللَّيْلِ
 صُحْبً بِالنَّهَارِ . (رواہ احمد و اخرجہ
 الحافظ ابن کثیر فی تفسیر سورۃ المنافقین)

خوراک ہوتی ہے، خیانت کا مال ان کا مال غنیمت ہوتا ہے، مسجدوں کے
 قریب نہیں آتے بجز بیہودہ بکواس کرتے ہوئے اور نمازوں میں شریک نہیں
 ہوتے مگر سب سے آخر میں۔ اتراتے ہوئے نہ خود کسی سے الفت رکھتے
 ہیں۔ نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے، شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر
 پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے پھرتے ہیں۔ (احمد)

اللہ اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اس کی زبان گندی اور اس کی حرکات خفیف ہو جاتی ہیں جب اس میں امانت کا مضمون نہیں رہتا تو لوٹ کا مال
 اس کو مال طیب نظر آنے لگتا ہے اور خیانت کرنا اس کی نظر میں مال غنیمت کی طرح محبوب بن جاتا ہے جب اس میں مطلب پرستی کی خصلت
 سرایت کر جاتی ہے تو اس کے پیش نظر بجز اپنے مطلب کے اور کچھ نہیں رہتا، اس کے دل میں کسی سے الفت نہیں رہتی اور اس لیے دوسرے
 لوگوں کے قلوب سے بھی اس کی الفت نکل جاتی ہے۔ خود غرض انسانوں کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے اور جب قلب میں دین سے بیزاری پیدا ہو
 جاتی ہے تو نماز میں چستی باقی نہیں رہ سکتی۔ منافقین کی معاشی اور معادی زندگی کا یہ اتنا سچا نقشہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا اس سے زیادہ نقشہ
 کھینچنا چاہے تو نہیں کھینچ سکتا۔ ان میں سے ایک ایک عمل تقاضاء ایمانی کے برخلاف ہے۔ ایمان امن اور امانت سے مشتق ہے وہ خیانت، خود
 غرضی اور ایذا رسانی کو برداشت نہیں کرتا۔ رہا نماز کا معاملہ وہ تو اس کا ایسا عمل ہے کہ قرآن کریم میں اس کو ٹھیک ایمان سے تعبیر کیا گیا
 ہے۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ اِيْمَانَكُمْ۔ اس میں سستی بھلا مومن سے کیسے ممکن ہے لیکن جس طرح خارجی اسباب کی بنا پر کبھی کبھی ایک مومن
 سے بھی کفر کے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی اس سے نفاق کے اعمال بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ ایسا مسلمان جو اپنی عملی زندگی میں
 کھلے منافق سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا حدیث کے الفاظ میں منافق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جب کہ اس کا نقشہ عمل ٹھیک منافقوں کی طرح ہو
 تو وہ اسی کا مستحق ہے لیکن باطنی تصدیق رکھتا ہے اس لیے بلحاظ احکام اس کو اس منافق کے برابر بھی نہیں رکھا جاسکتا جس کا باطن تصدیق سے خالی
 ہے اس لیے فقہی تعبیرات یہاں مختلف ہو گئی ہیں۔ کسی نے اس کا نام نفاق عمل رکھا اور کسی نے اس کو نفاق اصغر کہہ دیا ہے۔

یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ یعنی چاہیے کہ کسی کلام کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے ماحول کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس لیے ان احادیث
 کو بھی اسی ماحول میں پڑھئے جب کہ ایک طرف منافقین کی جماعت تھی جو ان مذموم خصائل میں ازسرتا پا غرق تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں
 کی وہ جماعت تھی جو ان کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ نو مسلم یا غیر صحبت یافتہ جماعت زیر بحث آ ہی نہیں سکتی یہ طبقہ کچھ عرصہ بعد یا تو
 مہذب و مرتب ہو کر قدیم العہد مسلمانوں کی طرح بن چکا تھا۔ اگر اسلام ان کے حلقوم کے نیچے نہیں اترتا تو وہ اپنا راستہ اختیار کر چکا تھا بہر
 حال مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو اسلامی جماعت کہا جاتا تھا ان زشت اعمال سے اسی درجہ بیزار تھا جتنا کہ ان کو ہونا چاہیے ان حالات میں ان
 احادیث میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن ہمارے دور انحطاط میں جب ایک قدیم العہد مسلمان میں بھی یہ خصائل موجود نظر آنے لگے تو
 بلاشبہ اب معاملہ قابل بحث بن گیا اور نفاق اصلی اور عملی کی تقسیم کرنی پڑی۔ اس سے غرض یہ نہیں کہ یہ تقسیم پہلے موجود نہ تھی بلکہ یہ مقصد
 ہے کہ سلف کی نظروں میں عملی نفاق بھی اصلی نفاق کی برابر نظر آتا تھا اس لیے وہ اس تقسیم کے قائل نہ تھے وہ اسلام کے خلاف اعمال میں ایسی
 تاویلات سوچنا ہی پسند نہیں کرتے تھے جن کی بنا پر ان اعمال کی اسلام میں کوئی گنجائش نکل سکے۔ ان کے نزدیک اسلام کے ساتھ بس اسی
 کے اجزاء ہونے چاہئیں اگر کفر و نفاق کی کوئی خصلت وہ کسی مسلمان میں دیکھ لیتے تو یہ ان کے نزدیک ایک غیر معقول
 صورت تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان میں وہی اعمال نظر آنے چاہئیں جس کا اسلام تقاضا کرتا ہو اس لیے اللہ

(۸۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا تُتْمِنَ خَانَ. (رواه البخاری)

(۸۵۲) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری شریف)

(۸۵۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَ

(۸۵۳) عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں وہ تو پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک

لہ.... اس دور میں ایمان اور کفر و نفاق میں کوئی تقسیم نہیں تھی، وہ اسلام کے مجموعہ اعمال کو اسلام سمجھتے تھے اور کفر و نفاق کی ایک ایک خصلت سے انتہاء درجہ بیزاری تھی تقسیمیں اور تاویلیں کرنا ان کے بلند مذاق کے خلاف چیزیں تھیں۔ اس قسم کی حدیثوں کا اصل منشا یہ تنبیہ کرنی ہے کہ مسلمان کے لیے یہ برگزیدہ باتیں نہ ہوں کہ وہ اپنی زبان سے تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتا رہے اور اس میں کھلے ہوئے منافق کی علامتیں پائی جائیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ نفاق کی ایک ایک خصلت سے بیزار ہو اگر وہ اسلام کا مدعی ہے تو اپنے ظاہر و باطن میں پوری یک رنگی پیدا کرے، اس لیے نقشبند عماد کو اتنا بد نما ہونے سے بچائے جسے دیکھ کر یہ حکم لگانا درست ہو کہ یہ ٹھیک ایک منافق کا نقشہ عمل ہے۔

(۸۵۳) * حافظ ابن رجب منہ فرماتے ہیں کہ نفاق عملی اگرچہ صرف انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے جس کی بہت شکلیں نکل سکتی ہیں مگر ان کے اصول صرف پانچ ہیں: (۱) جھوٹ بولنا۔ (۲) امانت میں خیانت۔ (۳) وعدہ خلافی (۴) غصہ میں آ کر بے قابو ہو جانا۔ (۵) عہد کر کے غد کرنا۔ (جامع العلوم)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین نے یہ تمام چالیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیامت تک کے لیے ان کے قلوب میں نفاق کا روگ پیدا ہو گیا ﴿فَأَغْصَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ (التوبة: ۷۷) پس اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ اس وقت تک کے لیے بیٹھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملیں (یعنی اب دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لیے کہ انہوں نے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا اسے حان بوجھ کر پورا نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کا ثمرہ نفاق ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان جرائم میں زیادہ شدت اس لیے پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ان کا ارتکاب جائز رکھا بلکہ اپنی عادت بنا لیا اسی طرح ان کی بقیہ بد اطواریاں بھی خدا اور رسول کے ساتھ رہیں جیسا کہ سورہ براءۃ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات بھی خوب روشن ہو گئی کہ یہ جرم جن کی اہمیت بظاہر اتنی نہ ہونی چاہیے تھی اتنی اہم کیوں بن گئیں۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفاق کی حقیقت دھوکا دہی اور فریب کاری اور ظاہر و باطن کا اختلاف ہے ان خصائل میں سے ہر ایک خصلت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں پس اگر کسی شخص میں یہ ساری کی ساری خصلتیں بیک وقت جمع ہو جائیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ پورا پورا منافق ہوگا۔

ہم پہلے تنبیہ کر آئے ہیں کہ حدیث و قرآن میں بہت سے مقامات پر کفر لغت کے ہم معنی مستعمل ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے اسی طرح نفاق بھی حدیثوں میں لغت کے مترادف مستعمل ہے۔ نفاق اصلی ہو یا نفاق عملی حقیقت لغویت دونوں قسموں میں پوری پوری طرح ملحوظ ہے۔ اصلی منافقین کی فریب کاری کا پردہ تو خود قرآن کریم ہی نے چاک کر دیا ہے اور بہت سی آیتوں میں ان کے نفاق کی حقیقت بلفظ خدا تعالیٰ

مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُمْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا إِذَا أُوتِمِنَ خصلت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے جب بات کرے تو جھوٹ

ﷺ (فریب) ہی ادا فرمائی ہے۔ رہ گئے وہ منافقین جنہوں نے خدائے تعالیٰ کو تو دھوکا دینے کا قصد نہیں کیا مگر اس کی مخلوق کو فریب دینے کا ارادہ کیا ہے ان کو حدیث نے لے لیا ہے نفاق کی یہ خطرناک قسم ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی اس کے بعد عہد نبوت کے منافقین کی کچھ علامات ملاحظہ فرمائیے۔ بعض وہ علامات جو سورہ برأت میں ذکر کی گئیں۔

(۱) ﴿وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (التوبة: ۴۲)

”قسمیں کھا کر کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلتے (یہ قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔“

(۲) ﴿اِنَّمَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ﴾ (التوبة: ۴۵)

”تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں۔“

(۳) ﴿لَوْ خَرَجُوا فِيْكُمْ مَا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمْ الْفِتْنَةَ﴾ (التوبة: ۴۷)

”اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل) نکلتے تو تمہارے اندر سوائے خرابی کے کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے۔ (کہ ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی ادھر لگاتے)۔“

(۴) ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُّصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَا اٰمْرًا مِنْ قَبْلُ وَیَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ﴾ (التوبة: ۵۰)

”اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آ جائے تو ان منافقین کو بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آ جائے تو کہنے لگیں اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں اور پھر گردن موڑ کر خوش خوش چل دیں۔“

(۵) ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَا لَا یَاتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰی وَا لَا یُنْفِقُوْنَ

اِلَّا وَهُمْ كَارِهُوْنَ﴾ (التوبة: ۵۴)

”اور ان کا خرچ کیا ہو مال قبول نہیں کیا گیا مگر صرف اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے انکار کیا اور نہیں آتے نماز میں مگر کابلی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔“

(۶) ﴿لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغْرَبًا اَوْ مُدْخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَیْهِ وَهُمْ یَجْمَحُوْنَ﴾ (التوبة: ۵۷)

”اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غاریا اور کوئی چھپ بیٹھنے کا کوئی سوراخ تو دوڑ کر اسی کا رخ کریں۔“

(۷) ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقَاتِ فَاِنْ اَعْطَوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ یَسْتَعْطُوْنَ﴾ (التوبة: ۵۸)

”اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں۔ پر خود ان کی (دون ہمتی) کی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں نہ دیا جائے تو بس بگڑ بیٹھیں۔“

(۸) ﴿وَلَیْنِ سَأَلْتَهُمْ لَیْقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبَاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ کُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (التوبة: ۶۵)

”اگر تم ان سے پوچھو (ایسی کفر کی باتیں کیوں کرتے ہو) تو یہ ضرور جواب میں کہیں ہم نے تفریح اور مذاق کے طور پر ﷺ

خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ بولے جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو بے قابو ہو
وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (متفق علیہ) جائے۔ (متفق علیہ)

ﷺ یہ بات کہی تھی۔ تم ان سے کہو کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔

(۹) ﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ﴾ (التوبة: ۶۷)
”منافق مرد اور منافق عورتیں سب باہم ایک ہیں۔ برائی کرنے کا اور اچھی باتوں سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور راہ خدا میں
خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچتے ہیں۔“

(۱۰) ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ لِلَّهِ لَنْ إِتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا
وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾ (التوبة: ۷۵)

”اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنا فضل (مال و دولت) عطا فرمادے تو ہم
ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوں میں شامل ہونے کی سعی کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل (مال) عطا فرمایا
تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے۔“

(۱۱) ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ﴾ (التوبة: ۸۹)
”اور دراصل جو لوگ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی
کے سوا اور کچھ میسر نہیں ان پر تمسخر کرتے ہیں۔“

آیات بالا سے جو نمبر وار نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

- ۱ و ۲- جہاد کے موقع پر جھوٹی قسمیں کھا کر جان بچالینا۔
- ۳- اور اگر شریک ہوں تو ان میں فتنہ پرداز کی فکر رکھنا۔
- ۴- مسلمانوں کی خوشی میں ناخوش ہونا اور ان کی ناخوشی میں خوش ہونا۔
- ۵- نمازوں میں کابلی سے شریک ہونا اور جب خرچ کرنا تو بے دلی سے مجبور ہو کر۔
- ۶- اپنی اس دورخی پالیسی کی وجہ سے ہر وقت ڈرے سہمے رہنا اور اس تردد میں پڑے رہنا کہ فتح و نصرت کے جو وعدے مسلمانوں سے
کیے گئے ہیں کہیں وہ پورے ہی نہ ہو جائیں جیسا کہ نمبر ۲ آیت سے ظاہر ہے۔
- ۷ و ۱۱- مسلمانوں اور خدا کے رسول پر نکتہ چینی کرنا پھر غرض کے ایسے بندے کہ ان کی خوشی و ناخوشی کا مدار صرف متاع دنیوی ہونا۔
- ۸- خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء اور جب تحقیق کی جائے تو مذاق و تفریح کا بہانہ بنادینا۔
- ۹- ان کا اصل رشتہ تعلق منافقوں کے ساتھ ہونا امر بالمعروف کے بجائے بری باتوں کا حکم دینا اور بھلی باتوں سے روکنا۔
- ۱۰- خدا کے ساتھ عہد کر کے توڑ دینا۔

جب آپ ان خصائل پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ٹھیک وہی خصائل ہیں جو مسند امام احمد اور متفق علیہ حدیث میں پہلے
آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ وہی دروغ گوئی، وہی وعدہ خلافی، وہی خود غرضی، وہی بداخلاقی اور وہی خیانت کی باتیں جو آپ نے حدیثوں
میں پڑھیں۔ ان آیات میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ بری خصلتیں اگر صرف انسانوں ہی کے درمیان ہوں تو کیا کم ہیں۔ چہ جائے کہ
بندہ اور اس کے مولیٰ کے درمیان ہوں وہ جھوٹی قسمیں کھائے وہ خدائے تعالیٰ سے وعدے کرے کہ اگر تو مجھ کو غنی کر دے تو میں تیری ﷺ....

الکذب

دروغ گوئی

(۸۵۴) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

(۸۵۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لیے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کر دے اور ان کو ذرا ہنس دے۔ (احمد - ترمذی - ابوداؤد - دارمی)

(۸۵۵) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلِكُ مِيلًا مِنْ نَتْنٍ مَا جَاءَ بِهِ. (رواه الترمذی)

(۸۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

(۸۵۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

(۸۵۶) عبد اللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں

تھے.... راہ میں سخاوت سے خرچ کروں پھر اس وعدہ کو پورا نہ کرے اس درجہ خود غرض ہو جائے کہ صرف مال اس کی خوشی نا خوشی کا محور بن جائے عام مسلمانوں کی خوشی و ناخوشی سے کوئی واسطہ ہی نہ رہے اخلاق کی بدتری کی یہ نوبت آ جائے کہ خدا کے مقدس رسول اور اس کی مخصوص جماعت پر نکتہ چینی اور ان پر استہزاء و مذاق کی عادت پڑ جائے عبادات بدنیہ و مالیہ سے اتنی بے التفاتی کہ نہ یہ ادا ہو سکیں نہ وہ مکرو فریب کا یہ عالم کہ ہر قربانی کے موقع پر جان چھڑانے کے لیے بہانہ بنا لے اور اگر پیچھا نہ چھوٹے تو پھر مسلمانوں کو جا کر طرح طرح بہکانا - منافقین کے یہ تمام خصائل خدا اور رسول اور عامہ مؤمنین کی اخروی زندگی میں اس طرح پھیلے رہے کہ پھر ان میں سے ایک ایک خصلت نفاق کی ایک ایک علامت بن گئی - یہاں یہ تفصیلات کیا کی جاسکتی تھیں کہ کس کا تعلق براہ راست خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور کس کا مخلوق کے ساتھ ہے یہ تو صرف نیت اور باطن کی بات تھی اس لیے صرف خصائل کو نفاق کی علامت قرار دے دیا گیا اور جس میں یہ سب خصلتیں جمع ہو جائیں اس کو تنبیہ کر دی گئی کہ اب اس کا نقشہ زندگی ٹھیک ٹھیک منافق کے برابر ہو گیا ہے اگر وہ مدعی ایمان ہے تو یہ نقشہ اس کے لیے مناسب نہیں۔

(۸۵۴) * امراء اور بڑے لوگوں کے درباروں میں کچھ لوگ ظریف بھی مقرر ہوا کرتے تھے جن کے سپرد صرف یہی خدمت ہوتی تھی کہ وہ جھوٹ یا سچ بول کر ان کی محفل کو گرم کیا کریں - اسلام نے اس کو صرف ایک کذب ہی کا مرتبہ نہیں دیا بلکہ انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی بات قرار دی ہے کہ ایک انسان صرف اپنے جیسے انسان کی خاطر ایسی خفیف حرکات پر آمادہ ہو جائے۔

(۸۵۵) * تلخی اور شیرینی کی طرح خوشبو اور بدبو بھی روحانیت کے عالم میں محسوسات میں سے ہیں ان کو مجاز اور استعارات پر حمل نہ کرنا چاہیے بلکہ ہمت بلند کر کے وہ قدم اٹھانا چاہیے جہاں حاسہ شامہ کو وہ قوت میسر آ جائے کہ صدق و کذب کی خوشبو اور بدبو بھی عام خوشبو اور بدبو کی طرح محسوس ہونے لگے۔

(۸۵۶) * اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہیے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گذرتا - اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے - اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جاسکتی ہے - بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَاتَعَالِ
أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتَ أَنْ تُعْطِيَهُ قَالَتْ أَرَدْتُ
أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكَ لَوَلَّمْتَ تُعْطِيَهُ شَيْئًا
كُتِبَتْ عَلَيْكَ كَذِبَةٌ.

رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپؐ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔

(ابوداؤد - بیہقی)

(رواہ ابو داؤد و البیہقی فی شعب الایمان قال ابن رجب الحنبلی و فی اسنادہ من لا یعرف نعم ذکرہ الزہری عن ابی ہریرۃ من قولہ)

(۸۵۷) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ صَلَّى
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةَ
الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عِدَلْتُ
شَهَادَةَ الزُّورِ بِأَلِ شُرَاكِ بِاللَّهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ
ثُمَّ قَرَأْتُ فَاجْتَنَبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنَبُوا
قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ.

(۸۵۷) خرم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہو کر فرمایا (آج جھوٹی شہادت شرک کے برابر کر دی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاجْتَنَبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ۔ بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔) (احمد - ترمذی)

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و رواہ احمد و الترمذی عن ایمن بن خریم الا ان ابن ماجہ لم یذکر القرآن)

(۸۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ أَحَدٌ عِنْدَ
مَنْبَرِي هَذَا عَلَى يَمِينِ اثْمَةٍ وَ عَلَى سِوَاكِ
أَخْضَرَ الْآبَوَاءَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ أَوْ وَجِبَتْ لَهُ
النَّارُ. (رواہ مالک و ابو داؤد و ابن ماجہ)

(۸۵۸) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آ کر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں کر لیا یا اس کے لیے دوزخ کا عذاب واجب ہو گیا (راوی کوشک ہے)۔ (مالک - ابو داؤد - ابن ماجہ)

(۸۵۷) * قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ہی جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرعی نظیر میں ان تینوں کے مابین کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بنا پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادت زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

(۸۵۸) * غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی انواع جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اسی کے ساتھ نظام عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سبب انسانوں سے۔ شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لیے جا بجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

(۸۵۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ خُلُقُ أَبِغَضَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكِذْبِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يَكْذِبُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكُذْبَةَ فَمَا يَزَالُ فِي نَفْسِهِ عَلَيْهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ بِهَا تَوْبَةً. (رواه احمد)

(۸۶۰) عَنْ صَفْوَانَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْذِبُ امْرَأَتِي قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا خَيْرَ فِي الْكُذْبِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعِدْهَا وَاقُولْ لَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ. (رواه مالك)

(۸۶۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكُذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبْضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا. (رواه الترمذی)

(۸۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَ

(۸۶۰) * زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لیے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکال دے تو خاص اس موقع کے لیے اس کو وسعت دی گئی ہے صدق کی بحث میں آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔

(۸۶۱) * جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصائیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اسی لیے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لیے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا۔

(۸۶۲) * اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مومن کی صدق و صفات کی منزل صرف اس کے نطق پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گذر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی لٹہ....

(۸۵۹) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابل نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کر لیتا آپ کے قلب مبارک میں اس کی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

(۸۶۰) صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کر لوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(احمد)

(۸۶۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا صحن جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لیے وسط جنت میں مکان بنے گا۔ اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لیے اس کے لیے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔ (ترمذی)

(۸۶۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک

بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو، دھوکا بازی مت کرو۔ باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندہ بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ۔ (بخاری شریف)

(۸۶۳) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں) (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا)۔ (بخاری شریف)

(۸۶۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بد نما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انہوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے)۔

(بخاری شریف)

الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسُّسُوا وَلَا تَجَسُّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا . (رواہ البخاری)

(۸۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلُّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنْ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صَبَّ فِي أُذُنِهِ الْأَنْكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةَ عَذَبٍ وَكُلُّفَ أَنْ يَنْفَخَ فِيهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ . (رواہ البخاری)

(۸۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَفْرَى الْفِرَافِرِ أَنْ يُرَى عَيْنِيهِ مَا لَمْ تَرِيَا . (رواہ البخاری)

اللہ چھان بین کی جائے اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیب پہلے نہ ہوں ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے انس و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت و کرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بنا پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے۔ معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلا وجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیا کا ایک اہم اصول ہے۔ سورہ حجرات میں آیت وَلَا تَجَسَّسُوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ (۸۶۴) * ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق و صفا کا احاطہ صرف حالت بیداری تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حالت نوم تک بھی کھینچتا ہے۔ اگر کوئی شخص حالت خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے۔

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گزر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزل صدق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مؤمن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے وہ مؤمن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مؤمن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبرؓ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ .

وعدہ خلافی

(۸۶۵) زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقرر پر نہ آ سکے تو اب اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(ابوداؤد - ترمذی)

(۸۶۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آجائے۔ (ترمذی)

(۸۶۷) عبد اللہ بن ابی الحمار سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لا کر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

لڑائی اور جھگڑا

(۸۶۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر جھوٹے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تا آنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

(۸۶۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو لیچر قسم کا جھگڑا ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۷۰) زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا

الخلف فی الوعد

(۸۶۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَ مِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِي لَهُ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ. (رواه ابوداؤد والترمذی)

قال ليس اسناده بالقوى وروى رزين نحوه)

(۸۶۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَارِزْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفْهُ. (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

(۸۶۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَبِي الْحَمَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَ بَقِيتُ لَهُ بِقِيَّةَ فَوْعِدْتُهُ أَنْ آتِيَهُ فِي مَكَانِهِ فَنَسِيتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتُ عَلَى أَنَا هَهُنَا مِنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ. (رواه ابوداؤد)

الخصومة والجدال

(۸۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَ هُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَ. (رواه ابوداؤد)

(۸۶۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَرْفَعُهُ قَالَ أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللَّهِ الْأَلْدُخْصِمُ.

(رواه الشيخان)

(۸۷۰) عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِي عُمَرُ

(۸۷۰) * منافق کی جتنی خصائل بد ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ خصائل نفاق عملی جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں....

جانتے ہو اسلام کو ڈھانسنے والی چیزیں کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔
فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے
نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

نمازوں میں کاہلی اور سستی

(۸۷۱) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ
جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور
مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیے
ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آ کر نماز ادا کی جائے جہاں پنجوقتہ
اذان دی جاتی ہو۔

(مسلم)

(۸۷۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس
میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت
آجائے تو اب اٹھے اور (جلدی جلدی) چار چوٹ مار لے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا
اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی رہ جائے۔ (مسلم شریف)

(۸۷۳) ابی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص
جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو
نمازیں سب نمازوں میں زیادہ بارگزر تھیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر
تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو
کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف

هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ
يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَ جِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَ
حُكْمُ الْأَنْمَةِ الْمُضِلِّينَ. (رواه الدارمی)

اضاعة الصلوات

(۸۷۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَقَدْ
رَأَيْتُنَا وَ مَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ
عَلِمَ نِفَاقَهُ أَوْ مَرِيضٌ. إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ
لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتَّى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ وَقَالَ
إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا
سُنَنَ الْهُدَى وَ إِنْ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةُ فِي
الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ. (رواه مسلم)

(۸۷۲) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ
الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّى إِذَا
أَصْفَرَتْ وَ كَانَتْ بَيْنَ قَرْنِي الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّرَ
أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا. (رواه مسلم)

(۸۷۳) عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا
الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ أَشَاهِدُ فُلَانٌ قَالُوا لَا
قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى
الْمُنَافِقِينَ وَ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَا تَتِمُّوهَا وَ
لَوْ حَبَّوْا عَلَى الرُّكْبِ وَ إِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ

للہ.... ہیں اور آخر اس کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

(۸۷۲) * یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر بہ ہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جب کہ نماز
کا وقت بالکل ٹک ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے سجدوں کی حقیقت صرف پرندے کے چوٹ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے
اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لیے اس کے دو سجدے گویا ایک چوٹ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولد کر اللہ اکبر فرمایا
گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی روح بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتی ہے۔

(۸۷۳) * یہاں آپ کا نام لے کر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کہ کون کون ہیں۔

عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

(۸۷۴) عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ الْإِذَاانَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ. (رواه ابن ماجه)

(۸۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقَّةٌ فِي الدِّينِ. (رواه الترمذی)

(۸۷۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ

کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ (ابوداؤد - نسائی)

(۸۷۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بے ضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

(۸۷۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یکجا نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ۔ (ترمذی شریف)

(۸۷۶) حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

(۸۷۵) * پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصال کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مؤمن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اور یہاں ان فضائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پہلی حدیثوں کا منشا یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہونا چاہیے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہنا چاہیے جس میں یہ فضائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مؤمن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ جملہ خصال ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو۔

دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری افعال کو بھی حسین و خوبصورت بنا لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسن باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو کچھ نہ کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے مقتضا کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم قسمت ہے اور نفاق عملی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں اپنی ظاہری شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا خوبصورت بنانا بھی اس کا ایک جزاء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمان ہی کو میسر آ سکتی ہے۔ جو فرقہ صرف اصلاح باطن کے درپے ہے اور اصلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگ رہا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے۔

(۸۷۶) * یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں میں ہے۔

اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمَى مُؤْمِنًا
مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمَى مُسْلِمًا
بشَيْءٍ يُرِيدُ بِهِ شَيْنَهُ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلَى جَسَرِ
جَهَنَّمَ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواه ابوداؤد)

اسباب النفاق

(۸۷۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي
الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ.

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

(۸۷۸) عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ
فِي طَرِيقٍ فَسَمِعَ مَرْمَرًا فَوَضَعَ اصْبَعِيهِ فِي
أُذُنِيهِ وَنَاعَنَ الطَّرِيقَ إِلَى الْجَانِبِ الْآخِرِ ثُمَّ
قَالَ لِي بَعْدَ أَنْ بَعْدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا
قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اصْبَعِيهِ مِنْ أُذُنِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ
رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ
صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعُ وَ
كُنْتُ إِذْ ذَاكَ صَغِيرًا. (رواه احمد و ابوداؤد)

(۸۷۹) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَكَ
الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي
كِتَابٍ لَا يُمْحَى وَلَا يُبَدَّلُ. وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ
ثَلَاثًا - (رواه الشافعی کما فی مشکاة)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچالیا
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ
کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی
جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے
گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر فارغ نہ ہو لے۔ (ابوداؤد)

نفاق کے چند اسباب

(۸۷۷) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح
پانی کھیتی کو۔

(شعب الایمان)

(۸۷۸) حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت
ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک راستہ پر جا رہا تھا کہ انھوں نے بانسری
کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری
جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز
سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو
یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ میں اس
وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا) (ابوداؤد)

(۸۷۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں جس شخص نے
کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھ دیا جائے گا
جس میں کوئی ترمیم و تہنیک نہیں کی جاتی۔

(مشکوٰۃ شریف)

..... میں آیا ہے۔ غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی ذوالوجہین ہوتا ہے۔ غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی کا ثمرہ
ہے غیبت کے مقاصد بھی وہی ہوتے ہیں جو نفاق کے اس لیے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ دراصل غیبت کی عادت سے نفرت
دانے کے لیے سب سے زیادہ مؤثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لیے سب سے قریب بھی۔

(۸۷۷) * صرف خوش آوازی منع نہیں سر اور سرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے۔

البراءة من النفاق

(۸۸۰) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَةٌ تَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّفَاقِ. (رواه الترمذی و الصحيح و قفہ)

اکرام المنافق

(۸۸۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُولَنَّ لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَإِنَّهُ إِنْ يَكُنْ فَقَدْ اسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ.

(رواه ابو داؤد)

التعوذ من النفاق

(۸۸۲) عَنْ أُمِّ مَعْبِدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النَّفَاقِ وَ عَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ وَ لِسَانِي مِنَ الْكُذْبِ وَ عَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُورُ.

(رواه البيهقي في الدعوات الكبير)

نفاق سے علیحدہ ہونا

(۸۸۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔ عذاب دوزخ سے اور مرض نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

منافق کی تعظیم کرنا

(۸۸۱) عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر درحقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کر لیا۔ (ابوداؤد)

نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

(۸۸۲) ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے، خدایا! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک و صاف کر دے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ (بیہقی)

(۸۸۰) * چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے کہ اس کا تذکرہ آپ کی حراء کی خلوتوں تک میں ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں۔ حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا ہے صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ باجماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو برائتیں نصیب ہو جاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کر سکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعادتیں لکھی جا چکی ہیں۔

گوئے توفیق و سعادت در میان افگند ماند کس مبدان در نمی آید سواراں را چہ شد

(۸۸۱) * یعنی اگر شومئی قسمت سے منافق سردار بن بھی جائے جب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزّة کی نارضائی کا موجب ہے یاد رکھئے جس طرح اکرام مؤمن دین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزّت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔

(۸۸۲) * قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا نمائش زبان کا دروغ گوئی اور آنکھوں کا نظریں چرا کر مخرمات کو دیکھنا، سبحان اللہ خاتم الانبیاء علیہ السلام

(۸۸۳) عَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْ اللَّهُمَّ اجْعَلْ سِرِّي رَتِي خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِي وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِي صَالِحَةً اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ. (رواه الترمذی)

(۸۸۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدا یا! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنا دے خدا یا! میں تجھ سے وہ تمام اچھی اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو عطا فرماتا ہے نیک بی بی حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

(۸۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّقَاقِ وَالنَّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

(۸۸۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ خدا یا! میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف، نفاق اور برے اخلاق سے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھا دی۔ جو ان قیمتی اعضاء کو فاسد کر سکتے تھے۔

(۸۸۳) * نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لیے آپؐ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کے لیے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرمادے گویا انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو۔ منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ وہ نفاق حقیقی یا نفاق عملی سے متعفن ہوتا ہے۔

(۸۸۴) * شقاق اور بد خلقی یہ نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپؐ صحابہ کرامؓ کے خوف و خشیت کا حال پڑھ چکے ہیں۔ جو اعمال نفاق آپؐ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقع پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی بر بنا بشریت انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزیئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کے معیار دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ذات گرامی کو ملاحظہ کیجئے انہوں نے کیسی کیسی سچی باتوں کو بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اٹھائیں گے۔

